نادر فقہی فتاویٰ جات کا بیش بہا خزانہ

فتاوٰی اکبریہ

جلد اوّل

تصنیف

استاذ العلماء حضرت علامہ مفتی صاحبزادہ

محمد عبد المالک نظامی چشتی

مکتبۃ اکبریۃ

نام کتاب:: اکبر الفتاوٰی المعروف بہ فتاوٰی اکبریہ

مؤلف: : فضیلۃ الشیخ علامہ مولانا صاحبزادہ محمد عبدالمالک صاحب دامت برکاتہم العالیہ

محرک:: انجمن فضلاء جامعہ اکبریہ میانوالی

پروف ریڈنگ:: فاضل اجل حضرت علامہ مفتی حسین علی چشتی حفظہ اللہ تعالیٰ
(صدر مدرس جامعہ اکبریہ میانوالی)

تعاونِ خاص:: مولانا محمد منظور عالم سیالوی فاضل جامعہ اکبریہ

تبیض و تخریج:: ابوالعرفان حافظ محمد علی اعظمی فاضل جامعہ اکبریہ میانوالی

ترتیب و کمپوزنگ: : محمد مدثر علی شاہ متعلم جامعہ اکبریہ میانوالی، ملک محمد جاوید

سن اشاعت: مئی 2007ء

تعداد:: 1000

ناشر:: شعبہ نشر و اشاعت جامعہ اکبریہ میانوالی۔

مطبع:: اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز لاہور

قیمت:: 320 روپے

برائے رابطہ نمبرز:: 0459-231814-231611

ملنے کے پتے:: ناظم جامعہ اکبریہ بلوخیل روڈ میانوالی

مکتبہ سلطانیہ لیاقت بازار میانوالی

اکبریہ بکڈپوز جامعہ اکبریہ میانوالی

شبیر برادرز 40 اُردو بازار لاہور

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

انتساب

اس عظیم علمی روحانی شخصیت کے نام

جن کے باطنی فیض سے بندہ یہ کتاب مرتب کرنے کے قابل ہوا میری مراد

عمدۃ العارفین سراج السالکین

حضرت مولانا خواجہ محمد اکبر علی چشتی میروی رحمۃ اللہ علیہ ہیں

بدو نامِ نامی شدہ منجلی

چہ اسم گرامی است اکبر علیؒ

انکے مبارک نام سے میرا نام بھی روشن ہوا

اکبر علی کا نام کتنا بلند مرتبہ ہے

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حرف تقدیم

حامدًاو مصلیًا اما بعد!

مولانا صاحبزادہ محمد عبدالمالک صاحب کورب کریم نے علم وفضل اور اخلاق واوصاف حمیدہ سے جو حصہ وافر عطافرمایاہے وہ محتاج بیان نہیں۔

"جامعہ اکبریہ" کے اہتمام وانصرام کے علاوہ درگاہ اکبریہ کی خانقاہی ذمہ داریاں اور سماجی خدمات کے باوجود تحریر وتصنیف کیلئے بھی وقت نکال لیتے ہیں۔

"جمال فقر" اور الھم ربنا کی کامیاب طباعت واشاعت کے بعد ان کی جدید تالیف فتاویٰ اکبریہ کی طباعت شروع ہو چکی ہے یہ فتاویٰ مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے فقہی مسائل کا حل پیش کرتا ہے مجھے مسرت بھی ہے اور فخر بھی کہ مکتبہ اکبریہ کو ایک مرتبہ پھر دور حاضر کے ایک نامور عالم محقق اور سجادہ نشین آستانہ اکبریہ کی ایک مایہ ناز تالیف کا مستند نسخہ شائع کرنے کا شرف حاصل ہو رہا ہے۔ رب رؤف ورحیم مکتبہ کو مزید ترقی عطا فرمائے (آمین)

اسلامی فتاویٰ کا بنیادی مقصد علوم شرعیہ سے آگاہی ہے یاد رہے کہ فتویٰ علاقہ اور وقت کی تبدیلی سے حسب ضرورت شرعی تبدیل ہوتا رہتا ہے فقہائے نے اسے تغیر الفتوىٰ بالزمان والمكان سے تعبیر کیا ہے اختلاف رائے ہر صاحب علوم شرعیہ کا حق ہے لیکن دلائل پر مبنی ہونا چاہیے میں اس اشاعت پر میں اس اشاعت پر قبلہ والد گرامی جناب صاحبزادہ عبدالمالک صاحب مکتبہ اکبریہ اور شبیر برادرز کو مبارک باد دیتا ہوں جنہوں نے اس محبت سے فتاویٰ اکبریہ شائع فرمایا

خدا انہیں جزائے خیر عطا فرمائے میں شکریہ ادا کرونگا معاونین وارا کین انجمن اکبریہ کا جنہوں نے اس کی اشاعت کا ذمہ اٹھایا۔

والسلام: صاحبزادہ عطاء المصطفیٰ (ایل ایل ایم شریعہ)

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

انچارج شعبہ نشر واشاعت جامعہ اکبریہ میانوالی

03005341595

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

خصوصی اظہار سپاس وتشکر بحضور

شیخ التفسیر والحدیث حضرت علامہ مفتی فیض احمد اویسی صاحب دامت برکاتہم العالیہ

جامعہ اویسیہ بہاول پور

شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد اشرف سیالوی صاحب طال اللہ عمرہ

مہتمم جامعہ غوثیہ منیر الاسلام سرگودھا

شیخ الحدیث حضرت علامہ عبدالحکیم شرف قادری صاحب

سابق شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

فاضل جلیل حضرت العلام مفتی شیر محمد خان صاحب

مفتی جامعہ محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف

جنہوں نے اپنے قیمتی لمحات **فتاویٰ اکبریہ** کے مطالعہ اور نظر ثانی کے لئے وقف فرمائے اور تقاریظ ہائے جلیلہ سے سرفراز فرمایا اس نوازش کرم پر اراکین ادارہ ہذا سراپا امتنان ہیں

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حدیث دل

ازقلم : شیخ الحدیث علامہ محمد اشرف صاحب سیالوی

نحمده و نصلی علیٰ رسوله الکریم وعلیٰ آله واصحابه اجمعین

اما بعد!

"وقال الله تعالی هل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون"

ترجمہ: کیا عالم اور جاہل برابر ہو سکتے ہیں۔

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے: "یرفع الله الذین امنوا والذین اوتوا العلم درجٰت"

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ایمان والوں اور اہل علم کے درجات بلند فرماتا ہے۔

نیز فرمان باری تعالیٰ:

"کونوا ربانیین بما کنتم تعلمون الکتاب و بما کنتم تدرسون"

تم اللہ والے بن جاؤ بسبب اس کے جو تم تعلیم دیتے ہو کتاب کی اور جو تم پڑھاتے ہو

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"فلولا نفر من کل فرقة منهم طائفة لیتفقهوا فی الدین"

ترجمہ: کیوں نہ ہوا کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے جو دین کی سمجھ حاصل کرے۔

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ان تمام آیات قرآنیہ میں اللہ ربّ العزت نے اہل علم کی شان و مرتبہ بیان فرمایا ہے نیز احادیث مبارکہ کے اندر بھی نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے علماء کی شان بیان فرمائی ہے ۔ارشادفرمایا کہ

فضل العالم علی العابد کفضلی علی ادناکم ۔

عالم کی فضیلت عابد پراس طرح ہے جیسے کی میری فضیلت تم میں سے کسی ادنیٰ پر ہے۔

نیز حدیث مبارکہ ہے:من یرد اللہ بہ خیرًا یفقہ فی الدین ۔

جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارداہ فرماتے ہیں اسے دین کی سمجھ عطا فرماتے ہیں۔

نیز ارشاد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ لوگ سونے چاندی کی کانوں کی طرح ہیں ان میں سے بہتر وہی ہیں جو فقہ میں ماہر ہوں۔

نیز فرمان نبوی ہے:فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد

ترجمہ:ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ سخت ہے۔

حضور علیہ السلام نے جب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو نماز کے دوران ادب و احترام کرتے دیکھا تو دعا دی

اللھم فقہ فی الدین وعلمہ التاویل ۔

ترجمہ:یااللہ!انہیں دین کی سمجھ عطا فرما اور قرآن مجید کا علم نصیب فرما۔

اللہ تعالیٰ کے ان ارشادات سے اور نبی کریم مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات سے واضح ہوگیا

کہ علم دین بڑی فضیلت اور بزرگی کا حامل ہے اور عقائد اور اعمال واجبہ اور افعال محرمہ کا معلوم ہونا از حد ضروری ہے اور اہم ترین فریضہ ہے لیکن ہر آدمی براہ راست قرآن وسنت سے ان کی معرفت حاصل نہیں کرسکتا اور نہ ان کے کما حقہ استنباط واستخراج پر قدرت رکھتا ہے اس لئے ضرورت ہے کہ ان کو عام فہم انداز میں یہ عقائد اور احکام بتائے جائیں تا کہ وہ حق و باطل عقائد میں تمیز کرسکیں اور حلال وحرام اور جائز و ناجائز امور کی معرفت حاصل کرسکیں اکابرین ملت نے اس ضرورت کے پیش نظر اپنی اپنی زبانوں میں مختلف اوقات اور ادوار میں عقائد اور احکام کتابی صورت میں بیان فرمائے اور فتاوے جمع کئے اور عام مسلمانوں کی رہنمائی کا سامان کیا۔ حضرت علامہ صاحبزادہ عبدالمالک صاحب نے بھی اسی مبارک جذبہ کے تحت **فتاویٰ اکبریہ** کی تالیف اور اشاعت فرما کر بڑا مستحسن قدم اٹھایا ہے اور آستانہ عالیہ کے متعلقین کے لیے بالخصوص اور تمام اہل سنت کے لیے بالعموم عقائد حقہ اور اعمال حسنہ میں ہدایت اور رہبری ورہنمائی کا حق ادا کیا ہے اور بالخصوص اپنے اسلاف اور دیگر علمائے اعلام کے قدیم نادر فتوے جمع فرما کر ان قیمتی جواہر کے تحفظ کا بھی سامان کیا اور نیز عقائد کے بارے میں یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح کردی کہ صرف بریلی شریف سے علم غیب اور حاضر وناظر اور مختار کل اور ندائے یارسول اللہ وغیرہ کے عقائد جاری نہیں ہوئے بلکہ ان خانوادوں اور روحانی مراکز میں بھی عرصہ دراز سے انہی عقائد کی تبلیغ کی جاتی رہی ہے اسی کی تعلیم دی جاتی تھی اور اہل سنت والجماعت کے ہمیشہ سے یہی عقائد ونظریات رہے ہیں

اب بھی ہیں۔ والحمدللہ **فتاویٰ اکبریہ** میں مندرج فتاویٰ کتاب وسنت کے ضروری دلائل کے ساتھ مدلل انداز میں اور مناسب تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ اختلافی مسائل جن میں علمائے اہل سنت کا علمائے دیوبند کے ساتھ اختلاف ہے ان میں بھی خوب تحقیق کے ساتھ مسلک حقہ کی وضاحت فرمائی گئی ہے۔ فقیر نے ان فتاویٰ جات کا بالاستیعاب مطالعہ کیا ہے اور مفتی حضرات کے طریق استدلال انداز تحریر اور ان کی وسعت مطالعہ سے انتہائی متاثر ہوا ہے ان حضرات کی فقہی جزیات پر گہری نظر سے خوب محظوظ ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان عظیم فتاویٰ جات سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہونے کی اور اس عظیم علمی شاہکار کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ان علمائے اعلام اور فقہائے اسلام کو دین متین کی اس گرانقدر خدمت پر جزائے جزیل اور اجر عظیم عطا فرمائے اور حضرت صاحبزادہ صاحب کی اس سعی جمیلہ اور جہد مشکور کو اپنی بارگاہ ناز میں اور محبوب رب کریم رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ محبوبیت میں شرف قبولیت سے نوازے۔ آمین ثم آمین۔

احقر الانام ابوالحسنات محمد اشرف سیالوی

حررہ۔ ابوالمعین غلام نصیرالدین سیالوی سرگودھا

نقش اول

بسم الله الرحمن الرحیم

نحمده نصلی و نسلم علی رسوله الکریم

یسبح له ما فی السموات والارض وهو العزیز الحکیم (القرآن)

آسمان کے ستاروں، بارش کے قطروں، درختوں کے پتوں، صحرا کی ریت اور زمین وآسمان کے ذروں کی مانند بے انتہا شکر و تعریف کی مستحق صرف اللہ کی ذات ہے کہ اکیلا اور تنہا ہوتا اس کی صفت اور بزرگی و برتری تیز بڑائی اور اچھائی جس کی شان ہے۔ اللہ رب العزت کے جلال کی حقیقت سے کوئی فرد بشر آگاہ نہیں اور اس کی حقیقی معرفت کا اس کے سوا کوئی جاننے والا نہیں بلکہ اس کی معرفت کی حقیقت کے معاملہ میں اپنی عاجزی کا اقرار کرنا صدیقوں کی معرفت کی انتہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء میں اپنی تقصیر کا اقرار کرنا ملائکہ اور صدیقوں کی ثناء کی انتہا ہے۔ اس کے جلال کی پہلی چمک میں حیران رہ جانا عقل مندوں کی عقل کی غایت ہے۔ اور اس کے جمال کا قرب تلاش کرنے میں حیران رہ جانا سالک وارادت مندوں کی انتہا ہے۔ کوئی شخص ایسا نہیں جو اس کی ذات کی عظمت کے متعلق سوچے، اس کی حقیقت کیا ہے، اور کوئی دل ایسا نہیں جو اس عجیب و غریب صفتوں سے ایک لحظہ غافل رہے کہ ان کی ہستی کیا ہے۔ اور یہ کس کی قدرت سے بن اور چل رہی ہیں۔ اسی طرح یہ پہچاننا ممکن ہوگا کہ یہ سب کچھ اسی کی قدرت کے آثار اور اسی کی عظمت کے انوار میں اور تمام عجائب وغرائب اس کی حکمت کا کرشمہ ہیں۔ اور سب کچھ اس کے جمال کا پرتو ہیں اور جو کچھ ہے حقیقت میں اسی کے کرم اور اسی کے سبب ہے، بلکہ حقیقت میں

وہی سب کچھ ہے کیوں کہ کسی چیز کی اس کے بغیر کوئی ہستی نہیں اور حقیقت میں سب کے وجود اسی کے نورِ ہستی کا پرتو اور پرچھائیں ہیں ۔ بے انتہا درود حضرت محمدِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو سب نبیوں کے سردار اور ہر صاحب ایمان کے رہبر و راہنما ہیں ۔ آپ اسرار ربوبیت کے امین اور اللہ تعالیٰ کے مقرب اور محبوب ہیں، نیز اس کے مستحق آپ ﷺ کے اصحاب علیہم الرضوان ہیں جن میں ہر ایک امت کا پیشوا اور شریعت غرا کی راہ دکھانے والا ہے ۔

وجہ تالیف اللہ رب العزت نے انسان کو لہو و لعب کے واسطے پیدا نہیں کیا بلکہ اس کا مقصد زندگی بہت بلند و بالا ہے، مقصدِ حیات اس کی عبادت و بندگی کے علاوہ اسلام کی سربلندی کے لیے کوشش کرنا ۔ اور انسانیت کی بھلائی، تعلیم، تربیت کے لیے تن من دھن قربان کر دینا ہے ۔

بقول اقبال درِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ اطاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

ویلفیئر سوسائیٹیاں، ہسپتال، فلاحی ادارے، دینی مدارس وغیرہ یہ سب انسانیت کی خدمت و بھلائی کے لیے ہیں ۔ انسانیت کی بھلائی کے لیے تو اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ سے زائد انبیاء علیہم السلام مبعوث فرما کر انسانیت پر احسان کیا ۔ آخر میں حضور رحمت کائنات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرما کر مومنین پر احسان فرمایا ۔ انسانیت کی خدمت و بھلائی کے جذبہ کے تحت فقیہہ العصر پیر طریقت رہبر شریعت استاذ العلماء والفضلا حضرت علامہ صاحبزادہ محمد عبدالمالک چشتی میروی طال اللہ عمرہ و حفظہ نے **1975**ء میں مدرسہ جامعہ اکبریہ کا انتظام سنبھالا اور انقلابی طور پر ہر شعبہ میں تبدیلیاں کیں تو "**دار الافتاء**" کا شعبہ بھی باقاعدہ قائم کیا گیا ۔ جنوری **2007**ء تک جو فتاویٰ

جامعہ اکبریہ کے مفتی کے قلم سے جاری کئے گئے انکا با قاعدہ ریکارڈ رکھا گیا۔ قطب الاقطاب حضرت خواجہ محمد **اکبر علی** چشتی میروی رحمۃ اللہ علیہ کے عرس کے مبارک موقع پر انجمن فضلاء جامعہ اکبریہ کے اجلاس میں منعقدہ (**04-7-2005**) میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ تمام فتاویٰ جات کو کتابی شکل دی جائے۔ اس کی ترتیب، تبیض وتخریج کی ذمہ داری ابو العرفان حافظ محمد علی اعظمی فاضل جامعہ ھذا کے سپرد کی گئی۔

اس کا نام ﴿**فتاویٰ اکبریہ**﴾ تجویز کیا گیا۔ اس کے پہلے جلد میں **29** ابواب بنائے گئے ہیں، جس میں کتاب العقائد سے لے کر باب شتیٰ تک کے مسائل شامل ہیں۔ جب کہ دوسری جلد میں نکاح اور طلاق کے مسائل شامل کیئے جائیں گے۔ (انشاء اللہ)

اس فتاویٰ کی خصوصیت یہ ہے کہ صاف اور آسان عبارت سے مزین کیا گیا ہے۔ مشکل عبارات اور دقیق مضامین سے پاک رکھا گیا ہے۔ تاکہ یہ فتاویٰ عام فہم ہو اور اس فتاویٰ کا مقصد صرف عوام الناس کو آسان الفاظ میں دینی مسائل سمجھانا مقصود ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اپنے فضل وکرم اور حضور سرکار کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمتوں وعظمتوں کے طفیل ہمارے مشفق استاذ المکرم صاحبزادہ محمد عبد المالک صاحب زید مجدہ وشرفہ کی عمر، اولاد اور علم وعرفان میں خصوصاً جامعہ اکبریہ کے متعلقین متوسلین اساتذہ، طلباء اور معاونین کو برکتوں سے مالا مال فرمائے۔ یہ شجرہ طیبہ ابد الاباد تک رہے۔

آمین ثم امین

بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حافظ محمد علی اعظمی

حرف آغاز

ازحضرت مولانا صاحبزادہ محمد عبدالمالک صاحب مہتمم جامعہ اکبریہ میانوالی

الحمد للہ و کفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفےٰ

اما بعد! جامعہ اکبریہ میانوالی میں تعلیم کے ساتھ ساتھ افتاء کا سلسلہ ہمیشہ سے جاری رہا ہے۔ لیکن ابتداء میں اس کا کوئی منظم سلسلہ نہ تھا۔ اساتذہ کرام، مہتمم صاحب جو بھی موجود ہوتا سائلین کے سوالوں کا جواب دے دیا کرتا تھا۔ یہ سلسلہ 1304ھ سے جب قطب الاقطاب حضرت مولانا خواجہ محمد اکبر علی علیہ الرحمۃ نے اس جامعہ کی بنیاد رکھی جاری تھا۔ کئی ایک اہم فتاوئی جات ریکارڈ میں موجود تھے، لیکن اکثر کا ریکارڈ نہ تھا۔ جب یہ سلسلہ بڑھا تو آج سے پندرہ برس قبل فیصلہ ہوا کہ مستقل دارالافتاء قائم کیا جائے۔ اور اس کا باقاعدہ ریکارڈ رکھا جائے۔ 1992ء سے دارالافتاء تو قائم کر دیا گیا لیکن کسی حاذق مفتی کی تلاش جاری رہی۔ مختلف ادوار میں مہتمم مدرسہ کے علاوہ جناب علامہ مفتی محمد عمر صاحب گورلڑوی، مولانا مفتی عبدالعزیز سیالوی رحمۃ اللہ علیہ اور فاضل جلیل مولانا مفتی حسین علی صاحب دامت برکاتہم اس منصب کو احسن طریقہ سے نبھاتے رہے۔ افتاء کا منصب علمی سلسلوں میں سب سے زیادہ دقیق و مشکل ہے۔ فقہ کی لاکھوں متماثل جزئیات سے معمولی معمولی فرق کے ساتھ متعلقہ احکام تلاش کرنا عمیق علم کا متقاضی ہے۔ یہ ہر عالم و مدرس کا کام نہیں جب تک کہ اس کے قلب میں تفقہ کا مادہ نہ ہو۔

بفضلہٖ تعالیٰ مفتیان جامعہ اکبریہ نے اس ذمہ داری کو احسن طریقہ سے نبھایا اور ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے۔

فتاویٰ اکبریہ کی ترتیب فتاویٰ جات کا اصل ذخیرہ جامعہ اکبریہ میں موجود تھا لیکن اس کو از سر نو مرتب کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔ انجمن فضلاء جامعہ اکبریہ نے یہ مشکل اور اہم ذمہ داری حضرت مولانا ابو العرفان حافظ محمد علی اعظمی فاضل جامعہ اکبریہ کو سونپی۔ انہوں نے دن رات ایک کر کے سال بھر کی محنت شاقہ سے اس کی دو جلدیں مرتب فرمادیں اور باقی پر کام جاری ہے۔ ان میں متقدمین بزرگوں کے وہ فتاویٰ جات بھی شامل کئے گئے ہیں جو انہوں نے کئی برس پہلے جاری فرمائے تھے۔ یہ باقیات صالحات جریدہ عالم پر رہتی دنیا تک ثبت رہے گی۔

تدوین فقہ و فتویٰ نویسی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد پاک ہے، ''من یرد اللہ بہ خیراً یفقہ فی الدین' انما انا قاسم و اللہ یعطی (متفق علیہ)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ جس شخص سے بہتری کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کی سمجھ اور بصیرت عطا فرماتا ہے۔ بیشک میرا کام تقسیم کرنا ہے حقیقت میں عطا و بخشش خدا کا کام ہے۔

وہ ہے معطی یہ ہیں قاسم

دیتا وہ ہے دلاتے یہ ہیں

اس حدیث سے معلوم ہوا ہے کہ استنباط و استخراج میں بصیرت فیضان الٰہی ہے۔ علام لم یزل جس کو نوازنا چاہتا ہے نبی کریم ﷺ کے صدقے نواز دیتا ہے۔ صحابہ کرامؓ وہ پاکیزہ ہستیاں تھیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کے چلتے پھرتے نمونے تھے۔ ان کی کوئی ادا سنت نبوی ﷺ کے خلاف نہ تھی۔ وہ کتاب و سنت کی وہ روشن شمعیں تھیں جن سے پوری انسانیت

بقعہ نور بنی ہوئی تھی۔ اس دور میں زیادہ تر انحصار زبانی یا یاداشت پر ہی تھا۔

فقہ کی مختصر فضیلت قرآن شریف میں ہے: لیتفقھوا فی الدین و لینذروا قومھم ' و من یؤت الحکمۃ کی تفسیر میں بعض مفسرین نے حکمت سے فقہ کا علم مراد لیا ہے۔ بیہقی اور دارقطنی نے روایت کی ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا،

"لکل شئی عماد و عماد ھذا الدین الفقہ" ہر چیز کے واسطے ایک ستون ہوتا ہے اور اس دین کا ستون فقہ ہے اور یہ بھی ان دونوں نے روایت کی ہے،

"ولفقیہ واحداشدعلی الشیطان من الف عابد

بیشک ایک فقیہ ہزار عابد سے زیادہ شیطان پر سخت وگران ہوتا ہے کہ عابد سے کسی کو نفع نہیں پہنچتا اور فقیہ لوگوں کو فقہ کی تعلیم دیتا ہے، حرام، حلال کے مسائل لوگوں کو بتاتا ہے۔ اور بغوی نے روایت کی ہے حضور ﷺ نے فرمایا ہے: واما ھو لاء فیتعلمون الفقہ و یعلمون الجاھل فھو لاء افضل" وہ لوگ تو فقہ سیکھتے ہیں اور جاہلوں کو تعلیم دیتے ہیں۔ یہ افضل ہیں ذاکرین سے۔ بخاری شریف میں حضرت عمرؓ کا قول نقل کیا ہے کہ آپؓ نے فرمایا ہے، تفقھوا قبل ان تسودوا یعنی فقہ سیکھ لو قبل سردار ہونے سے قبل طبرانی نے معجم کبیر میں روایت کی ہی کہ فرمایا حضور ﷺ نے

"مجلس فقہ خیر من عبادۃ ستین سنۃ. فقہ کی مجلس میں شریک ہونا ساٹھ برس کی عبادت سے بہتر ہے۔ صحیحین میں ہے: "من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین" جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اس کو دین کی سمجھ عنایت فرماتا ہے یعنی عالم فقیہ اس کو بنا دیتا ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے، "انما مثل الفقھاء کمثل الا کف اذا قطعت کف

لم تعد " فقہا کی مثال کفِ دست کی مانند ہے۔ اگر کسی کا کف دست کٹ جائے تو پھر دوبارہ پیدا نہ ہوگا۔ جیسے انسان کو کف دست کی ضرورت ہوتی ہے ویسے ہی فقہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ بغیر اس علم کے آدمی کا کام نہیں چلتا۔ علم فقہ پر قدر حاجت سیکھنا فرض عین ہے اور حاجت سے زیادہ سیکھنا فرض کفایہ ہے۔ درمختار نے خلاصہ سے نقل کیا ہے کہ، فقہ کی کتابوں کا خود دیکھنا رات کی عبادتوں سے افضل ہے۔ کیونکہ یہ فرض کفایہ سے ہے اور فقہ کا سیکھنا فرض عین ہے۔ باقی قرآن سے یعنی کسی نے بقدر حاجت قرآن کو حفظ کر لیا بعد میں کے اس کو مہلت معین ملی تو افضل ہے کہ فقہ کا شغل کرے اس لیے کہ قرآن کا حفظ کرنا فرض کفایہ ہے اور ضروری حاجت کے موافق فقہ کا سیکھنا فرض عین ہے اور فرض عین فرض کفایہ پر مقدم ہوتا ہے۔ اور جمیع مسائل فقہ کا سیکھنا جمیع قرآن کے حفظ کر لینے سے زیادہ ضروری ہے۔ عامۂ خلائق کو عبادات و معاملات کی حاجت زیادہ ہوتی ہے اور بہ نسبت حافظوں کے فقہاء کم پائے جاتے ہیں۔ اس وجہ سے جمیع مسائل فقہ کا جاننا حفظ سے افضل ہے۔ خزانہ سے ردالمحتار میں نقل کیا ہے کہ امام محمدؒ صاحب نے حلال وحرام کے باب میں دو لاکھ ایسے مسائل جمع کیئے ہیں کہ جن کا یاد کر لینا لوگوں کو بہت ضروری ہے۔

ضرورت تدوین فقہ جوں جوں انسان ترقی کرتا گیا اس کی ضرورتیں بڑھتی گئیں۔ اسلام عرب کی حدود سے نکل کر عجم ایران وروم کی حدود تک پہنچ گیا۔ انسانوں کی ضرورتوں نے نت نئے مسائل لا کھڑے کئے۔ اس بات کی ضرورت تھی کہ قرآن وسنت کی تعلیمات ایک نئے انداز سے مرتب اور مدون کیا جائے۔ صحابہ کرامؓ کے اقوال تلاش کر کے ایسا نظام حیات تشکیل دیا جانا ضروری تھا جو ہر طبقہ فکر عالم وجاہل ذہین وغبی، عربی وعجمی، شہری وبدوی ہر ایک کو بآسانی سمجھ آ سکتا

ہو۔ تابعین کے دور میں سب سے پہلے سراج الامتہ حضرتِ امام اعظم ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ اس کی تدوین فقہ پر آمادہ ہوئے۔ آپ نے ماہرین علم وفن کی ایک ایسی جماعت جمع فرمائی جو علم وبصیرت، زہد وتقویٰ جیسے تمام اوصاف سے متصف تھے۔ آپ کی ذات اس مجلس علماء میں صدر الصدور کی حیثیت رکھتی تھی۔ اس منبع فیض سے چار ہزار تابعین وجید علماء نے علمی استفادہ حاصل کیا۔ ائمہ اربعہ کے مختلف فقہی مذاہب جو دنیا میں اس وقت رائج ہیں بالواسطہ یا بلا واسطہ آپ ہی کے فیض یافتہ ہیں۔

طریقہ تدوین فقہ امام شعرانی نے امام صاحب کے طرز استنباط کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے، جب کوئی مسئلہ آجاتا تو امام ابوحنیفہ جملہ اصحاب علم وفن سے بحث ومباحثہ اور تبادلہ خیالات فرماتے تھے، آپ کے پاس قرآن وسنت کا جو ذخیرہ موجود ہوتا پیش فرماتے اور ہر ایک ماہر فن سے قرآن واحادیث کا ذخیرہ پیش کرنے کا تقاضا فرماتے۔ ایک ایک ماہ تک اس مسلہ پر بحث وتمحیص ہوتی جو معاملہ متفقہ طور پر طے پاتا حضرت امام ابو یوسفؒ اس کو قلمبند فرماتے۔ اس طرح شورائی طریقہ پر سارے اصول منضبط ہوئے اور فقہ کی بنیاد ڈالی گئی۔

انسانی غلطی کا تدارک اور امام اعظم کا اعلان

صاحب ھدایہ نے روضۃ العلماء کے حوالہ سے ایک روایت نقل کی ہے، "سئل ابو حنیفة اذا قلت قولاً و کتاب اللہ یخالفه قال اترکوا قولی بکتاب اللہ" امام ابوحنیفہ سے پوچھا کیا جب، آپ کا قول اللہ کی کتاب کے ظاہر مخالف ہو تو ایسی صورت میں کیا کیا جائے تو آپ نے فرمایا اللہ کی کتاب کے مقابلہ میں میرا قول چھوڑ دیں۔

پھر پوچھا گیا، کہ اگر خبر رسول ﷺ کے مقابلہ میں آپ کا قول معارض آئے تو فرمایا آنحضرت ﷺ کے فرمان کے مقابلہ میں میرے قول کو بھی چھوڑ دیں۔ بلکہ صحابہ کے صحیح اقوال کے مقابلہ میں بھی میرا قول ترک کر دیں۔

جو مسئلہ کتاب وسنت سے صراحتاً نہ ملتا تھا اس کے لیے تمام علماء جن کی تعداد کم از کم چالیس ہوتی تھی کو جمع کیا جاتا تھا۔ جب مسئلہ کی جزئیات پر تمام کا اتفاق ہوتا تب اس پر عمل کیا جاتا تھا۔

غرض کہ امام ابو حنیفہؒ ہی وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے علم فقہ کو مدون کیا بعد میں آنے والے لوگوں آپ ہی کی پیروی کی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس فرمان عالیشان کا مصداق اتم بنے: "فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد (الحدیث) ایک فقیہ شیطان پر ہزاروں عابدوں سے زیادہ بھاری ہوتا ہے۔

تاریخ فتاویٰ فتاویٰ کی تاریخ حضور اکرم ﷺ کے دور سے شروع ہوتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود ہی وہ پہلے مفتی تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے فتویٰ دینے کا حکم دیا۔

"یستفتونک فی النساء قل اللہ یفتیکم فیھن (القرآن)

لوگ آپ سے عورتوں کے بارے میں فتویٰ طلب کرتے ہیں آپ فرمادیں اللہ تعالیٰ اس بارہ میں یہ حکم نازل فرماتا ہے۔ اس آیت کریمہ میں افتاء کی نسبت خود اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف کی گئی اور حضور اکرم ﷺ کو فتویٰ دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ لوگوں نے مختلف مواقع پر حضور ﷺ سے سوالات پوچھے آپ ﷺ نے ان کے جوابات مرحمت فرمائے۔ آج بھی احادیث کی کتب میں اس کا بڑا ذخیرہ موجود ہے۔

صحابہ اور منصب افتاء حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں بعض جلیل القدر صحابہؓ کو منصب افتاء پر فائز پایا گیا۔ ان کا یہ مرتبہ ان کی آخر عمر تک قائم رہا۔ حضرت عمر بن خطابؓ، حضرت علی ابن ابی طالبؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، ام المومنین حضرت عائشہ الصدیقہؓ، حضرت زید بن ثابتؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے اسماء گرامی مفتی صحابہ میں شمار ہوتے ہیں۔ یوں تو حضور ﷺ کا ہر ایک صحابی مینارہ نور تھا۔

"اصحابی کا النجوم باایھم اقتدیتم اھتدیتم" (الحدیث)

میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں ان میں جس کی اقتداء کرو گے ہدایت پاؤ گے۔ لیکن مکثرین کی تعداد سات لکھی گئی ہے۔ امام اعظم، امام ابو حنیفہ کی فقہ کا اسناد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر جا کر منتہی ہوتا ہے۔

مفتی کا فریضہ آج عجیب دور ہے۔ قرآن و حدیث سے بے خبر، اجماع و قیاس پر نظر، نہ اصول و فروع کا امتیاز، نہ استنباط مسائل کی استعداد، اکثر نیم ملاؤں نے اس زمانے میں فتوی لکھنے کو آسان کام خیال کر لیا اور جس کتاب سے جی چاہا رطب و یابس نکال کر رکھ دیا۔ نہ رسم مفتی نہ آداب افتا کا شعور اور نہ اس فن کے کتب معتبرہ پر عبور، نہ کتب معتبرہ و غیر معتبرہ میں فرق و امتیاز کی لیاقت، نہ طبقات فقہا و آسانید کا علم و اقسام اجتہاد و اصحاب تخریج و ترجیح و قواعد رفع تعارض سے واقفیت۔ مگر فتاوی نویسی پر آستین چڑھائے ہوئے ہیں۔ اور استفتاء کے جواب لکھنے پر تلے بیٹھے ہیں۔ ہر دم قلم تیار، ہر وقت مستفتی کا انتظار، یہ وہی باتیں ہیں جن سے عموماً اکثر لوگ ناواقف ہیں۔ کچھ ایسے ہیں جو ان باتوں کو

جانتے ہیں۔ اور اس ٹکسال کے کھوٹے کھرے سکوں کو بخوبی پہچانتے ہیں۔ لیکن السنادر کالمعدوم مفید اور کارآمد عمدہ عمدہ باتیں بڑی بڑی عربی کتابوں میں مندرج ہونے کے سبب سے ہر کس و ناکس کو باآسانی معلوم نہیں ہوسکتیں۔ حالانکہ فتاویٰ نویسوں کو ان سب باتوں کا جاننا اور پہچاننا ضروری اور واجب الالتزام ہے ورنہ فتویٰ لکھنا ناجائز و حرام ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فتویٰ دینے والے کو ایک بہت قیمتی ہدایت فرمائی جس کو صاحب مشکوۃ نے کتاب العلم میں نقل فرمایا، (اے لوگو تم میں جو کسی چیز کا علم رکھتا ہو اسے چاہیے کہ وہ بیان کرے اور جسے علم نہ ہو وہ کہے اللہ بہتر جانتا ہے کیونکہ یہ بھی علم ہے جس کو نہ جانتا ہے اسے اللہ کے سپرد کرے) مفتی خوف خدا کو سامنے رکھ کر پورے غور و فکر اور دیانت کے ساتھ اپنی رائے بیان کرے۔ اگر مفتی بغیر سوچے سمجھے غلط فتویٰ دے تو عدم واقفیت کی وجہ سے جو لوگ بھی اس پر عمل کریں گے ان تمام کا وبال مفتی پر ہوگا۔

علامہ ابن قیم نے لکھا ہے: جو نااہل ہونے کے باوجود لوگوں کو فتویٰ دیتا ہے وہ گناہگار و نافرمان ہے۔ ذمہ دار لوگوں کا فرض ہے وہ اس کو معزول کریں ورنہ وہ بھی گناہگار ہوں گے۔ حضور اکرم ﷺ نے اسے قرب قیامت کی نشانی بتایا ہے۔

"فافتوا بغیر علم فضلو و اضلوا"

جو لوگ بغیر علم کے فتویٰ دیں گے خود بھی گمراہ ہوں گے دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔ ایسے لوگوں کے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد پاک موجود ہے،

"من افتی الناس بغیر علم لعنۃ ملائکۃ السماء و ملائکۃ الارض"

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

جو شخص بغیر علم کے فتویٰ دے اس پر زمین و آسمان کے ملائکہ لعنت فرماتے ہیں۔

علماء کہتے ہیں مفتی کے لیے چار چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔علمی وسعت، ایمانی فراست، دیانت، تزکیہ نفس، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ چیزیں بتمام و کمال پائی جاتی ہیں۔

اس زمانے میں سب سے زیادہ قابل رحم مفتی ہے۔جبکہ یہ کام دینی خدمات میں سب سے زیادہ اہم ہے۔اسی لیئے فقہائے اسلام نے فرمایا کہ جو عالم ایسا مرجع فتویٰ ہو جسے سنن مؤکدات پڑھنے کا موقع نہ ملے تو سوائے سنت فجر کے دیگر سنن مؤکدات مؤکدہ رہ جاتیں ہوں کو شرعاً اجازت ہے۔۔عالمگیری میں ہے:"قال مشائخنا العالم اذا صاد مرجعافي الفتوىٰ يجوز له ترك سائر السنن لحاجة الناس الى فتواه الا سنة الفجر كذا فى النهاية۔(عالمگیری جلد اول ص ۸۹)

اور اس کی وجہ ظاہر ہے کہ بے علم عوام کو حکم ہے کہ جو تم نہیں جانتے ہو علماء سے پوچھو،

قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے،"**فسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون**" علماء سے پوچھ لیا کرو اگر خود علم نہیں رکھتے۔(سورۃ النحل آیت نمبر ۴۳)

علماء نے فرمایا ہے اگر کوئی تلاوت کر رہا ہے اور اذان کی آواز آئی تو تلاوت روک کر اذان بغور سنے اور اس کا جواب دے۔لیکن اگر فقہاء علمی تذکرے میں ہوں تو ان کے لیے وہ حکم نہیں۔تنویر الابصار و درمختار میں ہے،"و يجيب من سمع الاذان ولو جنبالا حائضًا(الى ان قال) و تعليم علم و تعلمه بخلا ف القرآن" شامی میں ہے:"اى شرعى فيما يظهر ولذا عبر فى الجوهرة بقرائة الفقه (جلد اول ص ۳۹٦)

جواذان سنے وہ جواب دے اگر چہ جنبی ہو۔ حائضہ جواب نہ دے نہ وہ جو علم کی تعلیم دینے یا تعلیم حاصل کرنے میں مصروف ہے۔ قرآن کی تلاوت کرنے والا جواب دے، علم سے مراد علم شرعی ہے اسی لیے جوہرہ میں قرأت فقہ سے تعبیر کیا گیا۔

ایک شخص سے نماز میں غلطی ہو گئی جس سے نماز فاسد ہو گئی۔ اس نے کسی مفتی سے فتویٰ پوچھا مفتی نے فتویٰ دینے میں دیر کی۔ اسی اثناء میں اس شخص کا انتقال ہو گیا۔ اس غریب کے ذمہ ایک وقت کی نماز رہ گئی۔ اس کا سبب فتوے کی تاخیر ہوا۔ ایک شخص سے کفر سرزد ہوا اس نے عالم سے فتویٰ پوچھا۔ فتویٰ دینے میں دیر ہوئی اور وہ مر گیا۔ یہ کتنا عظیم سانحہ ہوا۔ اسی سے مفتی کی اہمیت ظاہر ہو گئی۔ لیکن یہ کام جتنا مشکل ہے لوگوں نے اس کو اتنا ہی آسان سمجھ لیا ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ بہار شریعت، فتاویٰ نوریہ، فتاویٰ نعیمیہ، فتاویٰ اکبریہ اور فتاویٰ رضویہ دیکھ کر کوئی بھی فتویٰ لکھ سکتا ہے۔ لیکن یہ وہی لوگ کہتے ہیں جو اس بحر ناپیدا کنار کا ساحل پر کھڑے نظارہ کرتے ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ بہار شریعت اور دیگر فتاویٰ جات نے مفتی کا کام بہت آسان کر دیا ہے۔ لیکن آسانی کے باوجود فتاویٰ نویسی کی دشواری اپنی جگہ قائم ہے۔ فقہائے کرام نے اپنی خداداد فراست وبصیرت و ذہانت سے ہزاروں کلیات اور لاکھوں جزئیات اپنے صحائف میں تحریر فرما دیے ہیں۔ مگر نئے نئے مسائل اور مسائل کی نئی نئی شکلیں ایسی رونما ہو جاتی ہیں کہ ذہین سے ذہین آدمی کو کلیات سے یا

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

جزئیات سے حکم نکالنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔

فتویٰ لکھنے میں یہ چند باتیں ضروری ہیں

(۱) سوال کا کماحقہ سمجھنا۔

(۲) سوال کے لب ولہجہ سیاق وسباق سے یہ پہچان لینا کہ سائل کا منشا کیا ہے؟ یہ سب سے اہم کام ہے جو شخص بہت دقیق تنقیدی نظر نہ رکھتا ہو وہ اس کو شاید ہی جان سکے۔ یہ بہت ماہر حاذق کا کام ہے۔

(۳) مفتی مخلص ہو، نیز انتہائی ذہن وفطین ہو۔

(۴) زبان عرب کا پورا پورا ماہر ہو، عبارت النص، دلالت النص، اشارۃ النص، اقتضاء النص وغیرہ کے ذریعہ فقہی عبارتوں کے جملہ معانی سمجھنے کا ملکہ رکھتا ہو۔

(۵) متداول کتب فقہ کا کامل مطالعہ کیئے ہوئے ہو اور اس کے حافظے میں فقہ کے اکثر کلیات وجزئیات محفوظ ہوں۔

(۶) کسی سے مرعوب نہ ہو۔

(۷) اتنا جری ہو کہ بلاخوف لامتہ لائم حق بات کہنے کی جرأت رکھتا ہو۔ مزاج پر غصہ غالب ہو اور نہ لینت (نرمی)

(۸) سوال کے بارے میں جب تک پورا اطمینان خاطر نہ ہو جائے حکم صادر نہ فرمائے۔

(۹) جو بھی حکم دے اس کی قوی دلیل پہلے ذہن نشین کرے۔

(۱۰) متشابہ مسائل میں امتیاز پر قادر ہو۔

"تلك عشرة كاملة"

بہرحال ایک عالم اور فقیہہ پر ضروری ہے کہ وہ بلا تحقیق جواب نہ دے اور کسی مسلے میں تحقیق نہ ہو تو اس کی وضاحت کرنے اور اصل صورت حال کے برملا اظہار میں اپنی توہین محسوس نہ کرے، جیسا کہ حضرت مالک بن انس سے ایک بار 40 چالیس سوال پوچھے گئے مگر آپ باوجود اپنی جلالت علمی کے صرف چار کے جواب دیئے۔ اور چھتیس سوالات کے بارے میں لاعلمی کا اظہار کیا۔

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

مختصر حالاتِ زندگی

حالت زندگی اجمل العلماء رئیس الفقہا پیر طریقت رہبر شریعت استاذ العلماء حضرت علامہ

صاحبزادہ محمد عبدالمالک زیدہ مجدہ و شرفہ

الحمد لله الذی علم الانسان مالم یعلم ۔ والصلوة والسلام علی النبی الكريم الذی اعلم الخلق و یعلم ما لا نعلم و علی آله و صحبه ذوی الجود والكرم۔ قال النبی صلی الله علیه وسلم من یرد الله به خیرا یفقهه فی الدین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال الله تبارك و تعالیٰ فی القرآن

نرفع درجت من نشاء و فوق كل ذی علم علیم۔

ہم جس کے چاہتے ہیں درجے بلند کرتے ہیں اور ہر علم والے سے دوسرا علم والا بڑھ کر ہے

دین اسلام کے عرش پر کئی چاند ستارے اور سورج ہیں۔ جنہوں نے اس کائنات کو نور الٰہی سے منور کیا۔ ایسے باکمال لوگ جنھوں نے اپنی صلاحیتوں سے امت مرحومہ کی اصلاح فرمائی ۔ اس سلسلہ کی اہم کڑی تبلیغ دین وہ فریضہ ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ جل شانہ نے تقریبا ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام مبعوث فرمائے۔

سب سے آخر میں حضور رحمتِ کائنات سرکار مدینہ سرور سینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرما کر نبوت کا دروازہ بند کر دیا۔ رشد و ہدایت والا فریضہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے علماء و اولیاء کاملین کے سپرد فرمایا۔ خطبہ حجۃ الوداع میں بلغوا عنی ولو آیة کا فرمان و

عہدو پیاں اس ذمہ داری کو آگے سپرد کرنے کا واضح اعلان موجود ہے۔خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اس کا حق ادا کرنے میں مصروف عمل ہیں کیونکہ یہ عظیم الشان سعادتیں ہر کسی کو حاصل نہیں ہوتیں۔ بلکہ اللہ رب العزت کے فضل و کرم پر منحصر ہے۔کہ جسے چاہے اس عظیم فریضہ کی خدمت کیلیے منتخب فرمالے، ذالك فضل الله يؤ تيه من يشاء۔

اس میں سلسلہ چشتیہ کے بزرگان دین نے برصغیر پاک و ہند میں اسلام کی ترویج و اشاعت کے لیے جس قدر لگن، محنت اور جانفشانی سے خدمات سرانجام دیں وہ تاریخ اسلام کی روشن پیشانی پر مرتسم ہیں اس روحانی سلسلہ کے سرخیل حضرت سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے پاک و ہند میں اس سلسلے کو آگے بڑھایا، پنجاب میں اس کا سہرا حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر اور حضور اعلیٰ حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی کے سر جاتا ہے۔ انہی تونسوی پھولوں کی مہک خواجہ احمد میروی (میرا شریف ضلع اٹک) تک پہنچی۔آپ کے خلفاء اور مریدین نے جس طرح اس گلشن کی آبیاری کا فریضہ سرانجام دیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔

حضرت خواجہ محمد اکبر علیؒ اسی گلشن نور کے گل ہائے رعنا تھے۔جن کے فضائل و کمالات اور جن کی تعلیمات نے ہزاروں لوگوں کے مشام جان و ایمان کو معطر کیا۔

حضرت خواجہ کی حیثیت اپنی ذات میں ایک ادارے کی سی تھی۔آپ نے اس دور میں میانوالی میں دارالعلوم کی بنیاد رکھی جب مسلمانان برصغیر کی تعلیمی، معاشی، معاشرتی اور اخلاقی حالت بہت ناگفتہ بہ تھی۔ بالخصوص تعلیمی میدان میں تو مسلمان یہاں بسنے والی دوسری قوموں سے کوسوں پیچھے تھے۔اس دارالعلوم میں تمام روحانی علوم کے ساتھ علوم قدیم و جدید کا اہتمام کیا

گیا۔ یہاں ہزاروں کی تعداد میں تشنگان علم و سلوک آکر علم کی روشنی سے ذہنوں اور دلوں کو منور کرتے اور توحید و رسالت کے نور سے سینوں کو سیراب کرتے رہے۔ گویا حضرت خواجہ صاحب کی حیات مبارکہ تعلیم و عمل اور جہد مسلسل سے عبارت تھی۔ آپ جامع العلوم بھی تھے اور عارف کامل بھی۔ اہل میانوالی پر اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہوا کہ آپ کی دینی خدمات سے اہل وطن آج تک بلکہ انشاء اللہ قیامت تک مستفیض ہوتے رہیں گے۔ آپ ایسے آفتاب و ماہتاب ہدایت تھے جس کی کرنوں اور ضیا پاشیوں سے پورے ملک کو منور فرمایا ایسے پھول چمن میں بڑی دیر بعد پیدا ہوتے ہیں۔

بقول اقبال، ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

صاحبزادہ محمد عبدالمالک زید مجدہ و شرفہ انہی پاکیزہ ہستی کے چشم و چراغ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے علم و عرفان کا پیکر بنا کر الحاج غلام جیلانی علیہ الرحمۃ کے گھر بہار کی صورت میں بھیجا۔

آپ کی پیدائش نومبر 1951ء میں بہادر نوجوانوں کے شہر میانوالی میں ہوئی۔ جب آپ شعور کی عمر کو پہنچے تو آپ کی خوابیدہ صلاحیتں بیدار اور روشن ہوئیں۔ تو تعلیم کی ابتدا قرآن پاک سے کی۔ ابتدائی کتب فارسی، نحو و صرف اپنے عظیم باپ سے پڑھیں۔ مزید تحصیل علم کے لیے 1965ء میں استاذ العلماء و الفضلاء حضرت علامہ ابوالفتح اللہ بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس ضلع میانوالی کے مشہور شہر واں بھچراں جامعہ مظفریہ رضویہ میں تشریف لے گئے۔ وہاں آپ نے شہادۃ الفراغ درجہ عالیہ تک کی کتابیں پڑھی۔ پھر آپ نے اس

وقت کے امام الصرف والنحو اور مجدد وقت حضرت علامہ عطا محمد بندیالوی علیہ الرحمۃ سے شھادۃ العالمیۃ اردو دورۃ تفسیر القرآن تک پڑھنے کا اعزاز حاصل کیا۔

آپ 1975ء پاکستان کے محدث کبیر شیخ الحدیث حضرت علامہ غلام رسول رضوی رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث جامعہ رضویہ فیصل آباد سے علوم عقلیہ ونقلیہ کی سند حاصل کی۔ اس طرح آپ کو صرف تیں (۲۳) سال کی مختصر مدت میں صرف ونحو، منطق، ادب، معانی، اصول فقہ، فقہ، حدیث، اصول حدیث، اسماء الرجال، تفسیر، عقائد، تاریخ، تصوف، رسم الافتا، علم الکلام، بلاغت، فلسفہ وغیرہ میں مہارت حاصل ہوگئی۔

تاریخ اسلام، اور تاریخ انسانی گواہ ہے کہ اتنے علوم کم ہی کسی ایک شخص میں جمع ہوتے ہیں۔ اتنے علوم کے حصول کے لیے ایک عمر نہیں بلکہ کئی عمریں درکار ہوتی ہیں۔ اللہ جل شانہ نے آپ کو فضاء علم میں ایسا کشف وعرفان عطا کر رکھا ہے، آپ کتاب دیکھتے چلے جاتے ہیں اور مسائل ذہن میں نقش ہوتے چلے جاتے ہیں۔

حصول علم وفراغت کے بعد جامعہ اکبریہ میں مسند درس وتدریس کو آپ نے رونق بخشی۔ آج تقریباً 31 سال علم وحکمت کے دریا بہاتے گزر گئے۔ ملک وبیرون ملک کی درسگاہیں آپ کے سینکڑوں تلامذہ ومستفیدین علم سے مالا مال ہیں جن کی فہرست نہایت طویل ہے۔

تدریسی و تنظیمی ذمہ داریاں ﴿ فارغ التحصیل ہونے کے بعد بے پناہ صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے آپ نے جامعہ اکبریہ درجہ ابتدائیہ سے درجہ عالمیہ تک بڑی خوداعتمادی کے ساتھ درس بھی دیا اور تعمیری ذمہ داریاں بھی خوب نبھائیں۔

ادارہ کے نظم ونسق کو بہتر چلانے کے لیے ناظم اعلیٰ کا عہدہ بڑا اہم ہوتا ہے وہی لوگ اسے باحسن چلا سکتے ہیں جو کام میں مہارت تامہ رکھتا ہو۔ اہل میانوالی نے دیکھا کہ قلیل عرصہ میں جامعہ اکبریہ کا پاکستان کے بہترین مدارس میں شمار ہونے لگا۔ یہ آپ کی صلاحیتوں کا بھرپور اظہار ہے۔ مدرسہ کے ہر شعبہ کی خودنگرانی فرماتے ہیں۔ اس کے ساتھ آپ تادم حیات سجادہ نشینی کے اہم منصب پر بھی فائز ہیں۔ حضرت علامہ خواجہ غلام جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے 1984ء میں اپنی رحلت سے قبل عرس مبارک کے موقع پر آپ کو امامت وخلافت سپرد فرمائی اور اپنا وصیت نامہ پڑھ کر سنایا

اس وقت آپ ادارہ وخانقاہ کے دونوں اہم عہدوں پر فائز ہوکر ترویج وارتقاء کے سلسلہ میں کلیدی کردار ادا کر رہے ہیں۔ بحمدہ تعالی آپ کی مستحکم قیادت میں جامعہ اکبریہ ان دنوں تعلیمی، تعمیری، اشاعتی اور تبلیغی ہر محاذ پر پوری طرح سرگرم عمل ہے۔ بلاشبہ یہ ادارہ دنیائے سنیت ہی کا نہیں بلکہ عالم اسلام کے ان چند اداروں میں سے ایک ہے جو اہلسنت وجماعت کی خدمت میں مصروف عمل ہیں۔

حلیہ مبارک درمیانہ قد، گندم گوں، خوبرو، خنداں جبیں، مسکراتا چہرہ، کشادہ سینہ، علم وعرفان کا مخزن، موتیوں جیسے دانت مزید برآں تبسم فرماتے ہوئے تلامذہ ومعتقدین سے ملنا دلکشی میں نمایاں فرق کا سبب۔

اخلاق خوش خلق، ہنس مکھ، حلیم بردبار، منکسر المزاج، کریم طبع، تلامذہ پر نہایت مشفقانہ برتاؤ، عالم باعمل، فقیہہ، متبع سنت، دوران گفتگو واسباق ضحک وتبسم کا مظہر ہمیشہ یاد۔

طلبہ سے محبت و پیار عارفین، علماء وفضلاء اور تلامذہ سے سراپا شفقت و

پیکر محبت آپ کے مہربان اور مشفق اساتذہ نے آپ کو صرف کتابوں کا ہی درس نہیں دیا بلکہ قلب کی بھی تطہیر کی اور اسے شفقت ومحبت کا گنجینہ بنادیا۔ جامعہ اکبریہ سے ایسی محبت کی اور اس کو سنوارنے اور نکھارنے میں منہمک ہوئے کہ اسی میں فنا ہو کر رہ گئے۔ تلامذہ کے ساتھ شفقت ومحبت کی کوئی انتہا نہیں۔ ان کی علمی ترقی دیکھ کر اتنا خوش ہوتے کہ پھولے نہیں سماتے۔ فراغت کے بعد اپنے شاگردوں کو مناسب جگہ اور صلاحیت کے مطابق کام سے لگا دینے میں بڑی دلچسپی کا مظاہر فرماتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جامعہ اکبریہ کا ہر فاضل آپ کی ذات سے وابستہ، آپ کی اور ادارہ کی خدمت کر کے فخر محسوس کرتا ہے۔ باہر کی ساتھیوں میں سے کوئی زیارت کو آتا ہے تو ان کی رہائش وخورد ونوش کا پورا خیال کرتے ہیں۔ آپ کی شفقتوں نے کتنے زروں کو آفتاب بنایا اور خصوصاً ان کی مجھ جیسے ناکارہ ونالائق سے محبت تو میں تصور بھی نہیں کرسکتا۔ ہماری دعا ہے کہ! اللہ تعالیٰ آپ کے روحانی فیوض وبرکات کو عام کرے، آپ کے مشن کو زندہ رکھے، جس چمن کو خون و جگر سے سیراب کیا وہ ہمیشہ سدا بہار رہے اور ان کی اولاد امجاد کو ہر حال میں خوش وخرم اور ان کے راستے پر گامزن رکھے۔

تعمیری سرگرمیاں قبلہ استاذیم نے حیرت انگیز تعلیمی انقلابی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ تعمیر پر بھی بھرپور توجہ دی، پرانی عمارتوں کو مکمل کروایا اور اکثر کمرہ جات کی تعمیر از سرے نو کرائی۔ حال ہی میں ایک عالیشان زینب آڈیٹوریم، حال، برآمدہ اور اس پر ڈبل سٹوری بنا کر اساتذہ کے لئے رہائشی کواٹر بنائے گئے۔ الغرض مدرسہ کی تعمیر ہو یا مسجد کی بناوٹ تعمیر وترقی کا شہکار

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ہے۔اور مسجد کا مینار تو جماعت اہلسنت کی بلندی وحقانیت کا اعلان کر رہا ہے۔1975ء تا ہنوز تعمیر ات کا سلسلہ جاری ہے۔جامعہ اکبریہ للبنات کی نئی عمارت اور جامعہ اکبریہ نیو کیمپس کی تعمیر کا آغاز ہو چکا ہے۔''اللهم بارك وزدفزد''

شعبہ تصنیف و تالیف عصر حاضر کیا ہر دور میں تصنیف وتالیف کا مشغلہ دشوار طلب رہا ہے۔تصنیف وتالیف جیسی خارزار وادی میں قدم رکھنا اور ہر موڑ پر دامن بچاتے ہوئے مصنفین اور مفتیان عظام کی اس کاوش کو قارئین کے ہاتھوں تک پہنچا دینا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں،کوئی معیاری کام کرنا مشکل ہے لیکن اس سے کہیں زیادہ مشکل طباعت کی تمام تر خوبیوں کے ساتھ اس کاوش کو منظر عام پر لانا ہے۔خوشی کی بات یہ ہے کہ قبلہ استاذیم صاحب تصنیف و تالیف سے صرف دلچسپی ہی نہیں رکھتے بلکہ طباعات کی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ اسے شائع کرنے کا حوصلہ بھی رکھتے ہیں۔شاید انہی وجوہ کے پیش نظر جامعہ اکبریہ میں باقاعدہ ایک ادارہ دار الاشاعت کا قیام عمل میں لایا جا چکا ہے۔جس کا مقصد عصر حاضر کے سلگتے ہوئے مسائل کا شرعی حل پیش کرنا ہے۔

دینی خدمات و خطابات 1975ء میں زمانہ طالب علمی ہی سے آپ نے خطابت وتقریر کا سلسلہ شروع فرما دیا تھا۔اور فراغت علمی کے بعد مادر علمی جامع مسجد اکبریہ میں مبلغ کے طور پر بلا معاوضہ خدمات انجام دے رہے ہیں۔صرف شہر ہی میں نہیں بلکہ ضلع بھر کیا کثر مذہبی جلسہ جات میں آپ اہلسنت کی سرپرستی تشریف لے جاتے ہیں۔سنی مسلک کی ترویج واشاعت کے لیے اور بدمذہبوں کے رد میں جلسے،اجتماعات وعرس کی محافل میں خالصتاً علمی لوگوں کے خطابات کو

پسند کیا جاتا ہے۔ یہ آپ کی انتھک محنت اور کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ سنی مسلمانوں کے عقائد کی اصلاح کے لئے آپ کئی کئی دن وراتوں کے پروگراموں میں نہ صرف شرکت فرماتے ہیں بلکہ اپنے خطاب سے بھی حاضرین کے سینوں کو قرآن، حدیث واقوال امت سے منور فرماتے ہیں۔

آج جہاں بدمذہبوں نے پیسے کے زور سے کرائے کے چند خطیبوں سے میانوالی کی نورانی فضا کو خراب کرنے کی سعی لاحاصل کی وہاں آپ نے بروقت محافل میلاد النبی ﷺ گھر گھر انعقاد کر کے ان کے ناپاک عزائم کو خاک میں ملا کر مسلمانوں کے ایمان وعقیدے کی حفاظت فرمائی۔ آپ نے اپنی بھرپور صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اور بے انتہا مصروفیات کے باوجود مساجد و مدارس کے علاوہ سرکاری ونیم سرکاری اور نجی اداروں میں محافل میلاد شریف میں تقاریر فرما کر نہ صرف ان کے اثر کو زائل کیا بلکہ اپنی خداداد صلاحیتوں سے اپنے خطبات کا لوہا منوایا۔

آپ کے خطبات کی خصوصیات آپ نامور، شریں بیان خطیب اور فکر انگیز علمی وتحقیقی اور اچھوتے موضوعات پر بے تکان بولنے اور اظہار خیال کرنے والے ہیں۔ اس ضلع کے وہ واحد عالم دین ہیں جن کے زور بیان، اسلوب خطابت اور انداز تفہیم نے علاقہ کے لوگوں کو ان کا گرویدہ بنا دیا ہے۔ اللہ رب العزت نے انہیں حسن خطاب کا ایسا نایاب ملکہ اور بیش بہا جوہر عطا کیا ہے کہ ان کی زبان اگر مشکل ترین موضوع اور کوئی پیچیدہ علمی مسئلہ بھی ایک مترنم آبشار کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اور سامعین کے ذہن میں اس طرح اتر جاتا ہے جیسے اس سے آسان اور کوئی بات نہ ہی ہو اس خصوصیت نے ان کا حلقہ سامعین بہت وسیع کر دیا ہے۔ آپ پورے ملک کے علمی سماجی حلقوں میں محبوب شخصیت کا درجہ رکھتے ہیں۔ آپ ملکی سطح

کے وہ خطیب ، مفکر انقلابی اور مسلمہ عالم دین ہیں ۔جنہیں انتہائی شوق ، انہاک ، دلچسپی اور توجہ کے ساتھ وقت نکال کر سنا جاتا ہے اور ایمان اور روح کی تازگی کا سامان کیا جاتا ہے ۔

خوشی کی بات یہ ہے کہ آپ کے چاہنے والے نوجوان ، بوڑھے ، خواتین ، تعلیم یافتہ ، ان پڑھ ، سیاستدان ، مدرسین ، ڈاکٹر ، وکلا ، جج ، علماء ، فضلاء ، انجنیر ،غرض ہر سطح اور درجے کے لوگ آپ کے معتقدین میں شامل ہیں اور آپ کے حسن بیان سے یکساں محضوظ ہوتے ہیں ۔سامعین آپ کو ڈوب کر سنتے ہیں اور دل ودماغ پر ایک مثبت اور گہرا اثر لیکر گھروں کو لوٹتے ہیں اور پھر پہروں عالم تصور میں اس خطاب کے مزے لوٹتے رہتے ہیں ۔

قبلہ استاذیم صاحب کا شمار ان خطباء ومقررین میں ہوتا ہے جو محض واہ واہ کے طالب نہیں بلکہ دلوں کہ اتھاہ گہرایوں تک لے جانے والی شاہراہ کے آرزومند ہیں ۔فقط جذبات کو ہی نہیں ابھارتے بلکہ نظریات کے آنگن کو سنوارتے اور دلوں کی تاریک بستیوں کو اجالتے ہیں ۔الغرض یوں کہا جائے تو بے جانہ ہوگا کہ اہلسنت کے گلشن کے تحفظ کے لیے اپنے خون وجگر سے رخ برگ گلاب کو نکھارنے کی سعی میں مصروف کار ہیں ۔خدا کرے یہ مشن جاری رہے ۔

شب بیداری اولیاء وعرفاء فرماتے ہیں ، کہ اللہ کے بندوں کے لے ان کی رات تخت سلطنت کی طرح ہوتی ہے ۔کیونکہ جو احوال وہ دن میں طے نہیں کرتے رات کی تنہائیوں میں کرتے ہیں ، یہی وجہ ہے کہ قرب کے لمحے اور قبولیت کی ساعتیں بھی رات ہی کے دامن میں رکھی گئی ہیں ۔

جوانوں کو میری آہ سحر دے

پھر ان شاہیں بچوں کو بال وپر دے

خدایا آرزو میری یہی ہے

میرا نور بصیرت عام کر دے

آہ سحر گاہی اللہ رب العزت اور رسول اکرم صلی اللہ علی وآلہ وسلم کے عشق کا قابل فخر روگ ہی تو ہے۔ آہ سحر اپنے محبوب حقیقی کو منانے کا جتن ہے۔ آہ سحر گاہی سے اغماض برت کر ہماری حالت بے منزل مسافر کی سی ہو جاتی ہے۔ اگر دلوں کی اجڑی نگری بسانی ہے۔ فنا کی کھیتی آباد کرنی ہے۔ تو آنکھوں کو تر کرنا ہوگا۔ تر آنکھیں بخشش کا وسیلہ اور رب کو منانے اور قرب الٰہی کا ذریعہ ہیں۔ طالبان انقلاب کو تر آنکھوں سے فکر کی خوراک ملتی ہے۔ آہ سحر گاہی ماضی کی پشیمانیوں سے نجات، حال کی پریشانیوں سے آزاد اور مستقبل کی اندیشوں سے چھٹکارا دلاتی ہیں۔

سحر خیزی خوشنودی الٰہی اور بلندیوں کا ذریعہ ہے۔ بقول اقبال،

عطار ہو رومی ہو رازی ہو غزالی

کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی

و من طلب العلا سحر اللیالی

شب خیزی کی حلاوت کو وہی محسوس کر سکتے ہیں جن کے دل محبت کی لذتوں سے آشنا ہوتے ہیں۔ شب زندہ داروں کے انداز نرالے ہوتے ہیں۔ انہیں سکون مسکرانے میں نہیں بلکہ رونے میں ملتا ہے۔ انہیں راحت سونے میں نہیں بلکہ محبوب کی یاد میں شب کو جاگنے میں ملتی ہے۔ انہیں اطمینان جسم کے چین میں نہیں بلکہ محبوب کی خاطر تڑپنے میں ملتا ہے۔ انہیں آرام اپنے پہلوؤں کو نرم

نازک بستر پر نہیں بلکہ بار بار اٹھ کر قیام وسجود میں رہنے سے ملتا ہے۔

انسان کو لذت آشنائی رات کے پچھلے حصے کی گریہ زاری سے یہی نصیب ہوتی ہے۔ پھر وہ محبوب حقیقی کے حسن لازوال میں اس قدر کھو جاتا ہے کہ دو جہاں بھی نگاہوں میں نہیں جچتے اور پھر کردار میں نکھار آجاتا ہے۔ علم لدنی حاصل ہوتا ہے۔ اور یہی کردار اس مرد عارف کی شناخت اور پہچان بن جاتا ہے۔ اس لذت آشنائی کو تقسیم کرنے کیلیے جامعہ اکبریہ نے ایک مرد قلندر کے ہاتھوں اپنے سفر کا آغاز کیا۔ اور یہی آہ سحر گاہی اس مشن کی اصل طاقت بھی ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں قبلہ استاذیم کی زندگی میں ہم نے ان کی تہجد، صلاۃ الاوابین، اور دیگر وظائف کا ناغہ کبھی نہیں ہوا۔ آہ سحر گاہی میں درسی کتب و تاریخ اسلامی کا مطالعہ، فتویٰ نویسی اور دیگر بیشمار وظائف شامل ہیں۔ قبلہ استاذیم صاحب جامع الصفات شخصیت کے مالک ہیں۔ آپ مفتی، مدرس، بلند پایہ محقق، شیخ کامل ادیب منتظم، ناظم اعلیٰ ان گوناگوں اوصاف کے ساتھ ساتھ جواد مطلق نے آپ کو سیاست میں بھی بڑی فراست سے بہرور فرمایا۔ اگرچہ عملاً سیاست سے دور رہتے ہیں۔ مگر دین کی سربلندی کے لئے قربانیوں کا موقع تو اہل میانوالی نے آپ کو مجاہد کی صف اول میں دیکھا تحریک نظام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آپ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر چکے ہیں۔ تحریک نظام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لیکر آج تک آپ کو مجاہد ملت مولانا عبدالستار خان نیازی رحمۃ اللہ علیہ، نور اللہ مرقدہ کا نائب سمجھا جاتا ہے۔ ایسا کیوں نہ ہو، مجاہد ملت نے جس سفر کا آغاز 1936ء سے جامعہ اکبریہ میں فرمایا تھا 30 اپریل 2000ء کو اختتام بھی وہاں فرمایا۔ تحریک ختم نبوت، تحریک نظام مصطفیٰ ﷺ، عامر جابر قوتوں کے خلاف جہاد میں مسلسل آپ مجاہد ملت کے ہمراہ شانہ بشانہ شریک

رہے اور قید و بند کی صعوبتیں بھی خندہ پیشانی سے برداشت فرمائیں۔مولانا نیازی نے میانوالی سکونت کے دوران جامعہ مسجد اکبریہ ہی کے سٹیج کو ہمیشہ استعمال فرمایا۔

آپ بطور ناظم اعلیٰ مدرسہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے ہر دور میں رہے ہیں اور تا قیامت موجود رہیں گے۔اور جب روئے زمین پر کوئی ولی اللہ موجود نہ ہوگا تو پھر قیامت آئے گی۔قبلہ استاذیم انہی بزرگ ہستیوں میں سے ہیں،جنہوں نے اپنی زندگی کو درس توحید و رسالت کیلیے وقف کر دیا تھا۔آپ ہر لحہ اشاعت دین میں مصروف نظر آتے ہیں۔اور کلمہ حق کو اپنا نصب العین بنا رکھا ہے۔آپ کی پاکیزہ زندگی و کردار سے صاف عیاں ہے کہ آپ کی نگاہ میں جاہ و حشمت کی کوئی اہمیت نہ ہے۔ضلعی بیت المال ضلع زکوۃ کمیٹی کی چیئرمینی کا استعفیٰ اس بات کی واضح دلیل ہے۔آپ نے مال وزرا اور دنیاوی وجاہت کے کو اپنا مطمع نظر نہ بنایا۔اور ہر دم اللہ تعالیٰ اور اسکے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشنودی میں کوشاں نظر آئے۔

جماعت اہلسنت ضلع میانوالی کے روح رواں علماء وعوام اہلسنت کو ایک لڑی میں پرونے والے دارالعلوم جامعہ اکبریہ کی بہتری کے لیے اپنا خون جگر صرف کرنے والے۔مسلک اعلحضرت کے نقیب بے شمار مدارس، مساجد اور دینی تنظیموں کے بانی و سرپرست مختلف رسائل و مضامین کے مصنف اپنے اسلاف کے طریقوں پر عمل کرتے ہوئے حضرت علامہ خواجہ محمد اکبر علی رحمۃ اللہ علیہ کی جانشینی کا حق ادا کرتے ہوئے دین مبین کی ترویج و اشاعت میں مصروف عمل ہیں۔آج کے اس مادیت زدہ دور میں علم و معرفت کی نعمت کو عام کرنے ،خشک و ویران آنکھوں کو سیراب کرنے اور مردہ قلوب و ارواح کو حیات جاوداں بخشنے کے لیے بزرگوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اصل

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

منزل کی طرف رواں دواں ہیں۔ جامعہ اکبریہ پاکستان کی مشہور ترین دینی درسگاہ ہے۔ جس میں بیک وقت کئی شعبے کام کر رہے ہیں۔ شعبہ درس نظامی، شعبہ حفظ مع تجوید، شعبہ افتاء، شعبہ ناظرہ قرآن پاک، شعبہ اکبریہ للبنات، شعبہ اکبریہ ہائی سکول، شعبہ کمپیوٹر سنٹر۔ اسی طرح عورتوں کی تعلیم و تربیت کا ادارہ اکبریہ ووکیشنل سکول شامل ہیں۔

اس کے علاوہ مدرسہ کی عالیشان ٹرپل سٹوری خوبصورت بلڈنگ بڑے مینار و گنبد والی مشہور جامع مسجد واقع شاہراہ بلوخیل روڈ۔ اس کے علاوہ قبلہ استاذیم صاحب میانوالی کی مرکزی عید گاہ کے متولی، منتظم اعلیٰ بھی ہیں۔ نماز عیدین و جنازہ اہلیان میانوالی وہاں پڑھتے ہیں۔

جس کو استاذیم صاحب نے اپنی محنت شاقہ سے جملہ سہولیات سے آراستہ کیا ہوا ہے۔ اب اسکی تزئین کا کام جاری ہے۔

عشق رسول و سفر حج حضرت علامہ الحاج صاحبزادہ محمد عبدالمالک صاحب دام اقبالہ ایک بلند پایہ عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت متقی و پرہیز گار اور عشق رسول ﷺ کے نشہ میں مخمور بھی ہیں۔ قبلہ استاذیم صاحب ہر وقت مدینہ طیبہ کی یادوں میں گم رہتے ہیں۔ آپ کو مدینہ سے بے پناہ عشق و محبت ہے۔ جب عشق کو محبت والی آگ گرماتی ہے تو دیار حبیب کو چلے جاتے ہیں۔ **سفر حج و زیارات** دینی خدمات کے ساتھ ساتھ آپ نے 1977 میں پہلی دفعہ پھر 1991 کو دوسری دفعہ حج کی سعادت نصیب ہوئی۔ 1996، 1998، 2005 کو تین دفعہ زیارات و عمرہ کرنے کا موقع ملا۔ مسجد نبوی میں اعتکاف بیٹھنے کی سعادت بھی آپ کے حصہ میں آئی۔ ایران، عراق، ہندوستان متعدد بار سفر زیارت اختیار فرمایا۔

(فتاویٰ اکبریہ) علم فقہ سے قبلہ استاذ یم کو خصوصی شغف ہے اور فتاویٰ نویسی محبوب مشغلہ، افتا کے اندر بھی تحقیق کا جلال و جمال عیاں ہے۔ خلاق عالم جل و علا نے بہت مضبوط قوت حافظہ آپ کو عطا فرمایا ہے۔ ہزاروں جزئیات زبانیں یاد رکھنے والے اس فن کی منفرد شخصیت ہیں۔ جس کا اعتراف اکثر و بیشتر معاصر علماء و فضلاء کرتے رہتے ہیں، بلکہ علماء و محققین نے آپ کو فقیہہ العصر کا لقب دیا ہے۔

اللہ رب العزت کی بارگاہ میں ہماری دعا ہے کہ قبلہ استاذ یم کو عمر خضر، علم نافع اور بہترین جزا خیر عطا فرمائے ان کے ظل ہمایوں و در آزے دراز تر فرمائےاو ان کے فیض کو عام و تام کرے۔

آمین ثم آمین

ابو العرفان حافظ محمد علی اعظمی

فاضل جامعہ اکبریہ میانوالی

تقریظ

فتاویٰ اکبریہ مشعل راہ

جلالۃ العلم شیخ العرب و العجم محدث اعظم حضرت

علامہ محمد فیض احمد اویسی رضوی محدث بھاولپور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فقیر طویل عرصہ سے صاحب فراش ہے۔ اندریں دوران کوئی کام دلچسپی سے سرانجام نہیں ہو رہا ۔حضرت علامہ مولانا محمد عبدالمالک صاحب دامت برکاتہم العالیہ کا مکتوب گرامی پہنچا۔ فقیر کے لیے حکم تھا کہ فتاویٰ اکبریہ کے لیے کچھ لکھوں۔ تعمیل ارشاد کی عدم تکمیل سوء ادب سمجھا۔ اس وقت عوارض امراض کی میں ہوں اور پھر سالانہ دورۂ تفسیر قرآن کی تدریس کا کام زوروں پر ہے۔ علامہ موصوف مدظلہ کے ارشاد کے پیش نظر فتاویٰ اکبریہ کے کتاب العقائد اور باب الامامت کا مطالعہ کیا اور ابواب کے بعض مقامات باصرہ نواز ہوئے تو خوب سے خوب تر محسوس ہوئے، بالخصوص مقدمہ فتاویٰ اکبریہ جو مولانا موصوف کا اپنا لکھا ہوا ہے خوب ہے۔ فتاویٰ کے مندرجات اور ترتیب بھی موضوع ہے۔ فتاویٰ اکبریہ علماء کے مطالعہ کی چیز ہے، ویسے ہی مفتیوں کے لیے بھی مشعل راہ ہے اور عوام کے استفادہ و استفاضہ کا بہترین سرمایہ ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ اس فتویٰ کے ترتیب کرنے والے میرے دورۂ تفسیر القرآن کے شاگرد حافظ محمد علی اعظمی ہیں۔ دعا ہے کہ مولانا موصوف مدظلہ کی مساعی جمیلہ کو قبول فرما کر ان کے اور ان کے معاونین کے لیے سرمایہ آخرت بنائے۔

(آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اجمعین)

مدینے کا بھکاری

الفقیر القادری ابوالصالح محمد فیض احمد اویسی

رضوی غفرلہ بہاولپور

۸ شعبان المعظم بروز ہفتہ

☆☆☆

تقریظ

«فتاویٰ اکبریہ ایک انمول تحفہ»

فاضل جلیل عالم نبیل رئیس المتکلمین

حضرت علامہ عبد الحکیم شرف قادری لاہور

الحمد لله رب العلمين والصلوة والسلام على اشرف الانبياء والمرسلين و على اله و آصحابه اجمعين

بسم الله الرحمن الرحیم

اس عالم ہستی کے وجود سے لے کر اب تک نہ جانے کتنے افراد آئے محدود وقت گذار کا عالم بقا کو چلے گئے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی یادیں لوگوں کے دلوں سے محو ہو گئیں۔ لیکن اس عالم وجود کو کچھ ایسے پاکیزہ نفوس نے زینت بخشی جنہوں نے اپنے بلند پایہ افکار و خیالات کی بنا پر علوم وفنون کی دنیا میں چار چاند لگا دیئے اور مسلمانوں کی زمام قیادت اپنے ہاتھوں میں لے کر مذہب و ملت کی وہ عظیم خدمات انجام دیں جسے عالم اسلام کبھی فراموش نہ کر سکے گا۔ ملت اسلامیہ میں بے شمار ہر دور میں علماء گزرے ہیں جنہوں نے خداداد صلاحیت اور استعداد سے مذہب حق اہلسنت و جماعت کی تبلیغ اور اس کی ترویج و اشاعت پر اپنے جگر کا خون بھی نچھاور کر دیا۔ ملک پاکستان کی تاریخ میں چند علماء نے احیا علوم اسلامیہ کے محاذ پر پورے اخلاص و تندہی اور صبر و استقلال کے ساتھ کام کیا اور تاریخ ساز کارنامے انجام دیئے۔ انہی اکابر علماء اہلسنت میں سے فاضل اجل عالم باعمل محمد عبد المالک صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی ذات بھی ہے۔ آپ ایک عالم عظیم القدر فقیہ اور صاحب فکر و نظر محقق بھی ہیں۔ آپ کے فتوے کا مجموعہ فتاویٰ اکبریہ تمام مراحل سے گزر کر آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ مجموعہ بہت ساری خوبیوں کا حامل ہے جو ایک مشک کی طرح ہے جس کی خوشبوں مشام جان معطر کر دیتی ہے۔اس کے تعارف کے لیے کسی عطاری شہادت کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی۔**فتاویٰ اکبریہ** کے چند فتاویٰ جات کو دیکھنے کی توفیق ہوئی یہ فتاویٰ مدلل اور آسان ترین طریقے سے لکھ کر آنے والے مفتی صاحبان کے لئے آسانی پیدا کر دی۔یہ آپ کا احسان عظیم ہے۔جس کی صاحبان علم کو ضرورت تھی۔اللہ تعالیٰ اس کاوش کو قبول فرمائے۔میانوالی کی سرزمین سے ہم کو اس وجہ سے بھی پیار ہے کہ اس میں مجاہد ملت محمد **عبد الستار خان** نیازی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا مدفن ہے۔اور اس میں جامعہ اکبریہ کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔

حضرت مولانا علامہ صاحبزادہ عبدالمالک صاحب دامت برکاتہم العالیہ اس وقت کے اکابر اور معتبر علماء میں سے ہیں۔علاقہ بھر کے لوگ دینی مسائل میں فتویٰ حاصل کرنے کے لیے ان کی طرف رجوع کرتے ہیں اور الحمدللہ! ان کے فتوے کو عوام و خواص اعتماد کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ان کے جاری کردہ فتاویٰ کی دو جلدیں طباعت کے لیے تیار ہیں اور اس وقت ایک جلد میرے سامنے ہے جس میں عقائد کے باب سے لے کر جماعت کے باب تک کے مسائل میں نے دیکھے ہیں ۔ان کا ہر فتویٰ مضبوط دلیل سے مزین ہے۔

اللہ کرے کہ ان کی یہ کوشش زیور طباعت سے آراستہ ہو کر مفید عام بنے۔

محمد عبد الحکیم شرف قادری

لاهور

٢٧-٥-٠٦

حسن انتخاب

مسئلہ نمبر	کتاب العقائد	صفحہ نمبر
۱	کیا اللہ تعالیٰ کی ذات ہر جگہ حاضر و ناضر ہے	۶۰
۲	اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے لفظ عاشق کا استعمال کرنا کیسا ہے	۶۱
۳	اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے اوپر، نیچے والا بولنا کیسا ہے	۶۳
۴	کیا حضور ﷺ حاضر و ناضر ہیں	۶۳
۵	کیا آپ ماکان و ما یکون کا علم رکھتے ہیں	۶۴
۶	کیا انبیاء سے گناہ کبیرہ کا صدور ہوتا ہے	۶۵
۷	اللہ تعالیٰ کی طرح حضور ﷺ عالم الغیب ہیں	۶۶
۸	کیا خواب میں آپ ﷺ کی زیارت ہو سکتی ہے	۶۷
۹	جو زمین کا حصہ آپ ﷺ کے جسم اقدس کے ساتھ ہے وہ کعبہ سے افضل ہے	۶۸
۱۰	تلاوت کرنے والے کے کان میں آپ ﷺ کا نام پہنچا وہ درود پاک پڑھے یا تلاوت جاری رکھے۔	۶۹
۱۱	شفاعت رسول ﷺ کے منکر امام کی اقتدا میں نماز پڑھنا کیسا ہے	۶۹
۱۲	حضور ﷺ کا نام سنکر انگوٹھا چوم کر درود پاک پڑھنا کیسا ہے	۷۰
۱۳	گستاخ رسول کی سزا	۷۱
۱۴	گستاخ رسول کے متعلق امت مسلمہ کا اجماع	۷۳
۱۵	آپ ﷺ کے والدین مؤمن تھے یا نہ	۷۵

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۱۶	چہار بنات کا ثبوت (شیعہ کتب سے)	۸۷
۱۷	کیا حضرات انبیاء و اولیا سے مدد مانگنا شرک ہے	۹۲
۱۸	کیا حضرت سیدنا امیر معاویہؓ پر لعنت کرنا جائز ہے	۹۶
۱۹	علماء و مشائخ کے ہاتھ چومنا کیسا ہے	۹۸
۲۰	کیا مردے قبروں میں سنتے ہیں	۹۹
۲۱	شرک اور بدعت کیا ہے	۱۰۰
۲۲	جو سنی مولوی شیعہ کی مجالس میں شریک ہو	۱۰۳
۲۳	نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنا کیسا ہے	۱۰۵
۲۴	یزید کو کافر کہنا کیسا ہے	۱۰۶
۲۵	پیر فوت ہونے کے بعد دوسری جگہ بیعت ہونا کیسا ہے	۱۰۸
۲۶	شیعہ کافر کیوں؟	۱۰۹
۲۷	مرتد کی شرعی سزا کیا ہے	۱۱۳
۲۸	ماہ صفر کی چوری کی شرعی حیثیت	۱۱۷
۲۹	آپ ﷺ کے والدین کے متعلق امام اعظم کا عقیدہ	۱۱۸
	کتاب الطہارت	
۳۰	کاغذ سے استنجا کرنا کیسا ہے	۱۲۱
۳۱	حوض اور ٹینکوں کو کس طرح پاک کیا جائے	۱۲۱
۳۲	بازو پر چوٹ لگی خون نہ نکلا کیا وضو باقی ہے	۱۲۳
۳۳	وضو کے استعمال سے پانی کی چھینٹیں اگر کنویں میں گریں تو	۱۲۴

نمبر	عنوان	صفحہ
۳۴	کنویں میں استعمالی جوتا گر جائے اور اس پر نجاست بھی لگی ہوئی ہوتو	۱۲۴
۳۵	مٹکا یا گھڑے کو کس طرح پاک کیا جائے	۱۲۴
۳۶	روزے سے مشت زنی کرنا کیسا ہے	۱۲۵
۳۷	نئے کپڑے سے نماز پڑھنا کیسا ہے	۱۲۶
۳۸	استنجاء کے بغیر نماز پڑھنے کا حکم	۱۲۶
۳۹	ساڑھی میں نماز پڑھنے کا حکم	۱۲۷
۴۰	کیا نیت زبان سے کرنا ضروری ہے	۱۲۷
۴۱	نجاست والے حصہ کو تین بار دھونے کا حکم	۱۲۸
۴۲	دودھ پیتے بچے کے پیشاب کا حکم	۱۲۸
۴۳	چوہے کی مینگن کھانے کی اشیاء میں مل جانے کا حکم	۱۲۸
۴۴	موٹے کپڑے کو پاک کرنے کا طریقہ	۱۲۹
۴۵	گھریلو کتا برتن میں منہ ڈال دے تو اس کے پاک کرنے کا حکم	۱۲۹
۴۶	فرش کو پاک کرنے کا حکم	۱۳۰
۴۷	خون آلود گوشت کھانے کا حکم	۱۳۰
۴۸	کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا حکم	۱۳۱
	باب الغسل	
۴۹	غسل جنابت میں پلید کپڑا لپیٹ کر غسل کرنا کیسا ہے	۱۳۳
۵۰	جسم پر تیل لگا ہوا ہوتو	۱۳۴
۵۱	دانتوں میں چاندی کی میخیں بوقت غسل پانی کا پہنچانا کیسا ہے	۱۳۴

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نمبر	عنوان	صفحہ
۵۲	جماع کے بعد پیشاب نہ کرے کیا غسل درست ہوگا	۱۳۴
۵۳	غسل جنابت کے لیے تمام بدن اور سر کے بالوں کے تر کرنے کا حکم	۱۳۵
۵۴	غسل کا اسلامی طریقہ	۱۳۵
۵۵	حائضہ عورت کے لیے غسل جنابت کا حکم	۱۳۶
۵۶	بغیر غسل کے جماع کا حکم	۱۳۶
۵۷	نجس کپڑے پہن کر غسل کا حکم	۱۳۷
۵۸	میت کو غسل دینے والے کے غسل کا حکم	۱۳۷
۵۹	وفات کے بعد مرد بیوی کو اور بیوی مرد کو دیکھ سکتے ہیں	۱۳۸
	باب الوضوء	
۶۰	نماز کی حالت میں پیشاب کے قطرے گر جانے کا حکم	۱۴۰
۶۱	زیب وزینت بناؤ سنگھار کا حکم	۱۴۰
۶۲	وضو میں گھنی داڑھی کے خلال کا حکم	۱۴۱
۶۳	نماز کے فوت ہونے کی صورت میں وضو کے اختصار کا حکم	۱۴۲
۶۴	آنکھ سے پانی بہنے کی صورت میں وضو کا حکم	۱۴۲
۶۵	بواسیر کی رطوبت کپڑے کو لگی اس صورت میں وضو باقی ہے یا نہ	۱۴۳
۶۶	شہوت سے بیوی کو ہاتھ لگانے اور نظر کرنے سے وضو ٹوٹ جانے کا حکم	۱۴۴
۶۷	غسل جنابت کے وضو کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم	۱۴۴
۶۸	عورتوں کے سر کے مسح کا حکم	۱۴۵
۶۹	مسواک کی جگہ ٹوتھ پیسٹ کے استعمال کرنے کا حکم	۱۴۶

نمبر	عنوان	صفحہ
۷۰	موئے زیرناف کا شرعی حکم	۱۴۷
۷۱	زخم سے مواد کے خارج ہونے کی صورت میں وضو کا حکم	۱۵۰
	باب تیمم	
۷۲	گوبر مٹی والی دیوار سے تیمم کرنا کیسا ہے	۱۵۳
۷۳	سردی کی وجہ سے تیمم کا حکم	۱۵۳
۷۴	تیمم سے نماز جنازہ میں شریک ہوا کیا اُسی تیمم سے فرض نماز ادا کرسکتا ہے	۱۵۴
۷۵	کیا بیماری کے خوف سے تیمم کرسکتا ہے	۱۵۴
۷۶	تیمم کر کے قرآن پاک پڑھنا کیسا ہے	۱۵۵
۷۷	فالج کا مریض تیمم کر کے نماز پڑھ سکتا ہے	۱۵۶
۷۸	زخم والے حصہ پر مسح کر کے تیمم کرنا کیسا ہے	۱۵۶
۷۹	مرض جریان میں کپڑے پاک رکھنا مشکل ہو تو وضو کا حکم	۱۵۷
۸۰	نماز کا وقت تنگ ہو تیمم کر کے نماز پڑھنے کا حکم	۱۵۷
	باب الاذان	
۸۱	اہل تشیع کی اذان	۱۶۰
۸۲	نابالغ کی اذان کا حکم	۱۶۱
۸۳	فاسق کی اذان کا حکم	۱۶۲
۸۴	جمعہ کی اذان مسجد کے اندر دینے کا حکم، اذان کے بعد صلوٰۃ کہنا کیسا ہے	۱۶۳

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۸۵	حی الفلاح پر قیام کا حکم	۱۶۵
۸۶	اذان میں حضور ﷺ کا نام چومنا کیسا ہے	۱۶۸
۸۷	تثویب کا حکم	۱۷۰
۸۸	نوعمر لڑکے کی اذان کا حکم	۱۷۲
۸۹	تلاوت قرآن کے وقت اذان کا جواب دینے کا حکم	۱۷۲
۹۰	صبح کی اذان کا وقت کیا ہے	۱۷۳
	باب المساجد	
۹۱	سود کے مال سے مسجد وعید گاہ بنانے کا حکم	۱۷۵
۹۲	مسجد کے گاڈر وٹی آئرن فروخت کرنے کا حکم	۱۷۵
۹۳	کیا کافر مسجد میں داخل ہو سکتا ہے	۱۷۶
۹۴	مسجد گرا کر حکومت تفریحی پارک بنائے تو	۱۷۹
۹۵	مسجد کی باقی ماندہ زمین کا حکم	۱۸۳
۹۶	مسجد کے لیے زمین کا وقف ہونا ضروری ہے	۱۸۳
۹۷	فوت ہوتے وقت وصیت کی میرا گھر اور گھریلو اشیاء مسجد کے لیے وقف ہیں	۱۸۵
۹۸	مسجد کے قریب آبادی نہ رہی مسجد کا سامان اپنے گاؤں کی مسجد میں لگانے کا حکم	۱۸۶
۹۹	کیا امام مسجد، مسجد کی اشیاء اپنے مصرف میں لا سکتا ہے	۱۸۷
۱۰۰	مسجد کے پیسے سے امام مسجد کا کوارٹر تعمیر کرنے کا حکم	۱۸۸
۱۰۱	حکومت کی اراضی پر مسجد بنائی گئی ہو تو	۱۸۹
۱۰۲	مسجد کے مین گیٹ پر بورڈ لکھوانا کیسا ہے	۱۹۰

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۱۰۳	مسجد میں بچوں کو قرآن پاک پڑھانے کا حکم	۱۹۰
۱۰۴	مدرسہ کے اوپر مسجد بنانے کا حکم	۱۹۱
۱۰۵	مسجد کی نئی تعمیر میں قبریں موجود ہوں تو	۱۹۲
۱۰۶	پرانی مسجد کو ویران کر کے نئی مسجد بنانے کا حکم	۱۹۳
۱۰۷	مسجد کے لیے زبانی وقف درست ہے یا نہیں	۱۹۴
	باب الجماعت	
۱۰۸	نماز کی جماعت کے لیے کتنے مقتدیوں کا ہونا ضروری ہے	۱۹۶
۱۰۹	نماز کا وقت ہو گیا ایک نمازی سنتیں پڑھ رہا ہے انتظار کیا جائے یا نہ	۱۹۶
۱۱۰	امام دائیں یا بائیں جانب سلام پھیر رہا ہے جماعت میں شامل ہونے کا حکم	۱۹۷
۱۱۱	نمازیوں کو جماعت کے لیے کب کھڑا ہونا چاہیے	۱۹۸
۱۱۲	نمازیوں کو جماعت کے لیے کب کھڑا ہونا چاہیے	۱۹۹
۱۱۳	بیس سال عمر کے لڑکے کی اقتدا میں نماز پڑھی جائے تو	۲۰۷
۱۱۴	امام مسجد نماز پڑھانے اور قرآن پاک پڑھنے، پڑھانے کی تنخواہ لے تو	۲۰۸
۱۱۵	امام کے پیر کے انگوٹھے اور انگلی زمین پر نہ جمے تو	۲۰۹
۱۱۶	آیت سجدہ کا نماز میں بلند آواز سے پڑھنے کا حکم	۲۱۰
۱۱۷	نماز کے لیے دو جائے نماز بچھائے جانے کا حکم	۲۱۰
۱۱۸	اما وتر کی نماز میں دعائے قنوت پڑھے بغیر رکوع میں چلا جائے تو	۲۱۱
۱۱۹	ایک آدمی مسجد میں آیا جماعت ہو رہی تھی شامل ہونے کی بجائے علیحدہ نماز شروع کر دی تو	۲۱۱

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نمبر	عنوان	صفحہ
۱۲۰	قضائے حاجت کرے یا جماعت میں شامل ہو	۲۱۲
۱۲۱	بوجہ حفاظت گھر جماعت میں حاضر نہ ہونے کا حکم	۲۱۲
	باب الامامة	
۱۲۲	فاسق کی اقتدا کا حکم	۲۱۴
۱۲۳	امام ایک سورة کے ساتھ دوسری سورة ایک ہی رکعت میں پڑھے تو	۲۱۷
۱۲۴	تنخواہ، نذرانہ کو تنخواہ تصور کرلے اور کئی ماہ سے تنخواہ نہیں ملی تو کیا سمجھنا چاہیے	۲۱۸
۱۲۵	صبح کی نماز نہ پڑھنے والا امامت کرائے تو	۲۱۹
۱۲۶	امام کے منکوحہ عورت کے نکاح پڑھنے کا حکم	۲۱۹
۱۲۷	داڑھی منڈوانے و کتروانے والا امامت کرائے تو	۲۲۰
۱۲۸	جماعت بھر میں کوئی شخص قرآن نہیں پڑھا ہوا صرف داڑھی منڈا قرآن پڑھا ہوا ہو تو	۲۲۰
۱۲۹	بالغ مگر داڑھی نہیں نکلی جماعت کرانے کا حکم	۲۲۱
۱۳۰	صبح کی نماز ہمیشہ چھوڑنے والے کا حکم	۲۲۱
۱۳۱	داڑھی کی شرعی حد کیا ہے	۲۲۲
۱۳۲	داڑھی کتروانے والے حافظ کی اقتداء میں نماز تراویح پڑھنے کا حکم	۲۲۳
۱۳۳	امام صاحب کی زبان لقوہ کے سبب ماری گئی صحیح حروف ادا نہ کر سکے تو	۲۲۴
۱۳۴	کوئی سنی بدعقیدہ کی اقتداء میں نماز پڑھے تو	۲۲۴
۱۳۵	امام صاحب سجدہ کرتے وقت پیر کی انگلیوں کے پیٹ زمین پر نہ لگائے تو	۲۲۶
۱۳۶	امام فلمیں دیکھے، زنا کرے، نمازیں قضاء کرے تو	۲۲۷
۱۳۷	امام جلدی سے سجدہ یا رکوع کرے، مقتدی تین مرتبہ تسبیح نہ کہہ سکے تو	۲۲۹

۱۳۸	ایک رکعت میں دوسورتیں علیحدہ علیحدہ پڑھیں تو	۲۲۹
۱۳۹	مستقل امام کی موجودگی میں دوسرے امام کی اقتداء میں نماز پڑھنا کیسا ہے جبکہ مستقل امام اجازت نہ دے تو	۲۳۰
۱۴۰	ایک امام کی امامت پر اگر اہل محلہ متفق نہ ہوں تو	۲۳۰
۱۴۱	ایک امام کی موجودگی میں کسی دوسرے شخص کو امام مقرر کرنا کیسا ہے	۲۳۱
۱۴۲	امام صاحب کو تنخواہ دی جاتی ہو اور وہ کبھی کبھی ناغہ کرتے ہوں تو	۲۳۱
۱۴۳	امامت اور اذان کے فرائض ایک ہی شخص انجام دینے کا حکم	۲۳۲
۱۴۴	نابینا شخص کی امامت کا حکم	۲۳۲
۱۴۵	امام کے شطرنج و تاش وغیرہ کھیلنے کا حکم	۲۳۳
۱۴۶	بواسیر کی بیماری میں مبتلا امام کا حکم	۲۳۳
۱۴۷	امام سنی لڑکے کا نکاح بدمذہب لڑکی سے پڑھوا دے تو	۲۳۴
۱۴۸	امام مسجد کم تولے اور جھوٹ بولے تو	۲۳۴
۱۴۹	امام مقتدیوں کو منافق، آوارہ، الزام تراشی کرے تو	۲۳۵
۱۵۰	جو امام نمازیوں کو کتا، فصلی بٹیرے، کنجر کہے تو	۲۳۵
۱۵۱	امامت کے لیے قاری افضل ہے یا عالم	۲۳۷
۱۵۲	والدین کا گستاخ مستقل امام کی اجازت کے بغیر جماعت کرائے تو	۲۳۹
۱۵۳	اکثر نمازی امام مسجد کے مخالف ہوں تو	۲۴۰
۱۵۴	امام مسجد پر زناء کی تہمت لگی ہو تو	۲۴۱

کتاب الصلوٰۃ

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نمبر	عنوان	صفحہ
۱۵۵	ٹیلی ویژن پر نماز پڑھی جارہی ہو تو کیا اس امام کی اقتدا میں نماز پڑھی جاسکتی ہے	۲۴۴
۱۵۶	مصور کپڑوں میں نماز پڑھنا کیسا ہے	۲۴۵
۱۵۷	ننگے سر نماز پڑھنے کا حکم	۲۴۵
۱۵۸	سفر شرعی کی مسافت کا حکم	۲۴۷
۱۵۹	باریک کپڑے پہن کر نماز پڑھنے کا حکم	۲۴۸
۱۶۰	امام کا محراب میں کھڑے ہو کر نماز پڑھانے کا حکم	۲۵۰
۱۶۱	مقتدی کا غلط لقمہ دینے کا حکم	۲۵۱
۱۶۲	ایڑی کو رکوع میں سرین سے علیحدہ کرنے کا حکم	۲۵۱
۱۶۳	قرآت میں قرآن پاک زیر لب پڑھنے کا حکم	۲۵۳
۱۶۴	عورت کا بیٹھ کر نماز پڑھنا کیسا ہے	۲۵۳
۱۶۵	نماز کے دوران نگاہ کا حکم	۲۵۴
۱۶۶	نماز کے دوران نگاہ گھڑی پر پڑ جانے کا حکم	۲۵۵
۱۶۷	سورۃ فاتحہ امام کے پیچھے پڑھنی چاہیے یا نہیں	۲۵۶
۱۶۸	نماز تراویح میں سورۃ اخلاص کے تکرار کا حکم	۲۵۸
۱۶۹	سجدہ میں ناک زمین پر نہ لگنے کا حکم	۲۵۹
۱۷۰	سجدہ کی حالت میں انگوٹھوں کا زمین پر نہ لگنے کا حکم	۲۵۹
۱۷۱	امام نے بھول کر تراویح میں لفظ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیا تو	۲۶۰
۱۷۲	طویل دعا مانگنا کیسا ہے	۲۶۱
۱۷۳	مسافر سنت مؤکدہ ادا کرے یا نہ	۲۶۲

۱۷۴	رمضان المبارک میں صبح کی نماز جلدی پڑھنا کیسا ہے	۲۶۵
۱۷۵	نماز مغرب کا وقت کتنا ہے	۲۶۵
۱۷۶	نوافل اور تحیۃ المسجد صبح کے بعد پڑھنا کیسا ہے	۲۶۶
۱۷۷	بعد از نماز عصر نوافل کا پڑھنا کیسا ہے	۲۶۶
۱۷۸	امام صاحب فرض نماز کے بعد دعا مانگتے ہیں مگر سنت و نوافل میں منع کرتے ہیں۔	۲۶۷
۱۷۹	تسبیح، تراویح پڑھنا کیسا ہے	۲۶۹
۱۸۰	بعد از نماز ذکر بالجہر کا حکم	۲۷۰
۱۸۱	مروجہ شبینہ پڑھنا کیسا ہے	۲۷۱
۱۸۲	سجدہ شکر کا حکم	۲۷۳
۱۸۳	عورت کا نماز میں بلند آواز سے قرآۃ کا حکم	۲۷۳
۱۸۴	معذور کی نماز کا حکم	۲۷۴
۱۸۵	نیت کرتے وقت ظہر کے بجائے منہ سے عصر نکل جائے تو	۲۷۵
۱۸۶	اللہ اکبر کی بجائے اللہ اکبار نکل جائے تو	۲۷۵
۱۸۷	محلّہ کی مسجد چھوڑ کر نماز ادا کرنے کا حکم	۲۷۶
۱۸۸	نماز میں بیوی کے برابر کھڑا ہونا کیسا ہے	۲۷۶
۱۸۹	آذان سن کر مسجد میں نماز نہ پڑھنا کیسا ہے	۲۷۷
۱۹۰	تکبیر اولی کا ثواب کب تک رہتا ہے	۲۷۸
۱۹۱	اہلسنت کی نماز میں بدعقیدہ کا نماز پڑھنا کیسا ہے	۲۷۸
۱۹۲	نابالغ لڑکے کا جماعت کی صف میں شامل ہونے کا حکم	۲۷۸

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱۹۳	جماعت میں خالی جگہ چھوڑ دی، اس کے پُر کرنے کا حکم	۲۷۹
۱۹۴	بے ریش کا پہلی صف میں کھڑا ہونا کیسا ہے	۲۷۹
۱۹۵	نماز میں قہقہہ لگانا کیسا ہے	۲۸۰
۱۹۶	امام سے پہلے رکوع کرنے کا حکم	۲۸۰
۱۹۷	حالت نماز میں خیالات میں گم ہونا کیسا ہے	۲۸۱
۱۹۸	دعائے قنوت کی جگہ سورۃ اخلاص پڑھنا کیسا ہے	۲۸۱
۱۹۹	صبح کی سنتیں کب تک پڑھی جاسکتی ہیں	۲۸۲
۲۰۰	صلوۃ اوابین کتنی رکعتیں ہیں	۲۸۲
۲۰۱	حالت بیماری میں کچھ نمازیں رہ گئی اور مریض فوت ہوگیا انکا حکم	۲۸۳
۲۰۲	روزہ اور قضاء نمازوں کے کفارہ کا حکم	۲۸۴
۲۰۳	حالت سفر میں وتر اور سنتیں پڑھنے کا حکم	۲۸۵
۲۰۴	بعد از نماز فرض ذکر بالجہر (ایک تحقیق)	۲۸۵
۲۰۵	پانچ نمازوں کا ثبوت	۲۸۸
۲۰۶	حالت نماز میں موبائل کی گھنٹی بجنا شروع ہوجائے تو	۲۸۹
	باب مفسدات نماز	
۲۰۷	نماز کے اندر اپنے جسم کو بار بار کھجلانے کا حکم	۲۹۲
۲۰۸	ایک آیت کو چھوڑ کر دوسری آیت پڑھنے کا حکم	۲۹۲
۲۰۹	پینٹ و بوشرٹ پہن کر نماز پڑھنے کا حکم	۲۹۳
۲۱۰	حالت نماز میں پاؤں کا انگوٹھا امام سے آگے ہوجانے کا حکم	۲۹۳

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نمبر	عنوان	صفحہ
۲۱۱	نماز میں امام کے سینہ کا بٹن کھلا تھا، نماز پڑھا دینے کا حکم	۲۹۴
۲۱۲	عینک لگا کر سجدہ کرنے کا حکم	۲۹۵
۲۱۳	تانبہ، پیتل، اور لوہے کے زیورات پہن کر نماز پڑھنے کا حکم	۲۹۵
۲۱۴	قعدہ اخیرہ میں بھول کر کھڑے ہونے کا حکم	۲۹۵
۲۱۵	ضاد کو ظاء پڑھنا کیسا ہے	۲۹۶
	باب سجدہ تلاوت	
۲۱۶	سجدہ تلاوت کا حکم	۳۰۱
	باب التراویح	
۲۱۷	نماز تراویح مسجد میں نہ پڑھی گھر میں پڑھنے کا حکم	۳۰۴
۲۱۸	نماز تراویح چھوٹ جانے کا حکم	۳۰۴
۲۱۹	نابالغ امام کے پیچھے تراویح پڑھنے کا حکم	۳۰۵
۱۲۰	ختم قرآن حافظ اور سامع کو پیسے وغیرہ دینے کا حکم	۳۰۵
۲۲۱	تراویح پڑھانے کے لیے کتنی عمر کا ہونا ضروری ہے	۳۰۶
۲۲۲	حافظ کو غلط لقمہ دیکر پریشان کرنے کا حکم	۳۰۶
۲۲۳	حافظ تراویح پڑھا رہا ہے سامع نے اسی وقت نیت باندھ کر لقمہ دیا پھر نماز توڑنے کا حکم	۳۰۷
۲۲۴	امام کے پیچھے عورتیں اقتدا کرسکتیں ہیں	۳۰۷
۲۲۵	نماز تراویح میں سامع قرآن پاک کھول کر سماعت کرسکتا ہے یا نہیں	۳۰۷
۲۲۶	تراویح میں ایک بار ختم قرآن سنت ہے	۳۰۸

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نمبر	عنوان	صفحہ
۲۲۷	غیر مقتدی کا لقمہ دینا کیسا ہے	۳۰۹
۲۲۸	تراویح میں چھوٹا ختم قرآن پاک پڑھنا کیسا ہے	۳۰۹
	باب النوافل	
۲۲۹	فرائض کے بعد نوافل پڑھنا ضروری ہیں	۳۱۲
۲۳۰	صلوۃ التسبیح کی جماعت کا حکم	۳۱۲
۲۳۱	وتر کے بعد نوافل بیٹھ کر پڑھنا افضل ہیں	۳۲۲
	باب الصلوۃ المسافر	
۲۳۲	حالت سفر میں سنتیں پڑھنے کا مسئلہ	۳۲۵
۲۳۳	چلتی ٹرین پر نماز پڑھنے کا حکم	۳۲۵
۲۳۴	مسافر سفر پر نکلنے والا کب شرعی مسافر ہوگا، نیز فرض نماز جماعت سے نہ پڑھنے والا جماعت وتر میں شامل ہوسکتا ہے	۳۲۷
	باب العیدین	
۲۳۵	عید کی نماز کا سلام پھیر کر فوراً خطبہ پڑھنا چاہیے یا کچھ دیر بعد	۳۳۰
۲۳۶	عید کی نماز کی پہلی رکعت میں امام تکبیرات زوائد کو بھول گیا اور سورۃ فاتحہ ختم کردی تو	۳۳۱
۲۳۷	نماز عید میں بھول کر کچھ تکبیرات واجبہ چھوڑ کر رکوع میں چلا گیا	۳۳۳
۲۳۸	ایام تشریق میں تکبیر ہر فرض نماز کے بعد کہی جانے کا حکم	۳۳۴
۲۳۹	ایام تشریق کی تکبیریں نہ کہی جائیں تو	۳۳۵
۲۴۰	عید کی نماز جامع مسجد میں پڑھنے کا حکم	۳۳۵

۲۴۱	علامہ محمود علیہ الرحمۃ کا ایک صدی پرانا فتویٰ	۳۳۶
	باب الجمعہ	
۲۴۲	نماز جمعہ کی شرائط نہ پائی جانے کا حکم	۳۴۲
۲۴۳	بعد ادائے جمعہ سنتوں کا حکم	۳۴۲
۲۴۴	نماز جمعہ کی شرائط	۳۴۳
۲۴۵	ایک مرتبہ خطبہ پڑھا گیا، ایک اور امام نے کہا پھر پڑھونگا	۳۴۵
۲۴۶	امام خطبہ و نماز جمعہ کے درمیان بات کرسکتا ہے	۳۴۵
۲۴۷	دوسری آذان کے بعد دعا مانگنے کا حکم	۳۴۶
	باب صلوٰۃ الجنائز	
۲۴۸	خودکشی کرنے والے کی نماز کا حکم	۳۵۲
۲۴۹	نماز جنازہ زوال کے وقت پڑھنے کا حکم	۳۵۲
۲۵۰	مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کا حکم	۳۵۳
۲۵۱	جنازہ گاہ کے لیے بدمذہب سے رقم لینے کا حکم	۳۵۴
۲۵۲	قبر پر اذان کا حکم	۳۵۴
۲۵۳	قبر پر اجرت طے کرکے قرآن پاک پڑھوائے جانے کا حکم	۳۵۵
۲۵۴	میت کا کفن کتنا ہونا چاہیے نیز کفن پہنانے کا طریقہ	۳۵۸
۲۵۵	شوہر کا بیوی کے جنازے کو کندھا دینا کیسا ہے	۳۶۰
۲۵۶	غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا کیسا ہے	۳۶۰

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۲۵۷	دوبارہ نماز جنازہ بیٹا پڑھائے تو	۳۶۲
۲۵۸	چالیسواں میں محلہ والوں اور رشتہ داروں کو دعوت دینا کیسا ہے	۳۶۲
۲۵۹	موت کے موقع پر فضول رسم ورواج کا حکم	۳۶۳
۲۶۰	قل خوانی اور تیجہ وغیرہ کے موقع پر دعوت نامے جاری کرنا کیسا ہے	۳۶۵
۲۶۱	قبرستان لے جاتے وقت میت کا سر کس طرف ہو	۳۶۷
۲۶۲	نماز جنازہ میں تاخیر کرنا کیسا ہے	۳۶۸
۲۶۳	غیر محرم مردے کو عورتوں کے دیکھنے کا حکم	۳۶۹
۲۶۴	میت کے قریب قرآن خوانی کا حکم	۳۶۹
۲۶۵	بے نمازی کا نماز جنازہ پڑھنا کیسا ہے	۳۶۹
۲۶۶	نجس جگہ پر نماز جنازہ پڑھنا کیسا ہے	۳۷۰
۲۶۷	کیا ہیجڑے کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی	۳۷۰
۲۶۸	دو میتوں کی نماز جنازہ اکٹھی پڑھی جانے کا حکم	۳۷۱
۲۶۹	دعا بعد از نماز جنازہ کا ثبوت	۳۷۱
	باب الزکوٰۃ	
۲۷۰	جی۔پی فنڈ زپر زکوۃ کیا واجب ہوگی	۳۷۵
۲۷۱	فکس ڈیپازٹ کی رقم پر زکوۃ کب دینا ہوگی	۳۷۵
۲۷۲	چاندی، سونا کا نصاب پورا نہیں، مگر رقم ہے تو کتنی رقم پر صاحب نصاب مانا جائے گا	۳۷۵
۲۷۳	کیا غلہ کی پیداوار میں زکوٰۃ نکالنا واجب ہے	۳۷۶
۲۷۴	زکوٰۃ اور چرم قربانی قریبی رشتہ داروں کو دینے کا حکم	۳۷۷

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نمبر	عنوان	صفحہ
٢٧٥	سوتیلی ماں کو زکوٰۃ دینے کا حکم	٣٧٧
٢٧٦	صدقہ فطر، چرم قربانی اور زکوٰۃ کی رقم کہاں کہاں صرف ہوسکتی ہے	٣٧٧
٢٧٧	مال پر ابھی سال نہیں گزرا، اگر زکوٰۃ ادا کرے تو	٣٧٩
٢٧٨	کتنے غلہ پر نصاب عشر واجب ہے	٣٨٠
٢٧٩	سبزیوں میں زکوٰۃ ہے یا نہ، اگر ہے تو کس حساب سے	٣٨٠
٢٨٠	بھیک مانگنے والوں کو زکوٰۃ دینا کیسا ہے	٣٨١
٢٨١	زکوٰۃ نوٹوں اور سونے چاندی پر ہے	٣٨٢
٢٨٢	کل آمدنی پر زکوٰۃ ہے یا خرچہ نکال کر	٣٨٣
٢٨٣	مشینری پر زکوٰۃ ہے یا نہ	٣٨٤
٢٨٤	جنگلات کے درختوں پر زکوٰۃ ہوگی یا نہ	٣٨٤
٢٨٥	گھر کے برتنوں پر زکوٰۃ ہے یا نہ	٣٨٥
٢٨٦	جانوروں پر زکوٰۃ کا حکم	٣٨٥
	باب الصوم	
٢٨٧	روزہ کی نیت رات کو کرنے کا حکم	٣٨٨
٢٨٨	بغیر سحری کے روزہ رکھنا کیسا ہے	٣٨٨
٢٨٩	روزہ کی حالت میں انجیکشن لگوانا کیسا ہے	٣٨٩
٢٩٠	روزہ افطار کرنے کی دعا کب پڑھی جائے	٣٩٢
٢٩١	کول گیٹ یا منجن کے استعمال سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں	٣٩٣
٢٩٢	میت کی طرف سے نماز اور روزہ کا فدیہ نکالنے کا مسئلہ	٣٩٤

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۲۹۳	صدقۂ فطر کس شخص پر واجب ہے نیز صدقہ اور زکوۃ کے نصاب میں کیا فرق ہے	۳۹۵
۲۹۴	روزہ نہ رکھنے والے پر صدقۂ فطر واجب ہے یا نہ	۳۹۶
۲۹۵	صدقۂ فطر کب ادا کیا جائے	۳۹۶
	باب الاعتکاف	
۲۹۶	اعتکاف کا مفہوم کیا ہے	۳۹۸
۲۹۷	اعتکاف کے بنیادی مسائل	۳۹۹
	کتاب الحج	
۲۹۸	حج و عمرہ کی شرائط کیا ہیں (بنیادی مسائل)	۴۰۴
۲۹۹	احرام باندھنے کا طریقہ	۴۰۷
۳۰۰	حج کے موقع پر عورتوں کے پردہ کا حکم	۴۰۹
۳۰۱	امام کا ایام حج کی تنخواہ کا مطالبہ کرنے کا حکم	۴۱۲
۳۰۲	حضور ﷺ کی قبر انور پر دعا کرنا اور سلام عرض کرنا کیسا ہے	۴۱۳
۳۰۳	حضور ﷺ کی قبر انور کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا کیسا ہے	۴۱۸
۳۰۴	بغیر محرم کے عورت حج پر نہ جائے	۴۲۳
	باب الذبائح	
۳۰۵	حلال جانوروں کے کپوروں کے کھانے کا حکم	۴۲۷
۳۰۶	قربانی کا بکرا کتنی عمر کا ہونا لازمی ہے	۴۲۷
۳۰۷	قربانی کے جانور سے بچہ نکلے تو	۴۲۸

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۳۰۸	خرگوش کا گوشت کھائے جانے کا حکم	۴۲۸
۳۰۹	پانی سے زندہ مچھلی پکڑی بعد میں مرگئی تو	۴۲۹
۳۱۰	جو جانور ذبح سے پہلے مرجائے تو	۴۲۹
۳۱۱	برائلر مرغی کا کھانا کیسا ہے	۴۳۱
۳۱۲	گابھن گائے ذبح کی مرا ہوا بچھڑا نکلا، گوشت کھانے کا حکم	۴۳۶
۳۱۳	طوطا حلال ہے یا نہ	۴۳۷
۳۱۴	ذبح کا شرعی طریقہ	۴۳۸
	کتاب الاضحیہ	
۳۱۵	عشر ذوالحجہ کے فضائل	۴۴۰
۳۱۶	قربانی صرف بڑا بھائی کرے یا تمام	۴۴۴
۳۱۷	قربانی نہ کرسکا ایام قربانی گذر گئے تو	۴۴۵
۳۱۸	دسویں ذوالحجہ کو بعد از نماز فجر عید کی نماز سے پہلے قربانی کرنا کیسا ہے	۴۴۵
۳۱۹	دسویں ذوالحجہ کو کرفیولگ جانے کا حکم	۴۴۶
۳۲۰	بیوی صاحب نصاب مگر قربانی نہ کرسکی تو	۴۴۷
۳۲۱	مال نہیں مگر زمین کا مالک ہے، کیا قربانی واجب ہوگی	۴۴۷
۳۲۲	چھ آدمی ساتواں حصہ حضور ﷺ کے نام کی قربانی کرلیں تو	۴۴۸
۳۲۳	مسجد کی تعمیر میں چرم قربانی کی رقم لگانا کیسا ہے	۴۴۸
۳۲۴	جس جانور کی پیدائشی دم نہ ہو، قربانی کرنا کیسا ہے	۴۵۱
۳۲۵	خصی جانور کی قربانی کرنا کیسا ہے	۴۵۱

۳۲۶	ایک تھن والی گائے کی قربانی کا مسئلہ	۴۵۲
۳۲۷	قربانی کی نیت سے دنبہ خریدا مگر اس کی قربانی نہ کر سکا اس کا حکم	۴۵۳
۳۲۸	بکرا صحت مند ہے مگر سال میں سے 15 دن کم قربانی کا حکم	۴۵۴
۳۲۹	قربانی کے جانوروں کی عمر کی حد نیز بھینس کی قربانی کا حکم	۴۵۴
۳۳۰	بکری کا بچہ کتیا کا دودھ پی لیتا ہے اس کی قربانی کا حکم	۴۵۶
	باب الحجاب	
۳۳۱	عورتوں کو پردے کا حکم ہے اگر نہ کریں تو	۴۵۹
۳۳۲	بے پردہ عورتوں کے اجتماع سے خطاب کرنا کیسا ہے	۴۶۱
۳۳۳	جس کی عورت بازار میں بغیر حجاب پھرے کیا خاوند شریک گناہ ہوگا	۴۶۲
۳۳۴	بوڑھی عورت کے پردے کا حکم	۴۶۲
۳۳۵	اجنبی عورت کو دیکھنا کیسا ہے	۴۶۳
۳۳۶	غیر محرم کے پاس عورتیں بغیر حجاب کے آئیں تو	۴۶۳
۳۳۷	عورتوں کا لاؤڈ سپیکر پر محفل میلاد پڑھنا کیسا ہے	۴۶۴
۳۳۸	عدت والی عورت کن لوگوں سے پردہ کرے	۴۶۴
	باب الوراثت	
۳۳۹	پہلی عورت کے لڑکوں سے شادی کا مسئلہ	۴۶۶
۳۴۰	خاوند ملازم تھا فوت ہوگیا اس کی وراثت کی تقسیم کا حکم	۴۶۶
۳۴۱	کوثر فاروق کانسٹیبل کی وراثت کی تقسیم	۴۶۷

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نمبر	عنوان	صفحہ
۳۴۲	طارق اعجاز انسپیکٹر کی وراثت کی تقسیم	۴۶۸
۳۴۳	محمد ریاض ملازم کی وراثت کی تقسیم	۴۶۸
۳۴۴	جی۔پی فنڈ یا دیگر انعامات کی تقسیم	۴۶۹
۳۴۵	بیوی، بیٹوں، بھائی، بہن کی وراثت	۴۷۰
۳۴۶	سگی بہن، علاقائی بہن میں وراثت کی تقسیم	۴۷۰
۳۴۷	بیوہ دو بھائی تین بہنوں کی وراثت	۴۷۱
۳۴۸	بیوہ، ماں، بیٹی سگے بھائی، علاقائی بھائی کی وراثت کی تقسیم	۴۷۲
۳۴۹	مرد کی وفات کے بعد عورت کے تحالف کا حکم	۴۷۲
۳۵۰	بیوہ، لڑکوں اور بھائی کی وراثت کی تقسیم	۴۷۳
۳۵۱	گل محمد کی وراثت کی تقسیم	۴۷۴
۳۵۲	مسماۃ گلاں کی وراثت کی تقسیم	۴۷۵
۳۵۳	ظفر حسین شہید کی وراثت کی تقسیم	۴۷۵
۳۵۴	کلالہ کی وراثت کی تقسیم	۴۷۵
۳۵۵	سگے بھائی بہنوں کی موجودگی میں مادری بھائی کی وراثت کی تقسیم	۴۷۷
۳۵۶	اصل بانو کی وراثت کی تقسیم	۴۷۷
۳۵۷	چچا، چچازاد بھائی اور بہنوں کی وراثت کی تقسیم	۴۷۸
۳۵۸	دودھ شریک بچی کے نکاح کا حکم	۴۷۸
	باب [illegible]	
۳۵۹	مانع حمل ادویات کا فروخت کرنا اور استعمال کرنا کیسا ہے	۴۸۱

۳۶۰	خاندانی منصوبہ بندی کے لیے اسقاط حمل جائز ہے	۴۸۲
۳۶۱	کیا شریعت میں عزل جائز ہے	۴۸۳
۳۶۲	کیا بیوی کی اجازت کے بغیر عزل جائز ہے	۴۸۵
۳۶۳	زیادہ بچے ہوں گے تو معاشی حالات خراب ہوں گے یہ نظریہ کیسا ہے	۴۸۶
۳۶۴	کیا اسقاط حمل جائز ہے	۴۸۷
	باب الرسومات	
۳۶۵	سہرا باندھنا کیسا ہے	۴۹۰
۳۶۶	کیا شادی کے موقع پر ڈھول، گانا وغیرہ جائز ہے؟	۴۹۰
۳۶۷	دعوت ولیمہ کا حکم	۴۹۱
۳۶۸	دعوت ولیمہ میں اگر عقیقہ کا گوشت ملا کر مہمانوں کا کھلایا جائے تو	۴۹۲
۳۶۹	کھڑے ہو کر کھانا کیسا ہے	۴۹۳
۳۷۰	کیا گانا بجانا، سننا جائز ہے	۴۹۳
	مسائل شتی	
۳۷۱	غیر ممالک سے آنے والے صابن پاک ہیں یا نہیں	۴۹۸
۳۷۲	بینک کی ملازمت کرنا کیسا ہے	۴۹۹
۳۷۳	محفل میلاد میں جوتے چوری ہو گئے	۵۰۰
۳۷۴	قرآن سر پر اٹھا کر جھوٹا حلف دیا تو	۵۰۱
۳۷۵	داڑھی منڈے نعت خوان کا میلاد شریف پڑھنا کیسا ہے	۵۰۱

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۳۷۶	حرام کمائی سے نذرانے قبول کرنا کیسا ہے	۵۰۳
۳۷۷	بلاارادہ منہ سے توہین امیز کلمات نکل جائیں تو	۵۰۴
۳۷۸	قرآنی اوراق کو جلایا جائے یا دفن کیا جائے	۵۰۵
۳۷۹	پاگل آدمی کسی صحابی کی شان میں گستاخی کرے تو	۵۰۶
۳۸۰	صفائی لینے سے پہلے قانونی کارروائی کرنا کیسا ہے	۵۰۶
۳۸۱	قرآن کی بے حرمتی کرنا کیسا ہے	۵۰۷
۳۸۲	لوگوں سے جرمانہ وصول کر کے مسجد میں لگانا کیسا ہے	۵۰۷
۳۸۳	حلف بالقرآن کو توڑنا کیسا ہے	۵۰۸
۳۸۴	چیئرمین عشر وزکوٰۃ، زکوٰۃ کی رقم استعمال کرسکتا ہے یا نہیں	۵۰۹
۳۸۵	غلط طریقے سے امتحان پاس کرنا اور اس پر ملازمت کرنا کیسا ہے	۵۱۰
۳۸۶	عورتوں کے حقوق کیا ہیں	۵۱۰
۳۸۷	مساجد میں کلینڈر لگانا کیسا ہے	۵۱۳
۳۸۸	مصنوعی بالوں کا لگانا کیسا ہے	۵۱۳
۳۸۹	کبوتر بازی کا حکم	۵۱۴
۳۹۰	گھوڑا ریس کا حکم	۵۱۵
۳۹۱	شطرنج وچوسر کا کھیلنا کیسا ہے	۵۱۶
۳۹۲	دانتوں میں چاندی بھروانے کا حکم	۵۱۷
۳۹۳	جانوروں کو میڈیکل ریسرچ کے لیے استعمال کرنا کیسا ہے	۵۱۷
۳۹۴	ڈاکٹر حضرات کا فیس لینا کیسا ہے	۵۱۸

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۳۹۵	کمیشن ایجنٹ شرعی اعتبار سے جائز ہے یا نہ	۵۱۸
۳۹۶	سینٹ کا استعمال کرنا کیسا ہے	۵۱۹
۳۹۷	حلف کا شرعی حکم کیا ہے	۵۲۰

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب العقائد

(عقیدے کے بیان)

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

﴿۱﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے گاؤں میں کافی دنوں سے یہ بحث ہو رہی ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ کی ذات ہر جگہ حاضر و ناظر ہے یا نہیں ہے۔ کچھ لوگوں کا عقیدہ ہے اللہ تعالیٰ کی ذات حاضر و ناظر تو ہے مگر ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں۔ قبلہ صاحبزادہ صاحب ہماری راہنمائی فرمائیں اور اس مسئلہ کی وضاحت فرما کر ہمارے ایمان کی حفاظت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: (۱) اگر حاضر و ناظر بہ معنی شہید و بصیر اعتقاد رکھتے ہیں۔ یعنی ہر موجود اللہ تعالیٰ کے سامنے ہے اور وہ ہر موجود کو دیکھتا ہے تو یہ عقیدہ حق ہے مگر اس عقیدہ کی تعبیر لفظ حاظر و ناظر سے کرنا یعنی اللہ تعالیٰ کے بارے میں حاضر و ناظر کا لفظ استعمال کرنا نہیں چاہیے۔ لیکن اگر پھر بھی کوئی شخص اس لفظ کو اللہ تعالیٰ کے بارے میں بولے تو وہ کفر نہ ہوگا۔ جیسا کہ درمختار مع شامی جلد سوم ص ۳۰۷ میں ہے یا حاضر یا ناظر لیس بکفر واللہ اعلم۔

(۲) جب لوگ ایک جگہ بیٹھ کر بات چیت کرتے ہیں تو ان کے درمیان خدا موجود ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہنا چاہیے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ جگہ اور مکان سے پاک ہے۔ عقائد نسفی میں ہے "لا یمکن فی مکان" کے تحت شرح عقائد نسفی میں ص ۳۲ پر ہے" اذا لم یکن فی مکان لم یکن فی جھۃ لا علو ولا سفل ولا غیر ھما" اور پارہ ۲۸ رکوع ۲، میں ہے " مایکون من نجوی ثلثۃ الاھو رابعھم " تو اس آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں مشاہدہ فرماتا ہے اور ان کے رازوں کو جانتا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان کے درمیان خدا تعالیٰ موجود ہوتا ہے۔

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

تفسیر جلالین میں ہے" ھو رابعھم بعلمہ " اور علامہ صاوی نے فرمایا قول بعلمہ ای وسمعہ وبصرہ و متعلق بھم قد رتہ وارادتہ ۔ اور تفسیر مدارک میں اس آیت کریمہ کے تحت ہے " یعلم ما یتنا جون بہ ولا یخفیٰ علیہ ما ھم وقد تعالیٰ عن المکان علو اکبیرا ۔

﴿۲﴾**فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ اللہ تعالیٰ کو عاشق کہنا جائز ہے ۔ یہ لفظ نعت خوان و شعراء حضرات کے کلام میں وارد ہوا ہے۔ بینوا توجروا۔   سائل اکرم خان میانوالی

الجواب: دور حاضر میں الحمدللہ نعت خوانوں اور شعراء کی بہتات ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ اس نے اپنے حبیب محمد مصطفیٰ ﷺ کی شان بلند و بالا کرنے کے لئے بہت اسباب بنائے ہیں۔ لیکن جو نعت خواں اور شعراء حدود شرعیہ کو پھلانگ لگا رہے ہیں۔ انہیں اپنی عاقبت بخیر کی فکر کرنی چاہیے۔ داڑھی منڈانا بے وضو ہوکر پڑھنا اور اشعار لکھنا اور دنیاوی لالچ میں صرف اسی کو پیشہ بنانا بجائے فائدے کے خود کو مجرموں میں شامل کرنا ہے۔ اگر صرف اور صرف رضائے خدا اور رسول ﷺ مدنظر ہوتو سیدنا حسان رضی اللہ عنہ اور دیگر مداحین رسول ﷺ کے ساتھ اٹھنا نصیب ہوگا۔ اللہ پر لفظ عاشق کا اطلاق ناجائز ہے۔ امام احمد رضا خان محدث بریلوی قدس سرہ سے سوال ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو عاشق اور حضور پرنور ﷺ کو معشوق کہنا کیسا ہے۔؟ اس کے جواب میں آپ نے لکھا ناجائز ہے۔ کہ معنی عشق اللہ عزوجل کے حق میں محال قطعی ہے اور ایسا لفظ بے ورود شرعی حضرت کی شان میں بولنا ممنوع قطعی ہے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ۱۰ ص ۶) کتاب انوار اعمال

البرار میں علمائے شوافع واحناف سے نقل کیا گیا ہے، لو قال انا اعشق اللہ او یعشقنی فمبتدع (ترجمہ) اگر کہے کہ میں اللہ کا عاشق ہوں یا کہے اللہ تعالیٰ کا معشوق ہوں تو ایسا شخص بدعتی ہے۔ چونکہ زمخشری معتزلی بدمذہب ہے اس کا مذہب جواز کا ہے۔ اگر کسی سنی شاعر کو اس بدمذہب کے ساتھ قیامت میں اٹھنے کا شوق ہو اور اس کا مذہب پیارا لگتا ہو تو بے شک کہے۔ دور حاضر میں کچھ شعراء جاہل ہونے کے ساتھ ساتھ ضدی بھی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ عشق لفظ محبت کے معنی میں ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ محبت وحب بولنا جائز ہے تو پھر اس پر لفظ عشق کیونکر نا جائز ہے۔؟ اس کا جواب یہی ہے کہ یہی دلیل اسی بدمذہب زمخشری نے دی تھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ دلیل ایسے شاعروں کے دلوں میں ابلیس نے ڈالی ہے ورنہ ان جاہلوں کو کیا معلوم کہ زمخشری کون تھا؟ زمخشری مذکور نے تفسیر کشاف میں دلیل میں لکھا ہے کہ ثم اذا ثبت اجزاء محبة العبد للہ تعالیٰ علی حقیقتھا لغة فالمحبة فی اللغة اذا تاکدت سمیت عشقا الخ (ترجمہ) جب اللہ تعالیٰ پر لغت میں حقیقی معنی پر محبت کا اطلاق جائز ہے۔ تو عشق بھی جائز ہے۔ کیونکر محبت زیادہ مؤکد ہو تو وہ عشق ہی ہے۔

ہمارے علماء کرام احناف وشوافع وغیرھم رحمھم اللہ تعالیٰ نے اس اطلاق کی سخت مخالفت فرمائی ہے۔ اس کے رد میں تصریح ہے چنانچہ "الانتصاب" میں علامہ احمد محمد بن المنیر نیز مخشری کی خوب خبر لی اور اس اطلاق کا انکار استاذ الحرمین علامہ ابن حجر مکی قدس سرہ سے "الاعلام" میں بھی منقول ہے۔ علامہ اویسی محدث بہاولپوری نے فتاویٰ اویسیہ میں بھی نقل کیا ہے۔

واللہ اعلم بالصواب ورسولہ اعلم

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

﴿۳﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے اوپر والا بولنا کیسا ہے؟ بینو اتوجروا۔ سائل محمد اشرف قریشی محلہ نورپورہ میانوالی۔

الجواب: خدائے تعالیٰ کی ذات کے لئے اوپر والا بولنا کفر ہے کہ اس لفظ سے اس کے لئے جہت کا ثبوت ہوتا ہے اور اس کی ذات جہت سے پاک ہے جیسا کہ حضرت علامہ سعد الدین تفتازانی رحمتہ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں، اذالم یکن فی مکان لم یکن فی جھتہ لا علو لا سفل ولا غیرھما (شرح عقائد نسفی ص ۳۳) اور حضرت علامہ ابن نجیم مصری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں یکفر بوضفہ تعالیٰ بالفوق او بالتحت تلخیصاً (بحرالرائق جلد پنجم ص ۱۲۰) لیکن اگر کوئی شخص یہ جملہ بلندی و برتری کے معنی میں استعمال کرے تو قائل پر حکم کفر نہ کریں گے مگر اس قول کو براہی کہیں گے اور قائل کو اس سے روکیں گے۔

﴿۴﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ ایک شخص زید یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ جناب سرور کائنات و میرے پیرومرشد ہر حال میں حاضر و ناظر ہیں وہ ہمارے احوال کا مشاہدہ کرتے ہیں اور ان کو امداد کے لیے پکارا جائے تو امداد بھی کر سکتے ہیں۔ ایسے شخص نے اپنی بیوی کو سہ طلاق مغلظہ دیں اس میں مقامی علماء کا اختلاف ہے ایک گروہ کہتا ہے۔ اس پر طلاقیں واقعہ نہیں ہوئیں کیونکہ زید کا عقیدہ مشرکانہ ہے۔ اس کا نکاح بھی درست نہ تھا۔ طلاقیں کیسی۔ جب کہ دوسرا گروہ کہتا ہے۔ وہ کلمہ گو مسلمان ہے اس کی طلاقیں نافذ ہیں۔ کلمہ گو کو کافر و مشرک کہنا جائز نہیں۔ بینو اتوجروا۔ سائل میاں فلک شیر محلہ میانہ میانوالی۔

الجواب: دوسرے فریق کا عقیدہ درست و صحیح ہے۔ وہ مسلمان ہے اس کی طلاقیں نافذ

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ہیں۔عورت بعد از عدت کسی دوسرے شخص کے نکاح میں جائے گی۔دوسرے گروہ کا نظریہ درست وصحیح ہے۔

﴿۵﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ماکان ومایکون کا علم رکھتے تھے، کیا یہ عقیدہ درست ہوگا۔اس میں شرک لازم نہیں آئے گا؟۔ بینوا توجروا۔ سائل حکیم غلام حسن میانوالی

الجواب: اللہ تعالیٰ کی عطا سے مخلوق کا علم تسلیم کرنا شرعاً درست قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔تمام مخلوقات کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلہ میں ایک قطرہ کی مانند ہے۔جب کہ اللہ تعالیٰ کا علم سمندر نا پیدا کنار ہے۔حواشی بیضاوی سے علامہ قرطبی نے نقل فرمایا ہے، ان معلومات اللہ تعالیٰ لا نهاية لها و غيب السموٰت والارض و ما يكتمانه قطرة منها۔

کیمیائے سعادت میں امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ جناب حضور علیہ السلام کی ذات کو اللہ تعالیٰ کے علم سے ایک قطرہ عنایت ہوا اور آپ علیہ السلام ما کان و ما یکون جان گئے۔صاحب تفسیر روح البیان نے لکھا ہے، قد قال رسول ﷺ فی ليلة المعراج قطرت فی حلقی قطرة علمت ما كان وما یکون۔ علم کی تفصیلی بحث صاحب روح البیان نے اس طرح کی ہے کہ تمام اولیاء کا علم انبیاء کے علم کی مقابلہ بمنزلہ قطرہ کے ہے۔جملہ انبیاء کا علم بمقابلہ سرور کائنات قطرہ کی مانند ہے۔

علامہ بوصیری رحمہ اللہ قصیدہ بردہ شریف میں فرماتے ہیں،

وكلهم من رسول الله ملتمس☆غرفاً من البحر او رشفاً من الديم

تمام انبیا علیہ السلام آپ ﷺ کے دریائے مغفرت وباران رحمت سے ایک چلو

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

پانی کے ایک قطرہ کا سوال کرتے ہیں۔ یعنی حضور رحمت کائنات ﷺ کا علم و رحمت اتنا بیکراں ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو بھی جو معرفت علم و مرتبہ حاصل ہوا وہ آپ ﷺ کے صدقہ ہے۔

و و اقفون لدیہ عند حدھم☆من نقطة العلم او من شکلة الحکم

تمام انبیاء علیھم السلام ہمارے نبی ﷺ کے سامنے ایسے ہیں جیسے پورے علم میں ایک نقطہ ہوتا ہے۔ یا پوری کتاب میں ایک زیر، زبر، پیش ہوتا ہے۔ یعنی تمام انبیا علیہم السلام ہمارے حضور رحمت کائنات ﷺ کے در اقدس پر سائل کی مثل ہیں۔ تو ہمارے پیارے نبی ﷺ سب انبیاء علیم السلام کے آقا و سردار و قاسم انوار و رحمت ہیں۔

﴿٦﴾فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ ہمارے گاؤں کے امام مسجد محمد عطا اللہ قاسمی اپنے آپ کو عالم فاضل کہتا ہے۔ لوگوں کو مسائل بتاتا ہے۔ ایک دن کہہ رہا تھا انبیاء کرام سے گناہ کبیرہ کا صدور ہوتا ہے۔ اور یہ بات قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ میری آپ سے استدعا ہے کہ ہمارے گاؤں کے مولوی کی بات درست ہے کہ نہیں؟۔ قرآن و حدیث سے جماعتِ اہلسنت کا عقیدہ لکھ کر دیں تا کہ ہم اپنا ایمان محفوظ کر سکیں۔ بینوا توجروا۔ سائل محمد رمضان ولد عطا اللہ نزد داؤد خیل میانوالی

الجواب: انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام سے گناہ کبیرہ کا صدور ہرگز نہیں ہوا کہ وہ سب معصوم ہیں ان سے گناہ کبیرہ کے صدور کو اسلامی معتقدات کے عین مطابق بتانا شریعت مطہرہ پر افتراء اور جھوٹ ہے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت ملا علی قاری علیہما الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں الانبیاء علیھم السلام کلھم منزھون ای

الصلاۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

معصومون عن الصغائر والکبائر یعنی جملہ انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام صغیرہ اور کبیرہ تمام گناہوں سے پاک اور معصوم ہیں۔ (شرح فقہ اکبر ص ٦٨) اور حضرت علامہ سعد الدین تفتازانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں الانبیاء معصومون یعنی انبیاء معصوم ہیں (شرح عقائد نسفی) اور علامہ صدر الشریعہ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں "نبی کا معصوم ہونا ضروری ہے اور عصمت انبیاء کے یہ معنی ہیں کہ ان کے لیے حفظ الٰہی کا وعدہ ہو گیا۔ جس کے سبب ان سے صدور گناہ محال ہے۔ انبیاء علیہم السلام شرک وکفر اور ہر ایسے امر سے جو خلق کے لیے باعث نفرت ہو جیسے کذب و خیانت اور جہل وغیرہ صفات ذمیمہ سے نیز ایسے افعال سے جو وجاہت اور مروت کے خلاف ہیں۔ قبل نبوت اور بعد نبوت معصوم ہیں۔ (بہار شریعت حصہ اول ص ١٤) اور اسی حصہ کے صفحہ ٢٢، ٢٣ پر تحریر فرماتے ہیں "انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام سے جو لغزشیں واقع ہوئیں ان کا ذکر تلاوت قرآن اور روایت حدیث کے سوا حرام اور سخت حرام ہے۔

انتہی بحروفہ۔ لہٰذا امام مسجد پر علانیہ توبہ و استغفار کرنا لازم ہے اگر وہ ایسا نہ کرے تو اس کو امامت سے معزول کر دیں اس کے پیچھے نماز ہرگز نہ پڑھیں۔

﴿۷﴾ فتویٰ شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ محمد جنید چشتی کہتا ہے کہ، اللہ تعالیٰ کی طرح حضور علیہ السلام عالم الغیب ہیں اور اللہ کی طرح حی و قیوم ہیں کیا محمد جنید چشتی کا عقیدہ قرآن وسنت اور اسلامی اصولوں کے مطابق ہے؟۔ بینوا توجروا۔

سائل محمد افلاطون ساکن گندہ نزد داؤد خیل میانوالی

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علیہ الصلاۃ والسلام

الجواب: حضور صلی اللہ علیہ وسلم عالم غیب یعنی غیب داں ضرور ہیں لیکن عالم الغیب کا اطلاق حضور پر جائز نہیں۔ کذاقال العلماء من اھل السنة والجماعة اور بیشک حضور علیہ الصلوٰۃ ''حی'' یعنی زندہ ہیں۔حدیث شریف میں ہے، ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء فنبی اللہ حی یرزق (مشکوۃ) مگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قیوم کہنا جائز نہیں۔ کہ یہ خدائے تعالیٰ کے اسمائے خاصہ سے ہے۔ جیسے رحمٰن۔

﴿۸﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ میں بروز جمعرات کو نہایت صاف ستھرے کپڑے پہن کر درود پاک پڑھتے ہوئے سویا۔ کئی ماہ سے وظیفہ کر رہا تھا کہ کاش مجھے حضور ﷺ کی زیارت ہو جائے۔ الغرض میری قسمت کا ستارا جاگ اٹھا آپ ﷺ کی زیارت اس طرح کہ کوئی کہہ رہا تھا یہ آپ ﷺ ہیں۔ مجھے بتایا جائے کہ یہ زیارت صحیح تھی۔ سائل عبدالرؤف خان نیازی میانوالی

الجواب: رحمۃ للعلمین کی کمال شفقت ہے کہ اپنے کسی غلام کو زیارت سے مشرف فرمائیں۔ بے شک حضور ﷺ کی زیارت خواب میں بہت بڑی سعادت ہے۔ لیکن حضور ﷺ کی زیارت کرنے والا اپنے قلب و روح کی صفائی نہیں رکھتا تو اس کے باطن میں پوری پوری صفائی اور نورانیت نہیں ہوتی۔ کچھ تکدر اور ظلمت ان کے اندر موجود ہے تو شرف زیارت کے ساتھ اسے یہ تنبیہ بھی فرما دی گئی ہے کہ ابھی تک صفائی باطن کے معاملہ میں تیری حالت خستہ ہے اور تیرا مقام ابھی تک صفائی باطن اور روح کی روشنی کے رتبہ میں قابل اصلاح ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی زیارت خواب میں ہونا بڑی خوش قسمتی کی علامت ہے۔ قسمت والوں کو یہ دولت نصیب ہوتی ہے ورنہ بہت بڑے بڑے زہاد اور عباد اسی میں مر گئے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس نعمت سے نوازے۔ حضور ﷺ کی

الصلوۃ والسلام علیک یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

زیارت حقیقی زیارت ہے اور بڑی خوش قسمتی ہے۔ حدیث میں ہے، جس نے مجھے خواب میں دیکھا وہ دوزخ میں ہرگز نہیں جائے گا۔ ایک اور مقام پر فرمایا، من رانی فقد رالحق فان الشیطان لایتمثل فی صورتی۔ جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے یقیناً مجھے ہی دیکھا پس بیشک شیطان میری صورت کی مثل نہیں ہوسکتا۔ عبدالروف آپ بڑے خوش قسمت ہیں کہ آپ کو زیارت نصیب ہوئی:

﴿۹﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ میرے دوست محمد امان اللہ خان ساکن میانوالی کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے جسم اقدس سے زمین کا جو حصہ لگا ہوا ہے وہ کعبہ شریف سے اعلیٰ و افضل نہیں ہے۔ جب کہ میرا عقیدہ ہے کہ وہ حصہ یقیناً اعلیٰ و افضل ہے۔ ہمیں یہ بتائیں کہ ہم سے کس کا عقیدہ درست ہے۔ بینوا توجروا۔ سائل محمد ادریس خان میانوالی

الجواب: سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جسم انور سے زمین کو جو حصہ لگا ہوا ہے وہ کعبہ شریف سے بلکہ عرش و کرسی سے بھی افضل ہے۔ بیشک یہ عقیدہ حق ہے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ تربت اطہر یعنی وہ زمین کہ جسم انور سے متصل ہے۔ کعبہ شریف بلکہ عرش سے بھی افضل ہے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ص ۶۸۷)

اور درمختار مع شامی جلد دوم ص ۶۵۷ میں ہے۔ ماضم عضائہ علیہ الصلاۃ والسلام فانہ افضل مطلقا حتی من الکعبۃ و العرش و الکرسی

واللہ اعلم بالصواب ورسولہ اعلم

﴿۱۰﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ ایک شخص قرآن شریف پڑھ رہا ہو اس کے کان میں حضور ﷺ کا نام نامی اسم گرامی پہنچا تو کیا وہ شخص درود شریف پڑھے یا تلاوت قرآن جاری رکھے؟ بینوا توجروا۔ سائل عبدالمنعم میانوالی

الجواب: اسے چاہیے کہ قرآن مجید کی تلاوت جاری رکھے اس پر اسم گرامی سننے پر دورد شریف پڑھنا ضروری نہیں ہاں بعد فراغت درود شریف پڑھ لے تو بہتر ہے۔ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے کہ رجل یقرا القرآن و سمع اسم النبی ﷺ ذکر الناطفی انه لا یجب ﷺ لان قراۃ القرآن علی النظم و التالیف افضل من الصلوۃ علی النبی ﷺ فاذا فرغ من قرآن و صلی علیه کان حسنا و ان لم یصل لا شیء علیه (فتاویٰ قاضی خان اور فتاویٰ عالمگیری ج۳ ص ۴۲۲)

ترجمہ: اگر کسی نے قرآن پڑھا اور دوسرے شخص نے نبی کریم ﷺ کا اسم گرامی سنا اس پر درود شریف پڑھنا واجب نہیں کیونکہ قرآن مجید کی تلاوت اور سماعت نبی کریم ﷺ پر درود پڑھنے سے افضل ہے تلاوت سے فارغ ہونے کے بعد درود پڑھ لے تو بہتر ہے۔

﴿۱۱﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ ہمارے محلہ کے امام مسجد شفاعتِ رسول ﷺ کے منکر ہیں کیا اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔ وضاحت کریں۔؟ بینوا توجروا۔ سائل خالد مسعود

الجواب: مطلق شفاعت کا منکر مرتد و کافر ہے۔ اس کے پیچھے نماز ناجائز ہے۔ محقق علی الاطلاق حافظ ابن الہمام محمد بن عبدالواحد الحنفی المتوفی ۸۶۱ھ فرماتے ہیں کہ شفاعت اور اللہ

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

تعالیٰ کا دیدار اور عذاب قبر اور کرام کاتبین کے انکار کرنے والے کی اقتداء مین نماز نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ مرتد ہے اس لیے کہ یہ امور شارع علیہ الصلوۃ والسلام سے تواتر کے ساتھ ثابت ہیں۔ (فتح القدیر۔ جلد نمبر ۱ ص ۲۴۸ طبع مصر) اور اہل کبائر کے لیے شفاعت، رویئت باری تعالیٰ، عذاب قبر اور کرام کاتبین کا انکار کرنے والا شخص کافر ہے۔ (رسائل بحر العلوم ص ۹۹ مصنف مولانا عبد العلی بحر العلوم الحنفی المتوفی ص ۱۲۳۵ھ) شفاعت کا ثبوت قرآن مجید میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ من ذا الذی یشفع عندہ الا باذنہ ترجمہ: وہ کون ہے جو اس کے ہاں سفارش کرے مگر اس کے حکم سے۔ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کے بندے رب کے ہاں ضرور شفاعت فرمائیں گے۔ دوسرے یہ کہ ان کی شفاعت دھونس (ڈرا دھمکا کر) کی نہ ہوگی بلکہ اذن خداوندی سے ہوگی۔ لہٰذا جو بالکل شفاعت کا انکاری ہے وہ بے ایمان ہے یعنی کافر ہے۔ قرآن میں ایک اور مقام پر ہے، ولا تنفع الشفاعۃ عندہ الا لمن اذن لہ، ط ترجمہ: اور اس کے پاس شفاعت کام نہیں دیتی مگر جس کے لیے وہ اذن فرمائے اس سے معلوم ہوا کہ شفیع اور مشفوع دونوں کے لیے اذن الٰہی ضروری ہے۔ لہٰذا شفاعت صرف صالحین کریں گے اور صرف مومنوں ہی کی کریں گے۔

﴿۱۲﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ اذان میں حضور کریم ﷺ کا نام سننے پر چوم کر درود پڑھنا اور آنکھوں پر لگانا کیسا ہے؟۔ میرا دوست اس کو باعث اجر عظیم کہتا ہے۔ سائل محمد شمشاد احمد ھمدانی میانوالی

الجواب: آپ کے دوست کا قول فقہ وحدیث کے موافق ہے، علامہ شامی قہستانی سے

ناقل ہیں، یستحب ان یقال عند سماع الاولیٰ من الشهادة یا رسول الله صلی الله علیه و سلم و عند الثانية منها قرت عینی بك یا رسول الله ثم یقول اللهم متعنی بالسمع و البصر بعد وضع ظفری الابها مین علی العنین فانه علیه السلام یکون قائداله الی الحنة۔ (شامی مصری ج ۱ ص ۲۷۹) مستحب ہے اذان میں پہلی شہادت کے سماع کے وقت صلی اللہ علیک یارسول اللہ پھر آنکھوں پر انگوٹھے رکھ کر کہے، اللهم متعنی بالسمع والبصر تو اس کو حضور ﷺ جنت میں لے جائیں گے۔ اسی طرح طحطاوی کنز العمال میں ہے۔

﴿۱۳﴾ **فتویٰ شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، گستاخ نبوت کا کیا حکم ہے جن لوگوں کو گستاخ سمجھا جاتا ہے ان میں علماء بھی ہیں ان کے بارے میں کیا فیصلہ ہے؟۔ بالخصوص حضور ﷺ کے والدین کو کافر کہنے والے کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: علامہ اویسی کی تحقیق ﴾مراقی الفلاح میں ہے: الفاسق العالم تحب اهانته شرعا فلا یعظم امام فخر الدین زیلعی تبین الحقائق میں اور علامہ سید ابو سعود ازہری فتح المعین میں اور علامہ سید احمد مصری حاشیہ درمختار پر بالاتفاق تصریح فرماتے ہیں۔ قد وجب علیهم اهانته شرعا ایسے فاسق عالم کی شرعاً اہانت و توہین و تذلیل کرنا مسلمانوں پر واجب لازم ہے۔ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ مقاصد و شرح مقاصد میں تصریح فرماتے ہیں۔ حکم المبتدع البغض والعداوة والاعراض عنه والطعن واللعن۔ یعنی بدمذہب شخص کا شرعی حکم یہ ہے کہ اس سے بغض و دشمنی کی جائے اس کو دشمن دین قرار دیا جائے اسے کوئی مسلمان منہ نہ لگائے اس کی توہین و تذلیل کی جائے اور اس پر لعن وطعن روا رکھی جائے۔ الغرض ایسے لوگوں سے

جہاد کرنا فرض ہے کہ یہ منافق اور تمام بدمذہبوں سے بدتر ہیں جب عالم فاسق اور بدمذہب کے لیے یہ حکم ہے تو شر پسند اور فتنہ انگیز منافقوں کافروں مرتدوں کا جو شجرہ پاک مصطفوی پر شرک وکفر کا اتہام کر کے سید الانبیا محمد ﷺ کو گالیاں لکھتے، چھاپتے، نشر کرتے اور بیان کرتے ہیں کا حکم تو سب کفار سے زیادہ سخت ہے۔ کیونکہ یہ فتنہ سب فتنوں سے بدتر ہے۔ لہٰذا ایسے فتنہ بازوں کے لیے حکم ہے کہ: یقتل ولا یستتاب یعنی وہ خلافت اسلامیہ کے حکم سے قتل کیے جائیں گے ان کی توبہ ہرگز قبول نہ کی جائے گی۔

جو اسلام پر طعن کریں وہ آئمہ کفر ہیں تو جو بانی اسلام اور معلم کائنات ﷺ پر طعن کریں ان کے آباء اجداد وامہات کو شرک وکفر اور عذاب ودوزخ سے نسبت کر کے ملامت کریں۔ مصطفیٰ ﷺ کی ایذاء واہانت وتحقیر واستخفاف کریں اور اہل اسلام کا دل جلائیں ان سے بدتر آئمہ کفر کون ہوگا؟ بیشک وہ سب کافروں اور مرتدوں سے بڑھ کر دشمن ایمان ودین ہیں۔ ایسوں کا دعویٰ، تصنیف وتحریر سب مردود اور ناقابل اعتبار ہیں۔ کتاب یا روایت کی سند صحیح اور شہرت ایسے کفری مضمون کی قبولیت کا موجب نہیں دودھ کے برتن میں پیشاب یا شراب یا گندگی ہو تو برتن کی وجہ سے اسے پاک تصور کرنا کسی مسلمان اور صاحب علم وعقل والے کا کام نہیں ہے۔ یوں ہی ایسے کفری مضمون والی کتاب اور روایت سند صحیح وشہرت کی وجہ سے لائق اعتبار اور قابل قبول نہیں بلکہ مردود وباطل ہے اسے خوب سمجھ لو کہ ایسوں کا حکم دنیائے اسلام کے قاضی اور مفتی امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں یہ بیان فرمایا ہے:

ایما رجل مسلم سب رسول الله ﷺ او كذبه او نفصه فقد كفر بالله وبانت منه

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

امــراتــه جس مدعی اسلام نے رسول خدا ﷺ کو گالی دی یا آپ ﷺ کی تکذیب کی یا کوئی عیب لگایا یا آپ ﷺ کی طرف نقص کو منسوب کیا تو بے شک اللہ کی قسم وہ کافر ہو گیا اور اس کی عورت اس کے نکاح سے نکل گئی۔ مجمع الفتاوی میں ہے: مـن تـكـلـم بـكلمة الكفر و ضحك به غيره كفر اولـو تـكـلـم به واعظ وقبل القوم ذلك كفروا۔ یعنی جو کلمہ کفر بولے دوسرا اس پر ہنسے یعنی برضا نے اسے رد نہ کرے دونوں کافر ہوئے۔ اور واعظ نے دوران تقریر کلمہ کفر کہا سننے والوں نے اسے قبول کیا اور رد نہ کیا سب کافر ہو گئے کتاب الام میں ہے مـن تـلـفـظ بلفظ الكفر يكفر و كـل مـن اسـتـحـسـنه او رضى به يكفر جس نے اس کے کفر میں شک کیا وہ بھی کافر ہے اور جو اسے اچھا بتائے یا اس پر راضی ہو وہ بھی کافر ہے۔ لہٰذا خلاصہ تحریر یہ ہے کہ حضور ﷺ اور آپ ﷺ کے ابوین کی گستاخی کرنے والا بالاتفاق کافر ہے۔ متفقہ فتویٰ مولانا خواجہ محمد اکبر علی، حضرت غلام محی الدین، حضرت عبدالحکیم کا مشترکہ فتویٰ جاری ہوا۔

﴿۱٤﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، گستاخ رسول ﷺ کا از روئے شرع کیا حکم ہے، وضاحت فرمادیں؟ بینوا توجروا۔

سائل محمد قاری اشرف مدرس جامعہ اکبریہ میانوالی

الجواب: حضور رحمت کائنات شفیع معظم ﷺ کی شان اقدس میں توہین و تنقیص کرنے والا، گالی دینے والا، اسلام سے خارج، کافر، مرتد اور ابدی لعنتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان قرآن پاک میں ہے، ان الـذيـن يـوذون الـلـه و رسوله لعنهم الله فى الدنيا والاخرة و اعد لهـم عذابا مهينا۔ (پ ۲۲) یعنی جو لوگ ایذا دیتے ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو ان پر خدا

کی لعنت ہے دونوں جہان میں ان کے لیے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

قرآن پاک میں پارہ ۲۹ سورۃ نون آیت نمبر ۱۲۔ آپ کا گستاخ ولد الزنا ہے۔ مراقی الفلاح میں ،الفاسق العالم تجب اهانته ، شرعا فلا يعظم۔ آپ کے گستاخ مولوی کی اہانت، تذلیل و یہی بات علامہ سید احمد مصری حاشیہ درمختار پر لکھی ہے۔ دیکھئے شرح شفا شریف میں جلد ۴ ص ۳۲۸، الصارم المسلول ص ۵۲۵۔ خلاصۃ الفتاویٰ جلد ۴ ص ۳۸۶، شفاء شریف جلد ۲ ص ۱۸۹، شرح مقاصد علامہ تفتازانی نے علماء کا اتفاق لکھا ہے

﴿تمام آئمہ و علماء کا اتفاق﴾

قال محمد بن سهنون اجمع العلما ان شاتم النبی ﷺ المتنقص له كافر قال ابو حنيفة و اصحابه والثورى و اهل الكوفه والا و زاعى هى ردة۔ امام اعظم سمیت تمام علماء کا اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو گالی دینے والا اور آپ ﷺ کی شان اقدس میں تنقیص کرنے والا کافر و مرتد ہے۔ فتاویٰ خیریہ، فتاویٰ بزازیہ، درمختار، الصارم المسلول میں ہے، والكافر سبب نبى من الانبياء فانه يقتل حد الاتقبل توبته مطلقا و من شك فى عذابه و كفره كفر۔ انبیاء علیہ السلام میں سے کسی کو گالی دینے کی وجہ سے کافر ہوا اسے بطور حد قتل کیا جائے اس کی توبہ ہرگز قبول نہیں۔ اور جو اس کے کفر و عذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔

﴿گستاخ رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنا واجب﴾

دیکھئے معتبر کتب میں فیصلہ لکھا ہے، فتح القدیر جلد ۴ ص ۴۰۷، الصارم المسلول، ص ۴ شفا شریف جلد ۲ ص ۲۰۸۔ تفسیر روح البیان جلد ۳ ص ۲۶۸ میں ہے، لا اعلم احد من المسلمين اختلف فى وجوب قتله اذا كان مسلما۔

یعنی جو گستاخ رسول اللہ ﷺ جب کہ مسلمان ہو تو اس کے وجوب قتل میں مسلمانوں میں کوئی بھی اختلاف نہ ہے۔ قاضی امام ابو یوسف کتاب الخراج ص ۲۸۸ پر یہی فرماتے ہیں،

ایما رجل مسلم سب رسول الله ﷺ او کذبه او نقضه فقد کفر بالله و بانت امرأته۔ جو ادعائے اسلام آپ ﷺ کو گالی دے یا آپ ﷺ کی تکذیب کرے یا عیب لگائے یا آپ ﷺ کی طرف کسی نقص کو منسوب کرے تو اللہ کی قسم وہ کافر ہے۔ اور اس کی عورت نکاح سے نکل گئی۔ گستاخ رسول اللہ ﷺ کے کفر میں شک کرنے والا کافر ہے۔ مجمع الفتاویٰ ص ۱۸۶، کتاب الام ۱۹۸ میں ہے، من تلفظ بلفظ الکفر یکفر و کل من استحسنه اورضی به یکفر، یعنی جس نے (گستاخ رسول ﷺ) کے کفر میں شک کیا اور جو اچھا بتائے یا اس سے راضی ہو وہ بھی کافر ہے۔

﴿**تمام امت کا اتفاق**﴾ درج بالا دلائل سے ثابت ہوا کہ رسول اکرم ﷺ کے دور اقدس سے لے کر آج تک پوری امت مسلمہ کا اتفاق ہے کہ آپ ﷺ کا گستاخ کافر و مرتد ہے اور اس کی سزا قتل ہے۔

﴿۱۵﴾**فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین مومن تھے یا نہیں۔ یہاں ایک امام مسجد دیو بند عقیدہ کا آیا ہے۔ وہ کہتا ہے وہ مؤمن موحد نہیں تھے اور ان کا انتقال کفر پر ہوا وہ شرح فقہ اکبر، اور مسلم شریف جلد دوم اور ابن ماجہ کی روایت پیش کرتا ہے۔ براہ کرم مکمل و مفصل جواب دے کر ہمارے عقیدے و ایمان کی حفاظت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔ سائل حافظ مولوی عنایت اللہ چکڑالہ میانوالی

الجواب: بلا شک حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ سلم کے والدین کریمین ہرگز ہر گز کافر نہیں تھے۔ اس دعویٰ پر قرآن وحدیث سے کثیر دلائل پیش کئے جا سکتے ہیں، بطور نمونہ چند دلائل پیش کرتا ہوں **دلیل اول** قرآن کریم میں ہے، ولعبد مؤمن خیر من مشرك بیشک مسلمان غلام مشرک سے بہتر ہے۔ اور بخاری شریف جلد اول کتاب المناقب باب صفۃ النبی میں یہ حدیث مروی ہے، بعثت من خیر قرون بنی ادم قرنا فقرنا حتی کنت من القرن الذی کنت منه (بخاری مصطفائی جلد ۱ ص ۵۳۰) یعنی میں قرون بنی آدم کے ہر طبقہ اور قرن کے بہتر میں بھیجا۔ یہاں تک کہ اس قرن میں جس میں پیدا ہوا۔ اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ حضور نبی کریم ﷺ ہر قرن وزمانہ کے بہترین زمانہ اور خیر قرن میں پیدا ہوئے اور آیت کریمہ نے بتایا کہ کافر مسلمان غلام سے خیر و بہتر نہیں ہوسکتا تو اب صاف طور پر نتیجہ نکل آیا کہ حضور کے آباؤ امہات کسی قرن وطبقہ میں کافر نہیں ہو سکتے ورنہ اس آیت اور حدیث دونوں کا انکار لازم آئے گا۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ والدین کریمین ہرگز کافر و مشرک نہیں تھے۔ چنانچہ امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں، ان آباء محمد ﷺ ما کانوا مشرکین۔ نقله السیوطی فی کتابه التعظیم و المنة۔ علامہ قسطلانی مواہب اللدنیہ میں تصریح کرتے ہیں، فوجب ان لا یکون احد من اجداده مشرکاً (مواهب اللدنیه مصری ج ۱ ص ۲۴) یعنی یہ واجب ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کے آباء و اجداد سے کوئی بھی مشرک نہ ہو، اور بلا شک وہ مشرک نہیں تھے۔ بالجملہ اب قرآن وحدیث اور اقوال ائمہ امت سے ثابت ہو گیا کہ حضور کے والدین کریمین ہرگز ہرگز کافر و مشرک نہیں تھے۔

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

دلیل دوم اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، انما المشرکون نجس. یعنی مشرک و کافر تو ناپاک ہیں۔ اور ابو نعیم نے دلائل النبوۃ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنھما سے یہ حدیث مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، لم یزل اللہ عزوجل یتقلنی من اصلاب طیبۃ الی ارحام طاھرۃ صافیا مھذ بالا تشعب شعبتان الا کنت فی خیرھما۔ (دلائل النبوۃ ص ۱۱)

یعنی ہمیشہ اللہ عزوجل مجھے پاک پشتوں سے پاک شکموں کی طرف نقل فرماتا رہا۔ صاف ستھرا آراستہ۔ اب دو شاخیں پیدا ہوئی تو میں ان میں بہتر شاخ میں تھا۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضور ﷺ کے تمام آباء و امھات جب پاک ہیں تو وہ کافر و مشرک نہیں ہوئے کہ کافر تو ناپاک ہوتا ہے۔ ورنہ اس آیت و حدیث کی مخالفت لازم آئے گی۔ اسی بنا پر زرقانی میں علامہ سنوسی محقق تلمسانی محشی شفا کا قول منقول ہے،

لم یتقدم لوالدیہ ﷺ شرك و کانا مسلمین لا نه علیه الصلوۃ والسلام انتقل من الاصلاب الکریمة الی الارحام الطاھرۃ لا یکون ذلك الامع الایمان باللہ تعالیٰ۔ (زرقانی مصری ج ۱ ص ۱۷۴) یعنی حضور کے والدین کا شرک ثابت نہیں ہوا تو وہ مسلمان ہوئے اس لیے کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام بزرگ پشتوں سے پاک شکموں کی طرف منتقل ہوئے اور یہ بات اللہ پر ایمان کے ساتھ ہی ہوسکتی ہے۔ الحاصل ان آیات و احادیث و اقوال ائمہ ملت سے ثابت ہو گیا کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کے والدین کریمین ہرگز کافر و مشرک نہیں تھے بلکہ یہ حضرات مسلمان مواحد تھے اس دعوے پر دلیل اول یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن عظیم میں فرماتا ہے، و تقلبك فی السـاجدین، یعنی تمہارا کروٹیں بدلنا سجدہ کرنے والوں میں۔ علامہ

سیوطی الدرج النیفۃ میں آیت کریمہ کے تحت فرماتے ہیں، معناہ انه کان ینقل نورہ من ساجد الی ساجد ولهذا التقریر فالا یة دالة علی ان جمیع آباء محمد کانو امسلمین۔ یعنی آیت کے معنی یہ ہیں کہ حضور کا نور ایک سجدہ کرنے والے سے دوسرے سجدہ کرنے والے کی طرف منتقل ہوتا تھا تو اس تقریر کی بنا پر آیت نے اس بات پر دلالت کی کہ نبی کریم ﷺ کے تمام آباء مسلمان تھے۔ حضرت علامہ سیوطی الدرج المنیفۃ میں خاص والدین کریمین کے لئے تصریح کرتے ہیں، انما کانا علی التوحید و دین ابراهیم علیه السلام کما کان علی ذالك طائفة من العرب کزید بن عمر و بن نفیل و قیس بن ساعدة و ورقة بن نوفل و عمیر بن حبیب الجهنی و عمر و بن عتبة۔ یعنی والدین کریمین توحید اور دین ابراہیمی پر تھے جیسے کہ عرب کا ایک گروہ زید بن عمر و بن نفیل ۔ قیس بن ساعدہ۔ ورقه بن نوفل، عمیر بن حبیب الجهنی۔ عمر و بن عتبه تھے۔ **دلیل سوم** :ولسوف یعطیك ربك فترضی۔ یعنی بے شک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں، من رضا محمد ﷺ ان لا یدخل احد من اهل بیته النار۔ (ازالۃ الخفاء ص ۹۳) یعنی رسول اللہ ﷺ کی رضا یہ ہے کہ ان کے اہل بیت سے کوئی دوزخ میں داخل نہ ہو اس سے ثابت ہو گیا کہ جب اللہ تعالیٰ حضور نبی کریم ﷺ کی رضا کا طالب تو ان کے آباء و امھات پھر کیسے اہل نار سے ہو سکتے ہیں۔ نیز احادیث ملاحظہ ہوں۔ مسلم شریف میں باب شفاعة النبی ﷺ لا بی طالب میں حضرت عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے عرض کیا۔ یا رسول الله هل نفعت اباطالب بشئی فا

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نه كان يحوطك و يغضب لك قال ﷺ نعم هو فی ضحضاح من نار ولو لا انا لكان فی الدرك الاسفل من النار۔ یعنی یارسول اللہ ﷺ کیا آپ نے ابوطالب کو کچھ نفع پہنچایا کہ وہ آپ ﷺ کی حفاظت کرتے اور آپ ﷺ کی حمایت میں غضبناک ہوتے تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہاں میں نے نفع پہنچایا کہ وہ ٹخنوں تک آگ میں ہے اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ دوزخ کے نیچے کے طبقے میں ہوتے۔ حدیث مسلم شریف کے اسی باب میں انہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اهون اهل النار عذابا ابو طالب و هو متنعل بنعلين يغلی منهما دماغه۔ (مسلم مع نووی ص ۱۱۵) یعنی دوزخیوں میں سب سے ہلکے عذاب والا ابوطالب ہے کہ وہ آگ کی دو جوتیاں پہنے ہوئے ہے جن سے اس کا دماغ کھولتا ہے۔ ان احادیث سے ثابت ہو گیا کہ دوزخیوں میں سب سے زیادہ ہلکے عذاب والے ابو طالب ہیں اور ظاہر ہے کہ ابوطالب پر سب سے ہلکا عذاب ہونا خود ان کے اعمال کی بنا پر تو ہو نہیں سکتا کہ کافر کے اعمال ہی برباد ہو جاتے ہیں تو پھر ان پر یہ تخفیف عذاب ہمارے نبی ﷺ کی نسبت قرابت اور خدمت وحمایت ہی کی بنا پر تو ہوئی بلکہ حضور کی شفاعت سے ان پر اس قدر ہلکا عذاب ہوا باوجودیکہ انہوں نے زمانہ اسلام پایا۔ انہیں دعوت اسلام دی گئی اور انہوں نے قبول اسلام سے صاف انکار کر دیا۔ اور نبی کریم ﷺ کے والدین کریمین نے تو نہ زمانہ اسلام ہی پایا۔ نہ ان کو دعوت ہی پہنچ سکی۔ پھر ان کو جو نسبت جزئیت حاصل ہے اس کا کوئی خدمت اور قرابت مقابلہ نہیں کر سکتی نیز ان کے حق میں جس قدر شفاعت ہو سکتی تھی وہ کسی اور کے لیے متصور نہیں ہو سکتی۔ پھر اللہ تعالیٰ ان پر جو رعایت وعنایت کرے وہ کسی غیر کیلئے ہو نہیں سکتی کہ اس میں محبوب کا اعزاز و

اکرام تھا۔ تو اگر بقول مخالف یہ اہل نار سے ہوتے تو پھر ابو طالب سے بھی بہت زیادہ ہلکا عذاب ہونا چاہئے تھا۔ لہٰذا اہل نار میں سب سے ہلکے عذاب والے یہی ہوتے اور یہ مسلم شریف کی حدیث کے خلاف ہے کہ اس میں ابو طالب کا عذاب سب سے ہلکا ہونا مذکور ہے۔ اور یہ بات جب ہی متصور ہوسکتی ہے کہ والدین کریمین ہرگز ہرگز اہل نار سے نہیں ہوئے بلکہ بلا شبہ اہل جنت سے ہیں۔ حدیث حاکم نے بسند حاکم نے بسند صحیح حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی، انہ ﷺ سئل عن ابويه فقال ما سألتهما ربي فيعطيني فيهما و انى نقائم المقام المحمود۔ (المقامة السندسيه للسيوطى ص ٨) یعنی حضور ﷺ سے آپ کے والدین کے بارے میں سوال ہوا تو فرمایا میں نے ان کے لیے اپنے رب سے جو کچھ طلب کیا تو اس نے ان کے حق میں مجھے عطا فرمایا بیشک میں مقام محمود پر قام ہونگا۔ حدیث ابو سعید نے شرف النبوۃ میں اور حافظ محب الدین طبری نے ذخائر العقبیٰ میں ابو القاسم نے اپنی امالی میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، سألت ربى ان لا يدخل احد من اهل بيتى النار فاعطانيها۔ (جامع صغير مصرى ج ١ ص ٢٤) یعنی میں نے اپنے رب سے یہ سوال کیا کہ میرے اہل بیت سے کوئی دوزخ میں داخل نہ ہو تو اس نے مجھے یہ بات عطا فرمادی۔ بالجملہ اس قدر آیات و احادیث سے آفتاب سے زیادہ روشن طور پر ثابت ہو گیا کہ نبی ﷺ کے والدین کریمین ہرگز ہرگز کافر و مشرک نہیں تھے۔ بلکہ بلا شک مومن و موحد تھے اور بلا شبہ اہل جنت تھے۔ اور ان کی وفات بھی اسی ایمان و توحید پر ہوئی۔ علامہ سیوطی السبل الجلیہ میں فرماتے ہیں، قد ماتا فى حداثة السن فان والده رضى الله عنه صحح الحافظ الصلاح الدين العلا

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ئی انه عاش من العمر نهو ثمان عشره سنة ووانده ما تت فی حدود العشرين تقريبا و مثل هذا العمر لا يسع الفحص عن المطلوب فی ذالك الزمان وحكم من لا تبلغه الدعوة انه يموت ناجيا ولا يعذب و يد خل الجنة۔ یعنی والدین کریمین نے نوعمری میں وفات پائی اور حافظ صلاح الدین علائی نے اس کی تصحیح کی کہ حضور ﷺ کے والد اٹھارہ سال کی عمر تک زندہ رہے اور آپ کی والدہ نے تقریباً بیس سال میں وفات پائی اور اس جیسی عمر والا اس جیسی نوعمری کے زمانہ میں کسی مقصد کی تلاش کی وسعت نہیں رکھتا تو جس کو دعوت نہ پہنچے اس کا حکم یہ ہے کہ وہ بیشک ناجی ہو کر مرے گا اور عذاب نہ دیا جائے گا اور جنت میں داخل ہو گا۔ یہی علامہ التعظیم والمنہ میں فرماتے ہیں، انا ندعی انهما كانا من اول امر هما على الحنفية دين ابراهيم عليه السلام و انهما لم يعبدا صنما قط (التعظيم والمنه ص ٤٠) بے شک ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ والدین کریمین اپنی ابتدا ہی سے دین ابراہمی پر تھے اور بے شک ان دونوں نے بت کی کبھی عبادت نہیں کی۔ ردالمختار میں ہے، واما الاستدلال على نجاتهما بانهما ما تا فی زمن الفترة فهو منبی على اصول الاشاعرة ان من مات و لم تبلغه الدعوة يموت نا جيا و اما الماتريد ية فان مات قبل مضی مدة يمكنه فيها التامل و لم يعتقد ايمانا و لا كفرا فلا عقا ب عليه۔

پھر چند سطر کے بعد ہے، فالظن فی كرم الله تعالیٰ ان يكون ابواه ﷺ من اهد هذين القسمين بل قيل ان اباه ﷺ كلهم مو حد ين۔ (ردالمختار مصری ج ٢ ص ٣٩٦) حاصل کلام یہ ہے کہ حضور ﷺ کے والدین کریمین کی وفات توحید پر ہوئی اور ان سے کفر و شرک

الصلوٰۃ والسلام علیک یا حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ثابت ہی نہیں ہوسکا تو انہوں نے ناجی ہوکر وفات پائی تو ان پر نہ کسی طرح کا عذاب اور وہ بلا شبہ جنتی ہیں۔عبارت فقہ اکبر وشرح فقہ اکبر امام مذکور کی پیش کردہ عبارات فقہ اکبر مصر کے مطبوعہ فقہ اکبر میں ہے نہ دائرۃ المعارف حیدآباد کے مطبوعہ فقہ اکبر میں ہے۔

نیز امام اہل سنت علامہ بومنصور ماتریدی کی شرح فقہ اکبر میں نہیں ہے نہ اس کی شرح میں کہیں اس مضمون کا ذکر نہیں۔خود انہیں علی قاری کی شرح فقہ اکبر مصری میں دیکھ لیجئے نہ اس میں یہ عبارت فقہ اکبر ہے اور نہ یہ عبارت شرح فقہ اکبر ہے تو ثابت ہوگیا کہ شرح فقہ اکبر مطبوعہ لاہور میں یہ تحریف ہے۔اور محرف کتاب قابل حجت نہیں۔باقی رہا علامہ علی قاری کا خود اس بارے میں کیا مسلک تھا تو پہلے ان کا یہی مسلک تھا جو امام مذکور کا مسلک ہے اور اسمیں انہوں ے نے ایک رسالہ بھی تصنیف کیا پھر انہیں علامہ علی قاری نے اس مسلک سے رجوع کیا ہے چنانچہ علامہ مذکور شرح شفا شریف میں فرماتے ہیں،ابو طالب لم یصح اسلامه و اما اسلام ابو یه ففیه اقوال و الا صح اسلامهما علی ما اتفق علیه الا جلّة من الامة کما بینه السیوطی فی رسائله الثلاث۔ (آخر فصل معجزاته تفجیر الماء برکة شرح شفاء مصری ج ۱ ص ۶۰۱) یعنی ابوطالب کا اسلام لانا صحیح نہیں۔لیکن حضور کے والدین کے اسلام لانے میں کئی قول ہیں زیادہ صحیح قول یہی ہے کہ ان دونوں کا مسلمان ہونا ثابت ہے۔اس پر اجلۂ امت کا اتفاق ہے جیسا کہ اس کو علامہ سیوطی نے اپنے تین رسالوں میں بیان کی) پھر انہیں علامہ علی قاری نے حدیث احیاء ابوین کو بھی صحیح ٹھہرایا اور جمہور کے نزدیک اس کو مطابق واقع بتایا۔چنانچہ اس شرح شفاء جلد اول کی فصل احیاء موتی میں یہ تصریح کی،و اما ما ذکروا من احیائه علیه الصلوة

والسلام ابویه فالا صح انه وقع علی ما علیه الجمهور الثقات کما قال السیوطی فی رسائله الثلاث (شرح شفا مصری ص٦٤٨) یعنی حضور کے والدین کے زندہ کرنے کا محدثین نے ذکر کیا تو زیادہ صحیح قول یہی ہے۔

ایسا واقع ہوا اور اسی پر جمہور ثقہ راوی وعلماء ہیں جیسے کہ علامہ سیوطی نے اپنے تین رسائل میں ذکر کیا ان عبارات سے ثابت ہوگیا کہ علامہ علی قاری نے والدین کریمین کے اسلام کے قول کو زیادہ صحیح قرار دیا اور اس پر اجلۂ امت کا اتفاق ثابت کیا یہاں تک کہ ان کے حق میں حدیث احیاء کو صحیح ٹھہرایا اور جمہور ثقہ کے نزدیک اس کو مطابق واقع مانا تو یہ ان علامہ کا اپنے پہلے مسلک سے رجوع ہی تو ہوا تو اس امام مذکور کا ان کے پہلے قول کی عبارت کو حجت لانا فریب ہے لہٰذا شرح فقہ اکبر کی عبارت سے اس کا استدلال کرنا غلط اور باطل قرار پایا۔

حضرت ملا علی قاری نے توبہ کی اور اپنے اس عقیدے سے رجوع کیا۔ دیکھئے حاشیہ نبراس علی شرح العقائد ص٥٢٦۔ علی بن السلطان القاری فقد اخطاء وزل لا یلیق ذالك له و نقل توبته عن ذالك فی قول المستحسن علی بن سلطان المعروف ملا علی قاری نے اس مسئلہ سے خطا کھائی اور راہ راست سے پھسل گیا اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا اور قول مستحسن میں اس عقیدے سے توبہ کرلی۔

☆ جوابات احادیث ☆

جواب اول سوال میں جن کتابوں کی احادیث کا ذکر کرتا ہے وہ صحیح ہے لیکن حدیث صحیح کا جب کوئی معارض ہو تو پھر وہ قابل عمل نہیں ہوتی۔ چنانچہ سیوطی مسالک الحنفاء میں فرماتے

ہیں، لیس کل حدیث فی صحیح مسلم یقال بمقتضاہ لو جود المعارض له۔ جیسے صحیح حدیث بخاری و مسلم ہے کہ جب کتا کسی برتن کو چاٹ لے تو اس کو سات بار دھویا جائے لیکن ہمارا عمل اس پر نہیں اسی طرح کثیر احادیث مسلم و بخاری میں ہیں جن کی معارض احادیث موجود ہیں تو معارض پر عمل کیا جاتا ہے اور مسلم و بخاری کی احادیث پر عمل نہیں کیا جاتا۔ تو جب اس حدیث کا معارض موجود ہے تو یہ حدیث مسلم قابل عمل نہ رہی اور معارض کا ذکر آگے آتا ہے۔

جواب دوم یہ حدیث مسلم منسوخ ہے۔ چنانچہ علامہ سیوطی فرماتے ہیں، اما بو الا حادیث اللتی بعضها فی صحیح مسلم بانها منسوخة بالا دلة اللتی بنوا علیها قاعدة شکر المنعم و قد اور دوا علی ذالك من التنزیل اصولا منها۔ قوله تعالیٰ وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا۔ ثم استدل بالا یات السبعة۔ (از المقامة السندسیه ص۷) اسی میں ہے، اما قول المنکر انه وردت احادیث کثیرة فی عذابهما فقذ وقفت علیها باسرها۔ و بالغت فی جمعها و حصرها۔ و اکثر ها ما بین ضعیف و معلول و الصحیح منها منسوخ بما تقدم من النقول۔ او معارض فیطلب التر جیح علی ما تقرر فی الاصول۔(المقامة السندسیه ص ۱۷) انہیں علامہ سیوطی نے السبل الجلیة فی الاباء الطیبة میں فرمایا، فالصواب عن الاحادیث الوار دة فی الابوین بما یخالف ذلك انهما و ردت قبل ورود الایات المشار الیها فیما تقدم دوسطر کے بعد میں ہے، قال بعض الائمة المالکیة فی الجواب عن تلك الاحادیث الواردة فی الابوین انها اخبارا حا د فلا تعارض القاطع وهو قوله تعالیٰ وما کنا معذبین حتی

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نبعث رسولا و نحو ھامن الایات فی معنا ھا۔ (السبل الجلیہ ص ۷) ان عبارات سے ثابت ہو گیا کہ حدیث مسلم منسوخ ہے اور جب یہ منسوخ ہے تو پھر اسے امام مذکور کا استدلال کرنا سخت جہالت و نادانی ہے۔

جواب سوم اس حدیث مسلم میں حضرت آمنہ کا ذکر ہے اور ان کی وفات توحید و ایمان پر ہوئی ہے۔ علامہ سیوطی التعظیم والمنہ میں فرماتے ہیں، و قد ظفرت باثر یدل علی انھا ماتت وھی موحدۃ اخرج ابو نعیم فی دلائل النبوۃ من طریق الزھری عن ام سماعۃ بنت ابی رھم عن امھا قالت شھدت آمنہ ام رسول اللہ ﷺ فی علتھا التی ماتت فیھا و محمد ﷺ غلام یقع لہ خمس سنین عند راسھا فنظرت الی وجھہ ثم قالت،

با رک اللہ فیک من غلام	یا ابن الذی من حومۃ الحمام
نجا بعون الملک المنعام	فودی عذاۃ الضرب باسھا
بمائۃ من اھل سوام	ان صح ما ابصرت فی المنام
فانت مبعوث الی الانام	من عند ذی الجلال و الاکرام
تبعث فی الحل و فی الحرم	تبعث بالتحقیق و الاسلام
دین ابیک البرابر اھام	فاللہ انھاک عن الاصنام

ھذا القول من ام النبی ﷺ صریح فی انھا موحدۃ اذ ذکر دین ابراھیم و بعث ابنھا ﷺ والہ و سلم بالاسلام۔ من عند ذی الجلال و الاکرام ۔ و نھیہ عن عبادۃ الا

صنام۔ و هل التوحید شئی غیر هذا التوحید الا عتراف بالله والوهیته و انه لا شریك له والبرأة من عبادة الاصنام و نحوها و هذا القدر کاف فی التنزیه من الکفر لثبوت صفه التوحید فی الجاهلیة قبل البعث و انما یشترط قدر زائد علی هذا بعد البعثة۔ (التعظیم اوالمنه ص ١٩)

اس حدیث مسلم کے خلاف خود حضرت آمنہؓ کا یہ صریح قول موجود ہے۔ جس میں دین ابراہیمی حضور کی اسلام پر بعثت۔ بتوں کی عبادت سے ممانعت کا صاف ذکر ہے تو یہ توحید کا اقرار۔ کفر اور عبادت اصنام سے بیزاری وانکار ہے تو ان کی وفات توحید وایمان پر ہوئی۔ لہٰذا حدیث مسلم قابل تاویل ہے۔

جواب چہارم اس حدیث مسلم میں یہ فرمایا گیا کہ حضور نبی کریم علیہ ﷺ کو حضرت آمنہؓ کے حق میں استغفار کا اذن نہیں ملا تو اس سے ان پر کفر لازم نہیں آتا کہ ممکن ہے کہ اہل فترت کے حق میں استغفار ابتدائے اسلام میں ممنوع تھا پھر اس کی اجازت ہوئی۔ چنانچہ سیوطی التعظیم والمنہ میں فرماتے ہیں۔ واما حدث عدم الاذن فی الاستغفار فلا یلزم من الکفر بدلیل انه ﷺ کان ممنوعا فی اول الاسلام من الصلوة علی من علیه دین لم یترك له و فاء و من الاستغفار له هو من المسلمین۔ (التعظیم والمنه ص ٢١) اس عبارت سے ظاہر ہو گیا کہ حضرت آمنہ کے لیے استغفار کا اذن نہ ملنے کو دلیل کفر قرار دینا غلط و باطل ہے۔ تو امام مذکور کا استدلال حدیث مسلم سے غلط و باطل ثابت ہوا۔ حدیث دوم جس کو نہ فقط ابن ماجہ بلکہ مسلم شریف نے روایت کیا روایت مسلم کے الفاظ یہ ہیں، حدثنا ابو بکر نا شیبة قال نا حما

دو سلمة عن ثابت عن انس ان رجلا قال یا رسول الله دین ابی قال فی النار قال فلما قفی دعاه فقال ان ابی وایاك فی النار (مسلم مع نووی ج ۱ ص ۱۱٤)

ترجمہ: ہمیں حدیث بیان کی ابوبکر بن ابی شیبہ نے انہوں نے کہا ہمیں حدیث بیان کی حماد بن سلمہ نے وہ روایت کرتے ہیں ثابت سے وہ روایت کرتے ہیں حضرت انس سے کہ ایک شخص نے عرض کہ یا رسول اللہ ﷺ میرے باپ کہاں ہیں۔ فرمایا دوزخ میں پھر جب وہ شخص واپس ہوا تو حضور ﷺ نے اس کو بلا کر فرمایا بیشک میرے باپ اور تیرے باپ دوزخ میں ہیں) اس حدیث کو امام مذکور نے اپنے استدلال میں پیش کر کے یہ ثابت کیا کہ حضور ﷺ کے والد دوزخ میں ہیں اس کے بھی چند جوابات دیتا ہوں۔

﴿۱۶﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹیوں کی تعداد کتنی ہے؟ وضاحت قرآن و حدیث سے فرمائیں۔ بینوا توجروا۔   سائل ملک جاوید اقبال طرہ باز ٹاؤن میانوالی

الجواب: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ۲۵ برس کی عمر میں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی ہوئی اور بعثت سے قبل سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے آپ کی تین بیٹیاں زینب، رقیہ، ام کلثوم رضی اللہ عنھن پیدا ہوئیں، اور بعثت کے بعد سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں۔ سیدہ زینبؓ کا نکاح آپ نے ابوالعاصؓ سے کیا۔ رقیہؓ اور ام کلثومؓ کا نکاح بالترتیب آپ ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کیا۔ تیسری صدی ہجری تک کسی بھی شخص نے آپ ﷺ کی مذکورہ بالا چاروں بیٹیوں میں سے کسی ایک کا بھی انکار نہیں کیا اور فریقین کی معتبر کتب میں ان بنات

کا تذکرہ موجود ہے۔ چوتھی صدی ہجری میں ایک غالی شیعہ ابوالقاسم علی بن احمد بن موسیٰ التوفی ۳۵۲ھ نے اپنی بدنام زمانہ کتاب ''الاستغاثہ فی بدع الثلاثہ'' میں اس بات کا انکار کیا اور کہا کہ یہ آپ ﷺ کی حقیقی بیٹیاں نہیں تھیں۔ بلکہ ربیبہ بیٹیاں تھیں۔ یعنی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پہلے خاوند سے تھیں۔ لیکن یہ بات درست نہیں ہے۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح عتیق بن عائذ مخزومی سے ہوا اور اس ایک لڑکی ہندہ پیدا ہوئیں۔ پھر اس کے بعد دوسرا نکاح ابو ہالہ تمیمی سے ہوا جس سے ایک لڑکا ھند اور ایک لڑکی ہالہ پیدا ہوئیں اور اس کے بعد پھر آپ ﷺ کے نکاح میں آئیں۔ آپ سے حضرت خدیجہ کی چار بیٹیاں زینب، رقیہ، ام کلثوم اور فاطمہ رضی اللہ عنھن پیدا ہوئیں۔ نسب کی یہ تفصیل کتاب نسب قریش ص ۳۳، ص ۲۲۸ کشف الغمہ فی معرفتہ الائمہ عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب اور جمرۃ الانساب وغیرہ میں موجود ہے۔ اس سے معلوم ہوا سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی اپنے پہلی خاوندوں سے زینب، رقیہ اور ام کلثوم نامی کوئی بیٹی نہیں۔ یہ شیعہ کا دجل و تلبیس ہے۔ لیکن شیعہ محدثین میں سے مشہور شیعہ عبداللہ مامقانی نے اپنی کتاب ''تنقیح المقال'' ص ۷۹ پر ابوالقاسم کوفی کی اس بات کا رد کیا ہے۔ تنقیح المقال شیعہ کے رجال پر بڑی معروف کتاب ہے) چنانچہ عبداللہ مامقانی شیعہ نے ص ۷۹ پر لکھا ہے، ابوالقاسم کوفی کا ''الاستغاثہ فی بدع الثلاثہ'' میں یہ قول کہ زینب اور رقیہ آپ ﷺ کی بیٹیاں نہیں تھیں بلکہ ربیبہ تھیں۔ قول بلا دلیل ہے۔ یہ ابوالقاسم کی اپنی رائے محض ہے۔ جس کی حیثیت نصوص کے مقابلہ میں مکڑی کے جالے کے برابر بھی نہیں۔ کتب فریقین میں رسول اللہ ﷺ کی چار بیٹیوں پر نصوص موجود ہیں اور شیعوں کے پاس اپنے آئمہ کے اقوال موجود ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی چار بیٹیاں تھیں۔ یہ

بات بھی یاد رہے کہ اکثر علمائے شیعہ نے ابوالقاسم شیعہ کی ھفوات پر نقد کیا ہے بلکہ اسے بے دین قرار دیا ہے۔ جیسا کہ معروف شیعہ عالم شیخ عباس قمی نے "تتمۃ المنتہی ص ۲۹ پر لکھا ہے،" ابوالقاسم کوفی علی بن احمد بن موسی وفات یافت واودر آخر عمر مذہبش فاس شدہ بود وکتابہا بسیار تالیف کرد ہم از کتابہائے ابوالقاسم کوفی کتاب الاستغاثہ است" ابوالقاسم کوفی فوت ہوا تو آخر عمر میں اس کا مذہب فاسد ہو گیا تھا۔ اور اس نے کئی کتابیں تحریر کیں ہیں۔ اس کی کتابوں میں سے ایک کتاب الاستغاثہ بھی ہے۔ اس طرح شیعہ عالم آقا میر نے نقد الرجال ص ۲۲۶ پر لکھا ہے، ابو القاسم کوفی رجل من اهل الكوفته كان يقول من ا ل ابى طالب و غلا فى اخر عمره وفسد مذهبه و صنف كتبًا كثيرة اكثر ها على الفساد۔ اس سے معلوم ہوا کہ ابوالقاسم کوفی جو غالی شیعہ تھا اور کئی فساد پر مبنی کتابوں کا مصنف تھا اس نے سب سے پہلے بنات الرسول ﷺ کا انکار کیا۔ پھر اس کی پیروی میں بعد والے شیعوں نے انکار کیا۔ حالانکہ قرآن مجید کتب احادیث اور فریقین کی کتب سے یہ بات تواتر کی حد تک ثابت ہے کہ آپ ﷺ کی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے چار بیٹیاں تولد ہوئیں۔ اب نصوص ملاحظہ کریں۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، يا ايها النبى قل لا زواجك و بنأتك و نساء المومنين يد نين عليهن من جلا بيبهن و ذ لك ادنى ان يعرضن فلايئو ذين و كان الله غفوراً رحيما ۔ (احزاب ۵۹) اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بیویوں اور اپنی بیٹیوں اور مومنوں کی عورتوں سے کہہ دیں کہ وہ اپنے اوپر اپنی بڑی چادریں لٹکا لیا کریں یہ کم تر ہے کہ وہ

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

پہچانی جائیں۔ پس وہ ایذا نہ دی جائیں اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

اس آیت کریمہ میں لفظ ازواج، زوجہ کی بنات بنت کی اور نساء امراۃ کی جمع ہے اور جمع کا طلاق کم ازکم تین پر ہوتا ہے اور اس آیت سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ آپ ﷺ کی بیٹیاں تین سے زائد تھیں اور فریقین کی کتب سے اس بات کی تعیین ہو جاتی ہے کہ آپ کی بیٹیوں کی تعداد چار ہے۔ قرآن کی اس آیت میں پردے کے احکام بیان کئے جا رہے ہیں اور احکام شرعیہ کا مکلف بالغ ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نزول آیت کے وقت آپ کی تین سے زائد بالغ بیٹیاں موجود تھیں۔ جنہیں پردے کا حکم دیا گیا ہے۔ اہل سنت کے ہاں تو یہ بات متفقہ ہے کہ آپ ﷺ کی چار بیٹیاں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھیں۔ اس لیے کتب اہل سنت کے حوالے نقل کرنے کی چنداں ضرورت نہیں جو لوگ اس بات کے منکر ہیں ہم ان کی معتبر کتابوں کے حوالوں پر اکتفا کرتے ہیں،

۱۔　عبداللہ مامقانی شیعہ نے اپنی کتاب " تنقیح المقال فی احوالہ الرجال ص ۷۷ طبع نجف میں لکھا ہے، ان کتب الفریقین مشحونتہ بانها ولدت للنبی صلی اللہ علیہ وسلم اربع بنات زینب و ام کلثوم و فاطمہ و رقیہ۔ و بناتہ ادرکن الالسلام وھا جرن معہ واتبعنہ۔ بے شک فریقین کی کتب اس بات سے بھری پڑی ہیں کہ آپ ﷺ کی سیدہ خدیجہؓ سے چار بیٹیاں زینب، ام کلثوم، فاطمہ اور رقیہ پیدا ہوئیں اور انہوں نے اسلام کو پایا اور آپ ﷺ کے ساتھ ہجرت کی اور آپ کی پیروی کی۔　۲۔　مشہور شیعہ محدث محمد بن یعقوب کلینی نے اصول کافی باب التاریخ ص ۲۷۸ پر لکھا ہے، و تزوج خدیجہ وھو ابن بضع و عشرین سنتہ فولد لہ منها قبل مبعثہ القاسم و رقیہ و زینب و ام کلثوم

وولد له بعد المبعث الطيب و الطاهر والفاطمه۔ آپ ﷺ نے ۲۵ برس کی عمر میں خدیجہؓ سے شادی کی اور خدیجہؓ سے بعثت سے پہلے آپ کے ایک بیٹا قاسم اور تین بیٹیاں رقیہ، زینب اور ام کلثوم پیدا ہوئیں اور بعثت کے بعد طیب وطاہر اور فاطمہ پیدا ہوئیں۔

۳۔ شیخ صدوق نے اپنی کتاب خصال ج ۲ ص ۱۶۸ پر لکھا ہے، و قال رسول الله صلی الله عليه وسلم يا حميرا فان الله تعالیٰ بار كفى الولود فان خديجه حمها الله ولدت منى طاهرا و هو عبدا لله وهوا المطهر ولدت منى القاسم و فاطمه و رقيه و ام كلثو م و زينب۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے حمیرا (عائشہؓ) بیشک اللہ تعالیٰ نے بچے دینے والی میں برکت رکھی ہے۔ خدیجہ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے طاہر کو جنم دیا اور وہ عبداللہ اور مطہر ہے۔ اور اس نے مجھ سے قاسم، فاطمہ، رقیہ، ام کلثوم اور زینب کو جنم دیا۔ اس حوالہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ خود اپنی چار بیٹیوں کا اقرار کرر رہے ہیں، جو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہیں۔

٤۔ مناقب ابن شهر اشوب ج١ ص ١٦١ ، واولاد وصلى الله عليه وسلم من خديجه القاسم و عبد الله وهما الطاهر و الطيب و اربع بنات زينب و رقيه و ام كلثوم و فاطمه۔ آپ ﷺ کی خدیجہ سے اولاد قاسمؓ اور عبداللہؓ تھی اور وہ دونوں طاہر وطیب تھے اور چار بیٹیاں زینبؓ، رقیہؓ، ام کلثومؓ اور فاطمہؓ تھیں۔

۵۔ تذکرۃ المعصومین ص ٦ میں ہے، تزوج خديجه وهو ابن بضع و عشرين سنته فولدت له قبل مبعثه رقيه وام كلثوم و زينب رضى الله عنها۔ جب رسول ﷺ کی عمر ۲۰

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

برس سے کچھ زائد تھی تو آپ نے خدیجہ رضی اللہ عنھا سے نکاح کی اور بعثت سے پہلے خدیجہؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تین بیٹیاں رقیہ ام کلثوم اور زینب رضی اللہ عنھن تھیں۔

۶۔شیعہ کی معروف ترین کتاب تحفۃ العوام ص ۱۱۶ پر ہے، اللھم صلی علی رقیہ بنت نبیك والعن من اذی نبیك فیھا اللھم صلی علی ام کلثوم و بنت نبیك والعن من اذی نبیك فیھا۔ اے اللہ اپنے نبی ﷺ کی بیٹی رقیہؓ پر رحمت نازل فرما اور جس نے تیرے نبی کو اس کے بارے میں تکلیف دی۔ اس کو لعنت کر۔ اے اللہ اپنے نبی ﷺ کی بیٹی ام کلثومؓ پر رحمت نازل فرما اور جس نے تیرے نبی ﷺ کو اس کے بارے میں تکلیف دی اس پر لعنت کر۔ اس کے علاوہ شیعہ مذہب کی معتبر کتب حیات القلوب جلد دوم ص ۱۰۲۷، جلاء العیون ص ۱۷۵، تہذیب الاحکام الاستبصار، مراۃ العقول، فروع کافی، صافی شرح کافی، کشف الغمہ، قرب الاسناد، مجالس المومنین، اعلام الوری، منتخب التوارخ ص ۲۴، مناقب ال ابی طالب، امالی شیخ طوسی صفحہ ۳۸ رجال کشی، اور انوار نعمانیہ جلد اول صفحہ ۳۶۶ وغیرہ میں رسول اللہ ﷺ کی سیدہ خدیجہؓ سے چار بیٹیوں کا ذکر موجود ہے۔

﴿۱۷﴾ فتـــوی شـــرعـــی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کیا حضرات انبیاء اور اولیاء سے مدد مانگنا شرک ہے؟۔ سائل نصیر خان مظفر گڑھ

الـجـواب: انبیاء واولیاء کی استمداد سے وسیلہ مراد ہے اور وسیلہ مراد لیکر مدد مانگنے کا محاورۃ قرآن وحدیث میں بکثرت ہے ﴿**قرآنی آیات**☆ یا یھا الذین امنو استعینو ا بالصبر والصلوۃ ☆ وتعاونو اعلی البر و التقوی ولا تعاونو اعلی الاثم والعدوان ☆ من انصاری الی اللہ قال الحواریون نحن انصار اللہ ☆ یایھا الذین امنو ا

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کونوا انصار اللہ☆ان تنصر اللہ ینصرکم☆والمؤمنون والمؤمنات بعضھم اولیاء☆فان اللہ ھو مولہ وجبریل و صالح المؤمنین والملیئکۃ بعد ذلک ظھیر☆اعینونی بقوۃ

☆نحن اولیاء کم فی الحیوۃ الدنیا و فی الاخرۃ۔

﴿احادیث مبارکہ﴾ حضور اکرم ﷺ نے بھی بندگان خدا سے وسیلہ سمجھ کر مدد چاہیے کی تصریح فرمائی (۱) ان للہ عباداً تعالیٰ عبادا اختصھم بحوائج الناس۔ اللہ تعالیٰ کے یہ بندے حاجت مندوں کی حاجت روائی کے لیے خاص ہیں ان کا کام ہی لوگوں کی حاجتیں پوری کرنا ہے۔

(۲) اطلبوا الحوائج عند حسان الوجوہ النبی یا محمد انی اتوجہ بک الی ربی لتقضی لی حاجتی (۳) تفسیر کبیر میں ان لفظوں سے ہے اعینونی یا عباداللہ یرحمکم اللہ (٤) بھم ترزقون و بھم تمطرون و بھم ترحمون و بھم تنظرون (٥) قال سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنھما یا محمد (٦) کانت عادۃ اصحاب النبی ﷺ اذا اشتدت بھم الحروب نادوا یا محمداہ یا رسول اللہ یا نصر اللہ انزل امت الکفار۔ مذکورہ بالا آیات واحادیث میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق سے مدد مانگنے کا ثبوت ہے اور ہمارے اسلاف صالحین رحمھم اللہ بھی یہی مراد لیتے ہیں چنانچہ چند عبارات حاضر ہین۔ (۱) حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ احیاء العوم میں فرماتے ہیں من یستمد فی حیاتہ یستمد بعد وفاتہ یعنی جس سے زندگی میں مدد مانگنا جائز ہے اس سے بعد وفات بھی جائز ہے (۲) حضرت شیخ

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں امام غزالی گفتہ ہرکہ استمداد کردہ شودبوئے درحیات استمداد کردہ میشود بوئے بعد از وفات یکے از مشائخ گفتہ دیدم چہار کس را از مشائخ کہ تصرف می کنند در قبور خود مانند تصرفہائے ایشاں درحیات خود یا بیشتر یعنی زندگی میں جس سے مدد مانگی جاتی ہے اس سے بعد وفات بھی مدد مانگی جائے جائز ہے ایک بزرگ نے فرمایا کہ چار بزرگوں کو ہم نے دیکھا کہ وہ حضرات اپنی قبروں میں بھی وہی عمل درآمد کرتے ہیں جو کہ اپنی زندگی میں کرتے تھے اس سے بھی زیادہ تصرف کرتے ہیں۔ (۳)

حضرتِ عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

اولیاء راہست قدرت از الہ۔ تیر جستہ باز گرد انند زراہ۔

(۴) جناب قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی اپنی کتاب تذکرۃ الموتی و القبور مطبوعہ نظامی کانپور ص ۳۶ میں اور تفسیر مظہری جلد اول صفحہ ۵۷ امیں لکھتے ہیں وارواح ایشاں از زمین و آسمان وبہشت ہرجا کہ خواہند میرو ندودوستان و معتقدان رادردنیا و آخرت مدد گارمی فرمایند ودشمناں راھلاک می سازند

یعنی اولیائے کرام کی ارواح مبارکہ زمین وآسمان و جنت میں جہاں چاہتی ہیں جاتی اور اپنے خدام وغلام ومریدوں کی دنیا وآخرت میں مدد فرماتی ہیں اور دشمنوں کو ہلاک کرتی ہیں۔ (۵) جناب شاہ ولی اللہ صاحب فیوض الحرمین میں لکھتے ہیں کہ اذاانتقلو االی البرزخ کانت تلک الاوضاع والعادات والعلوم معھم لا تفارقھم یعنی حضرات اولیائے کرام

جب دنیا سے برزخ کو منتقل ہوتے ہیں تو ان کی یہ دنیوی شان اور تصرف کی قوتیں اور مدد کرنے کی عادتیں اور علوم وکمالات سب ان کے ساتھ باقی رہتے ہیں یہ صفتیں ان سے جدا نہیں ہوتیں۔

(٦) شاہ صاحب لکھتے ہیں اذامات هذا البارع لا يفقد هو ولا براعته بل ذلك بحاله یعنی جب بندہ کامل انتقال کرتا ہے تو وہ گم نہیں ہوتا اور نہ اس کے کمالات گم ہوتے ہیں بلکہ وہ اور اس کے کمالات بدستور ویسے ہی باقی رہتے ہیں جیسے دنیا میں تھے (٧) قال الصوفية احسادنا ارواحنا قدتواتر عنكثير من الاولياء انهم ينصرون اولياء هم ويدمرون اعداء هم ويهدون الى الله تعالى من يشاء الله تعالى وقدذكر المجددرحمة الله تعالى ان ارباب كمالات النبوة بالوراثة هم الصديقون والمقربون فى لسان الشرع فيعطيهم الله تعالى وجوداموهوبا۔

یعنی حضرات اولیاء کرام نے ارشاد فرمایا ہماری روحیں ہمارے جسم ہوگئیں اور ہمارے جسم کثافت بدنی دور کر کے ہماری روح بن گئے اور یقیناً تواتر کے ساتھ بے شمار حضرات اولیاء کرام سے ثابت ہے کہ اولیائے کرام اپنے دوستوں نیازمندوں کی مدد کرتے ہیں اور دشمنوں کو ہلاک وتباہ کرتے ہیں اور کافروں کو اسلام کی ہدایت کرتے۔ تبلیغ اسلام میں حصہ لیتے ہیں اور حضرات صدیقین اور مقربین کو اللہ تعالیٰ نے اس خاص وجود عطا فرمایا ہے۔ (٨) قاضی صاحب کے شیخ ومرشد حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ ہر تعویذ کے آخر میں یہ عبارت لکھا کرتے یا حضرت مجدد صاحب رضى الله تعالى عنه صاحب ا ين حرزدرضمن توسپردم معمولات مظہریہ ص ٨٦ اور مقامات مظہریہ۔ (٩) مولوی اسمٰعیل

الصلاۃ والسلام علیک یا سیدی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

دہلوی صراط مستقیم ص ۱۰۱ میں لکھا چنانکہ اصحاب این مراتب عالیہ و راباب این مناصب رفیعہ ماذون مطلق در تصرف عالم مثال و شہادت می باشند این کبار اولی الایدی والا بصار را میرسد کہ تمامی کلیات رابسوئے خود نسبت نمایند مثلاً ایشاں رامیرسد کہ گویند کہ از فرش تا عرش سلطنت ما است یعنی ان بلند و بالا مراتب و مناصب والے اولیائے کرام عالم شہادت کو یہ حق ہے کہ تمام کلیات کو اپنی طرف نسبت دیں۔

فائدہ درج کردہ قرآنی آیات احادیث رسول ﷺ اور علماء کرام کی عبارات سے واضح ہوا کہ اولیاء کرام کو تصرف عام ہے اور ان سے مدد مانگنا جائز ہے۔

﴿۱۸﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر بعض لوگ لعنت کرتے ہیں کیا یہ صحیح ہے؟۔ اس کی وجہ بتاتے ہیں کہ انہوں نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ لڑی اس کا صحیح جواب لکھئے۔

الجواب: حضور علامہ تفتازانی قدس سرہ لکھتے ہیں لا یجوز اللعن علی المعاویۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لان علیا صالح معہ وفیہ ان الحسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما صالح معہ ولو کانا مستحقا اللعن لکان لا یجوز الصلح معہ یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر لعن جائز نہیں کیوں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صلح کر لی تھی اور اسی حاشیہ میں ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی آپ سے مصالحت فرمائی تھی اور اگر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لعن کے مستحق ہوتے تو البتہ ان کے ساتھ صلح جائز نہ تھی اور

فرمایاوفی الانوار لا یجوز الطعن فی المعاویة لانه من کبارالصحابة رضی الله تعالیٰ عنه حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں طعن جائز نہیں کیوں کہ وہ کبائر صحابہ میں سے ہیں اور علامہ نووی شارح مسلم رقمطراز ہیں واما معاویه رضی الله تعالیٰ عنه فهو من العدول الفضلاء والصحابة النجباء (نووی شرح مسلم جلد۲ ص ۲۸۲ و تمته مظاهر حق ج ٤ ص ٥٢) یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فضلاء عادلین اور صحابہ اخیار میں سے ہیں اور صاحب تاریخ الخلفاء چند واقعات نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے چونکہ ارشاد فرمایا ہے کہ جب ہمارے اصحاب کا ذکر کیا جائے تو خاموش ہو جاؤ اس لیے مجال دم زدنی نہیں۔ بہر کیف اگر ذاتی عداوت ان باہمی لڑائیوں کا سبب ہوتی تو صلح مشکل تھی۔ بلکہ اہلسنت و جماعت کا یہ عقیدہ ہے جیسا کہ علامہ نووی اور علامہ نسفی تحریر فرماتے ہیں۔

واما الحروب التی جرت بین الصحابة فکانت لکل طائفة شبهة اعتقدت تصریب انفسها وکلهم عدول و متاولون فی حروبهم و غیرها ولم یخرج شیء من ذالك احدا من العدالة لانهم مجتهدون اختلفوا فی مسائل من محل الاجتهاد کما یختلف المجتهدون بعدهم فی مسائل و غیرها ولم یلزم من ذالك نقص احد منهم (نووی ج ۳ ص ۲۸۲ مظاهر حق ص ٨٦) اور بہر حال وہ لڑائیاں جو مابین صحابہ واقع ہوئیں پس ہر گروہ کے لیے شبہ تھا جس کے سبب سے ہر شخص نے اپنے کو حق پر سمجھا اور سب کے سب عادل ہیں۔ اور

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اپنے حروب وغیرہ میں متاول ہیں اوران اشیاء میں سے کوئی شئے عدالت سے ان کونہیں نکالتی۔اس واسطے کہ صحابہ مجتھد ہیں۔مسائل اوراختلاف محل اجتھاد میں فرمایا ہے جیسا کہ ائمہ مجتھدین صحابہ کے بعد دعاوغیرہ کے مسائل میں مختلف ہوئے ہیں اوراس اختلاف سے ان میں سے کسی کا نقص نہیں۔اوراس کے علاوہ شیعہ کی مشہور کی کتاب جلا العیون ،منتی الاعمال،تاریخ یعقوبی،قرب الاسناد ص ۴۵ اورشرح ابن میثم میں لکھا ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ پرلعن کرنا جائزنہیں کیونکہ انہوں نے حضرت امام حسنؓ سے صلح کر لی تھی۔ان کے اختلافات صرف دم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں تھے۔

﴿۱۹﴾فتوی شرعی کیافرماتے ہیں علماءکرام اس مسئلہ کے بارے میں،کہ علماء اورمشائخ کے ہاتھ چومنا کیسا ہے؟بعض لوگ اس کوناجائزوحرام کہتے ہیں؟بینواتوجروا۔

سائل ملک جاویداقبال طرہ بازٹاؤن میانوالی

الجواب: علماءاورمشائخ کے ہاتھ چومنا جائز ہے۔اسے ناجائزوحرام کہنا جہالت ہے۔درمختار باب استبراءمیں ہے، لا بـاس بتقبيل يد الرجل العالم والمتورع على سبيل التبرك ،یعنی برکت کے لئے عالم پرہیزگارآدمی کاہاتھ چومنا جائز ہے۔اور اشـعـتـه الـلـمـعـات جلد چہارم ص ۲۱ پرہے،بوسه دادن دست عـالـم متورع راجائز ست۔ بعضے گفته اند مستحب است۔ یعنی پرہیزگارعالم کاہاتھ چومنا جائز ہے۔اوربعض لوگوں نے کہا کہ مستحب ہے یہاں تک کہ مخالفین کے پیشوامولوی رشیداحمد گنگوہی فتـاویٰ رشـیـدیـه جلداول کـتـاب الـحـظر والا بـاحـة ص ۵۴ میں لکھتے ہیں،تعظیم دین دارکوکھڑاہونادرست ہے اورپاؤں چومنا

ایسے ہی شخص کا بھی درست ہے۔ لہٰذا علماء اور مشائخ کے ہاتھوں کو برکت کے لیے چومنا جائز ہے۔

﴿۳۰﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، مردے قبروں میں سنتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کو خطاب ہوا لا تسمع الموتی۔ اے نبی تم مردوں کو نہیں سنا سکتے جب نبی کریم ﷺ نہیں سنا سکتے تو عام آدمی کس طرح اپنی گفتگو سنا سکتا ہے۔

بینوا توجروا۔ سائل حافظ محمد سلطان میانوالی

الجواب: صورۃ مسئولہ میں قرآن کی آیت کا مطلب غلط بیان کیا گیا ہے، یہ خطاب ابوجہل، ابولہب وغیرہ کافروں کے متعلق ہے۔ کہ کافر مطلق جو آپ ﷺ کی بات سننے پر تیار نہیں آپ ﷺ زبردستی اپنی بات ان کو نہیں سنا سکتے۔ کما قال المفسرون اس سے مراد قبروں والے ہیں ہی نہیں۔ جہاں تک سماع موتی کا تعلق ہے حضور ﷺ کی صحیح حدیث ہے، ما من مسلم یمر علی قبر اخیہ المسلم و یسلم علیہ وھو یرد السلام علیہ (جب کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی قبر پر گزرتا ہے وہ اس پر سلام بھیجتا ہے تو وہ اس کے سلام کو سنتا ہے اور اس کا جواب بھی دیتا ہے) حضور ﷺ کا فرمان ہے۔ نبی اللہ حی یرزق اللہ کا نبی قبر میں زندہ ہوتا ہے۔ اسے رزق دیا جاتا ہے، من صلی علی عند قبری سمعتہ، جو میری قبر کے پاس درود پڑھتا ہے میں اس کا درود سنتا ہوں تعرض علی اعمال امتی مجھ پر میری امت کے اعمال پیش ہوتے ہیں۔ میں اعمال دیکھ کر خوش ہوتا ہوں برے اعمال پر مغفرت کی دعا کرتا ہوں (کنز العمال) مسلمانوں کا متفقہ عقیدہ ہے کہ سماع موتی برحق ہے خصوصاً سرکار دو عالم ﷺ آپ قبر میں امت کے احوال سے بھی واقف کیے جاتے ہیں۔

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

﴿۲۱﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ ہمارے محلہ میں ایک مولوی آیا ہے جو اپنے آپ کو توحید پرست کہتا ہے۔ اور ہم کو بدعتی اور مشرک کہتا ہے۔ ہمیں یہ بتائیں کہ شرک اور بدعت کیا ہے؟۔ وضاحت فرمائیں حضرت علامہ صاحب جواب جلدی عنائت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔ سائل چوہدری علم الدین ولد چوہدری غلام یٰسین ساکن سرائے مہاجر ضلع بھکر۔

الجواب: شرک کی دو قسمیں ہیں (۱) شرک جلی (۲) شرک خفی۔ عمل میں ریاکاری کرنا شرک خفی ہے۔ اسی کو شرک اصغر بھی کہتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے الریاء شرک خفی اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔ ہر عملے کہ بریا کند شرک است۔ غایت آنکه شرک جلی ست و خفی شرک جلی آشکارا بت پرستی کردن و مرائی که برائے غیر خدا عمل می کند نیز بت پرستی می کند لیکن پنہانی " (اشعتہ اللمعات شرح مشکوۃ جلد چہارم ص ۶۵۰) اور شرک جلی جس کو شرک اکبر بھی کہتے ہیں اس کی تین قسمیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو بھی واجب الوجود ٹھہرانا شرک اکبر ہے۔ جیسے آریہ جو خدائے تعالیٰ کے سوا روح اور مادہ کو بھی واجب الوجود مانتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ خدائے تعالیٰ کے سوا کسی اور کو خالق اور مؤثر بالذات ماننا یہ بھی شرک اکبر ہے۔ جیسے ستارہ پرستوں کا عقیدہ کہ عالم کے تغیرات ستاروں کی تاثیرات سے ہیں اور ستارے مؤثر بالذات ہیں کسی کے محتاج نہیں۔ تیسرے یہ کہ خدائے عزوجل کے سوا کسی اور کی عبادت کرنا یا اسے مستحق عبادت سمجھنا جیسے بت پرست جو بتوں کی

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

عبادت کرتے ہیں اور ان کو پرستش کا مستحق سمجھتے ہیں یہ بھی شرک اکبر ہے اور جب مطلق شرک بولا جاتا ہے تو اکثر یہی شرک اکبر ہی مراد ہوتا ہے۔ محقق علی الاطلاق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بخاری علیہ الرحمتہ والرضوان تحریر فرماتے ہیں۔

شرک سہ قسم است در وجود، در خالقیت در عبادت (اشعتہ اللمعات جلد اول ص ۷۲) اور حضرت علامہ سعدالدین تفتازانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں

الاشراك هواثبات الشريكالا لوهية بمعني وجوب الوجود كما للمجوس اوبعنى استحقاق العبادة كما (شرح عقائد نسفي ص ٦١) اور بدعت وہ اعتقاد یا اعمال ہیں جو حضور ﷺ کے زمانہ حیات ظاہر میں نہ تھے بعد میں ایجاد ہوئے۔ یعنی بدعت کی دو قسمیں ہیں۔ بدعت اعتقادی اور بدعت عملی۔ بدعت اعتقادی وہ برے عقائد ہیں جو حضور ﷺ کے بعد اسلام میں ایجاد ہوئے جیسے وہابیوں، دیوبندیوں کا یہ عقیدہ کہ خدائے تعالیٰ جھوٹ پر قادر ہے۔ بدعت اعتقادی ہے اور بدعت عملی ہر وہ کام ہے جو حضور ﷺ کے زمانہ پاک کے بعد ایجاد ہوا خواہ وہ دینی ہو یا دنیوی اور خواہ وہ کام صحابۂ کرامؓ کے زمانہ میں ہو یا ان کے بعد۔ اشعتہ اللمعات جلد اول ص ۱۲۵ میں ہے، بدداں کہ ہر چیز پیدا شدہ بعد از پیغمبر علیہ السلام بدعت است'' یعنی ہر وہ چیز جو حضور ﷺ کے بعد پیدا ہوئی وہ بدعت ہے۔

چنانچہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تراویح کی باقاعدہ جماعت مقرر کرنے کے بعد فرمایا نعمت البدعة هذه (مشکوۃ ص ۱۱۵) لیکن عرف عام میں ایجادات صحابہ کو سنت صحابہ کہتے ہیں بدعت نہیں کہتے۔ ''اشعتہ اللمعات میں ہے''

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

آنچہ خلفائے راشدین کردہ باشند اگرچہ بآں معنی کہ درزمان آنحضرت ﷺ نبودہ بدعت است ولیکن قسم بدعت حسنہ خواہد بود بلکہ درحقیقت سنتست۔ بلکہ وہ بدعت ہے جو قرآن وحدیث کے اصول وقواعد کے مطابق ہو اور نہی پر قیاس کیا گیا ہو۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ **اول** بدعت واجبہ جیسے قرآن وحدیث سمجھنے کے لیے علم نحو کا سیکھنا اور گمراہ فرقوں پر رد کے لیے دلائل قائم کرنا۔ **دوم** بدعت مستحبہ جیسے مدرسوں کی تعمیر اور ہر وہ نیک کام جس کا رواج ابتدائی زمانہ میں نہیں تھا۔ جیسے محفل میلاد شریف وغیرہ۔ **بدعت سیئہ** وہ بدعت ہے جو قرآن وحدیث کے اصول وقواعد کے مخالف ہو۔ اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔ **اول** بدعت محرمہ جیسے پاکستان کی مروجہ تعزیہ داری اور ماتم وغیرہ۔ **دوم** بدعت مکروہہ جیسے خطبہ کی اذان مسجد کے اندر پڑھانا۔ اور بدعت مباحہ وہ بدعت ہے جو حضور ﷺ کے ظاہری زمانہ میں نہ ہو اور جس کے کرنے نہ کرنے پر ثواب وعذاب نہ ہو۔

اشعۃ اللمعات میں ہے۔ ”آنچہ موافق اصول و قواعد سنت اوست وقیاس کردہ شدہ براں۔ آں رابدعت حسنہ گویند۔ وآنچہ مخالف آن باشدبدعت ضلالت گویند وکلیت کل بدعة ضلالة محمول بریں ست۔ و بعض بدعتہما ست کہ واجب ست چنانچہ تعلیم وتعلم صرف و نحو کہ بداں معرفت آیت و احادیث حاصل گرد دو حفظ غرائب کتاب و سنت و دیگر چیز ہائے کہ حفظ دین وملت برآن موقوف بود۔ و بعض مستحسن و مستحب مثل بنائے رباطہا و مدرسہا وبعض مکروہ مانند

نقش و نگار کردن مساجد و مصاحف بقول بعض ۔ و بعض مباح مثل

فراخی در طعا مہائے لذیذہ و لبا سہائے فاخرہ بشرطیکہ حلال با شند

و باعث طغیان و تکبر و مفاخرت نشوند ومباحات دیگر کہ درزماں

آنحضرت ﷺ نبودن چنانکہ غربال و مانند آن وبعض حرام چنانکہ

مذہب اہل بدع برخلاف سنت و جماعت ' اور ردالمحتار جلداول ص ۳۹۳ میں بھی یہی

تفصیل موجود ہے۔اس کے علاوہ فتاویٰ رضویہ کا مطالعہ کریں آپ کے محلّہ میں جو مولوی آیا ہے

اپنے آپ کوتوحید پرست ظاہر کرتا ہے حالانکہ وہ خود بدعتی ہیں۔

﴿۲۲﴾فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماءکرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ

ہمارے علاقہ میں رافضیوں کی مجالس ہوتی ہیں عوام تو خیر شریک ہوتی ہے اور ہمارے گاؤں کا ان

پڑھ مولوی جو اپنے آپ کو سنی کہتا ہے وہ شریک ہوکران کی مجالس کو رونق بخشتا ہے اور کہتا ہے یہ لوگ

وہابیوں سے بہتر ہیں کیا یہ ان کا طریقہ صحیح ہے۔؟ سائل محمد نعیم ولد غلام یٰسین ساکن محمد یاروالا ضلع میانوالی

الجواب: جس طرح وہابیوں دیوبندیوں کے جلسے مین شریک ہوکر ان کے جلسے کو

بڑھانے والا سنی مولوی فاسق ہے۔ یونہی رافضیوں کے جلسے میں شریک ہوکران کی جتھا بڑھانے

والا سنی مولوی رافضیوں کے جلسے میں شریک ہوکر تبرا سنے اور خاموش چلا آئے وہ فاسق معلن ہے

اور جو سنی مولوی یہ بکے کہ رافضی تو وہابی سے اچھا ہے وہابی تو خدائے وحدہ قدوس کی ذات پر کذب

کا امکان عائد کرتا ہے اور رافضی تو محض خلفائے ثلثہ ہی کو برا کہتا ہے وہ گمراہ بددین ہے بلکہ حسب

ارشاد کتب فقہیہ اس پر کفر عائد ہوتا ہے جس طرح امکان کذب باری کا عقیدہ کفر ہے یونہی حضر

ت سیدنا ابوبکر صدیق وسیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو برا کہنا ان پر تبرا کرنا بھی کفر ہے۔

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ ردالرفضہ ص ۹ میں تحریر فرماتے ہیں الرافض اذا سب ابا بکرو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اولعنہما یکون کافراوان فضل علیہما علیا لا یکفر و ھو مبتدع۔ یعنی شیعہ اگر شیخین (صدیق اکبر وفاروق اعظم) رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو برا کہے یا ان پر تبرا بکے تو کافر ہو جائے گا۔ اور اگر مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو ان دونوں حضرات سے افضل کہے تو کافر نہیں گمراہ و بد مذہب ہے۔ (بشرطیکہ صرف تفضیل ہی کا عقیدہ رکھے اگر ضروریات دین میں سے کسی ایک بات کا منکر نہ ہو۔) جب خلفائے ثلثہ میں حضرات شیخین داخل ہیں اور حضرات شیخین کو برا کہنے والا کافر و مرتد ہے تو خلفائے ثلثہ کو برا کہنے والا رافضی بھی حسب فتویٰ کافر ہوگا۔ پھر اس کو وہابی سے اچھا بتانے والا یا تو نرا جاہل ہے یا شدید گمراہ ہے۔ واقعی مرتدوں بد مذہبوں کی صحبت ایمان کے حق میں زہر ہلاہل ہے۔ جبھی تو رافضیوں کی صحبت سے متاثر ہر کرسی مولوی نے کہا کہ رافضی تو محض خلفائے ثلثہ ہی کو برا کہتا ہے گویا خلفائے ثلثہ کو برا کہنا کوئی بڑی بات نہیں۔ حالانکہ آج کا شیعہ خلفاء ثلثہ سمیت سوائے چار کے تمام صحابہء کرام کو مرتد و گمراہ کہتا ہے، ملاحظہ ہو شیعہ کتابیں رجال کشی ص ۴، تفسیر البرہان جلد اول ص ۲۳، تفسیر مراۃ الانوار جلد اول ص ۲۵۸، ترجمہ مقبول ص ۵۶۲، اسرار آل محمد ص ۷۷، انوار نعمانیہ جلد اول ص ۱۰۶، عن ابی جعفر قال کان الناس اھل الردۃ بعد النبی الا ثلثۃ فقلت و من الثلثتہ فقال المقداد بن الاسود وابو ذر الغفاری و سلمان الفارسی ثم عرف الناس، امام باقر نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کے بعد تین آدمیوں کے بغیر سارے لوگ مرتد ہو گئے، میں نے پوچھا وہ

کون ہیں ،فرمایا، مقداد، ابوذر، سلمان ہیں معاذ اللہ رب العالمین ۔ مولیٰ تبارک و تعالیٰ تمام مسلمانوں کو عموماً اور آج کل کے نوعمر نا تجربہ کار مولویوں کو خصوصاً شیعوؤں کے مکر و کید سے بچائے ۔لہٰذا اس مولوی کے پیچھے اس وقت تک نماز پڑھنا جائز نہیں جب تک کہ توبہ نہ کر لے۔

﴿۲۳﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ نماز جنازہ کے بعد صفیں توڑ کر دعا مانگنے کا ثبوت احادیث مبارکہ میں ہے یا یہ بدعت ہے۔؟

بینوا توجروا۔ سائل عبدالستار

الجواب: احادیث مبارکہ سے ثابت ہے چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق مروی ہے کہ (۱) ان النبی ﷺ صلی علی جنازہ فلما فرغ جاء عمر و معہ قوم فارادان ان یصلی ثانیاً فقال لہ النبی ﷺ الصلوۃ علی الجنازۃ ولا تعاد ولکن ادع للمیت وا ستغفر لہ وھذا الفوزالمبین۔ مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نماز جنازہ پڑھائی جس وقت آپ نماز پڑھا کر فارغ ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ مع قوم حاضر ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دوبارہ نماز پڑھنے کا رادہ کیا تو نبی کریم ,نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فرمایا نماز جنازہ کا اعادہ نہیں ہوتا لیکن میت کے لیے دعا و استغفار کرلو۔ (۲) روی عن ابن عباس وابن عمر رضی اللہ عنہم فاتتھما الصلوۃ علی جنازۃ لما حضر امازاد علی الاستغفار لہ مروی ہے حضرت ابن عباس و ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے کہ ان دونوں سے نماز جنازہ فوت ہوگئی جب وہ تشریف لائے تو انہوں نے میت کے لئے فقط استغفار ہی کی ۔

(۳) روی عن عبدالله ابن سلام انه فاتته الصلوة علی جنازة عمر فلما حضر قال ان سبقتمونی بالصلوة علیه فلا تسبقونی بالدعاء له (البدائع) حضرت عبداللہ ابن سلام سے مروی ہے کہ آپ سے حضرت عمرؓ کی نماز جنازہ فوت ہوگئی۔ جب آپ تشریف لائے تو حاضرین کو فرمایا اگر تم نے اس پر نماز پڑھنے میں سبقت کر لی تو دعا میں مجھ سے سبقت نہ کرو۔

(٤) عن عمیر ابن سعید قال صلیت مع علی علی یزید بن مکفف فکبر علیه اربعا ثم مشی حتی اتاه فقال اللهم عبدك وابن عبدك نزل بالهم فاغفرله ووسع علیه مدخله انا لا نعلم به الاخیر اوانت اعلم به۔ حضرت عمیر ابن سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز جنازہ پڑھی حضرت علیؓ نے چار تکبریں پڑھیں۔ یعنی نماز پڑھائی پھر چلے یہاں تک کہ میت کے پاس آئے اور اس کے لیے دعائے مذکور فرمائی۔ تو ان چار احادیث مبارکہ سے جنازہ کے بعد دعا مانگنا معلوم ہوا یہ کوئی بدعت نہیں بلکہ سنت رسول ﷺ اور سنت صحابہ کرام ہے۔

﴿۲٤﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ ہمارے محلّہ کے صوفی اور پڑھا لکھا طبقہ کہتا ہے۔ یزید کافر تھا اور ان کو کافر ہی کہا جائے کیونکہ حضرت امام حسین اور ان کے رفقا کو شہید کرنا۔ واقعہ حرہ اور مسجد نبوی ﷺ کی بے حرمتی کفر کے افعال ہیں لیکن چند دیوبندی خیال کے لوگ یزید کو جنتی اور محبّ رسول ﷺ کہتے ہیں۔ اب آپ ہی ہمیں صحیح مسئلہ بتائیں کہ آیا ہمارا عقیدہ صحیح ہے یا کہ دیوبندیوں کا؟۔ محمد نواز خان ولد اللہ داد خان کالا باغ میانوالی

الجواب: امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کی بنا پر یزید پلید سخت گنہگار، حق العبد میں

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

گرفتا، لائق عذاب قہار اور مستحق عذاب نار ہے۔ بے شک یزید خبیث کو برا کہنا جائز ہے۔

یزید کے بارے میں اعلحضرت پیشوائے اہلسنت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمتہ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ یـذیـد پـلیـد عـلیه ما یستحقه من العزیز المجید قطعاً یقینا با جماع اهـلسـنت فاسق و فاجر وجری علے الکبائرها۔ اس قدر پر ائمہ اہلسنت کا اطباق واتفاق ہے صرف اس کی تکفیر ولعن میں اختلاف فرمایا۔ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ اوران کے اتباع موافقین اسے کافر کہتے اور بہ تخصیص نام اس پر لعن کرتے ہیں اوراس آیت کریمہ سے اس پر سند لاتے ہیں فهـل عسیتـم ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض وتقطعوا ارحامکم اولئك الذین لعنهم الله فاصمهم واعمی ابصارهم۔ کیا قریت ہے کہ اگر والی ملک ہوتو زمین میں فساد کرو اوراپنے نسبی رشتہ کاٹ دو یہ ہیں وہ لوگ جن پر اللہ نے لعنت فرمائی تو انہیں بہرا کر دیا۔ اوران کی آنکھیں پھوڑ دیں (پ ۲۶ ع ۷) شک نہیں کہ والی ملک ہوکر زمین میں فساد کیا حرمین طیبین وکعبہ معظّمہ وروضۂ طیبہ کی سخت بے حرمتیاں کیں۔ مسجد نبوی علیہ السلام ﷺ میں گھوڑے باندھے ان کی لید اور پیشاب منبر اطہر پر پڑے، تین دن مسجد نبی ﷺ بے اذان ونماز رہی۔ مکہ ومدینہ وحجاز میں دس ہزار صحابہ تابعین بے گناہ شہید کئے کعبہ معظّمہ پر پتھر پھینکے، غلاف کعبہ شریف پھاڑا اور جلایا۔ مدینہ طیبہ کی پاک دامن پارسائیں تین شبانہ روز اپنے خبیث لشکر پر حلال کر دیں۔ رسول اللہ ﷺ کے جگر پارے کو تین دن بے آب ودانہ رکھ کر مع ہمراہیوں کے تیغ ظلم سے پیاسا ذبح کیا۔ مصطفے ﷺ کے گود کے پالے ہوئے تین نازنین پر بعد شہادت گھوڑے دوڑائے گئے کہ تمام استخوان مبارک چور

ہوئے۔ سرانور کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بوسہ گاہ تھا کاٹ کر نیزہ پر چڑھایا اور منزلوں پھیرایا۔ حرم محترم قید کئے گئے اور بے حرمتی سے اس خبیث کے دربار میں لائے گئے۔ اس سے بڑھ کر قطع رحم اور زمین میں فساد کیا ہوگا۔ ملعون ہے۔ وہ جوان ملعون حرکات کو فسق و فجور نہ جانے قرآن عظیم میں صراحۃً اس پر لعنھم اللہ فرمایا۔ لہٰذا امام اوران کے موافقین اس پر لعنت فرماتے ہیں۔ اور ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ لعن و تکفیر سے احتیاطاً سکوت کہ اس سے فسق و فجور تواتر ہیں۔ کفر متواتر نہیں اور بحر حال لعنت کرنا جائز ہے، نہ کہ تکفیر اور وعیدات مشروط بعدم توبہ ہیں۔ لقوله تعالیٰ فسوف یلقون غیا الامن تاب اور توبہ نادم غرغرہ مقبول ہے اوراس کا عدم پر جزم نہیں اور یہی احوط واسلم ہے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ششم ص ۱۰۷) شرح عقائد میں یزید اوران کے معاونین کو کافر لکھا ہے۔

﴿۲۵﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ پیرو مرشد فوت ہوگئے ہیں۔ اب میرا جی چاہتا ہے کہ میں کہیں دوسری جگہ بیعت کرلوں کیا یہ میرے لیے روا ہے یا نہ؟ بینوا توجروا۔ سائل ملک شاہد اقبال ضلع میانوالی۔

الجواب: حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ اپنے معروف رسالہ القول الجمیل میں لکھتے ہیں عن الصوفیة اما من الخصلین فان کان بظهور خلل فیمن بایعه فلاباس و کذلك بعد موته او غیبته المنقطعة واما بلاعذر فانه یشبه المتلاعب و یذهب بالبر کاة لو یصرف قلوب الشیوخ عن تعهده۔ اوراس طرح حضرات صوفیہ سے لیکن دو پیروں سے بیعت کرنا اگر بسبب ظہور خلل کے ہو اس پیر میں جس پیر سے بیعت کر چکا ہے تو

الصلوٰۃ والسلام علیک یا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

کچھ مضائقہ نہیں اسیطرح اس کی موت کے بعد یا اس کی غیبت منقطعہ کے بعد کہ اس کی توقع ملاقات کی باقی نہیں رہی اور بلا عذر تو دوسرے مرشد سے بیعت کرنا کھیل کے مشابہ ہے اور ہر جگہ بیعت کرنا برکت کو کھوتا ہے۔ اور مرشدوں کے دلوں کو اس کی تعلیم اور تہذیب سے پھیرتا ہے۔ یعنی اس کو ہرجائے اور دم خیالی سمجھ کر کچھ التفات نہیں فرماتے۔

﴿۲۶﴾فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، روافض کافر کیوں؟ ۔بینوا توجروا۔ محمد نعیم محلہ عالم خیل میانوالی

الجواب: بعض فقہاء نے سب صحابہ کو کبائر سے لکھا ہے اور ظاہر ہے کہ مرتکب کبیرہ کافر نہیں ہوتا۔ (نووی جلد۲ص ۳۱۰) میں قاضی عیاض فرماتے ہیں وسب احدهم من المعاصی الکبائر و مذهبنا و مذهب الجمهور انه یعزر ولا یقتل کہ کسی صحابہ کو گالی دینا کبائر سے ہے۔ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ اسے تعزیر لگائی جائے اسے قتل نہ کیا جائے۔ حضرات فقہاء علیہم الرحمۃ نے تو سب شیخین بھی کفر لکھا ہے خلاصہ میں ہے۔ الرافضی اذا کان یسب الشیخین و یلعنهما العیاذ بالله تعالیٰ فهو کافر یعنی رافضی جو شیخین کو برا کہے کافر ہے۔ (غنیۃ شرح منیہ میں ہے ص ۵۱۴) میں اما لو کان مودیا الی الکفر فلا یجوز اصلا کالغلاۃ من الروافض الذین یدعون الالوهیة لعلی رضی الله عنه او ان لا نبوة کانت له فغلط جبریل و نحو ذلک مما هو کفرو کذا من یقذف الصدیقة او ینکر صحبة الصدیق او خلافته او یسب الشیخین۔ یعنی بد مذہب کا عقیدہ اگر کفر تک پہنچ جائے تو اس کا اقتداء اصلاً جائز نہیں جیسے غالی رافضی کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خدا کہتے ہیں ملاحظہ

ہوں شیعہ کتابیں جلا العیون مترجم ص ۸۵، تذکرہ آئمہ ص ٦٦، اسلام پر کیا گزری ص ۱۱۸ وغیرہ، یا یہ نبوت ان کے لیے تھی جبریل نے غلطی کی ملاحظہ ہوں شیعہ کتابیں انوار نعمانیہ جلد دوم صفحہ ۲۳۷، تذکرہ آئمہ صفحہ ۵۳، قالو محمد بعلی اشبه من الغراب بالغراب و الذباب بالذباب فبعث الله جبرئيل الى على عليه السلام فغلط جبرئيل فى تبليغ الرسالة من على الى محمد خلاصہ عبارت یہ ہے کہ جیسے کوا کوے کے، مکھی مکھی کے مشابہ ہوتی ہے اسی طرح حضرت محمد ﷺ اور حضرت علیؓ مشابہ تھے، تو حضرت جبرئیلؑ نے حضرت علیؓ کو نبوت دینے کے بجائے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دے گئے۔ اور اسی قسم کی اور باتیں کہ کفر ہیں اور اسی طرح جو حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کو تہمت ملعون کی طرف نسبت کرے یا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحابیت کا منکر ہو یا خلافت کا انکار کرے یا شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو برا کہے۔

مراقی الفلاح کی شرح (طحطاوی ص ۱۹۸) میں ہے۔ ولا تجوز الصلوة خلف منكر المسح على الخفين او صحبة الصديق و من يسب الشيخين او يقذف الصديقة و لا خلف من انكر بعض ما علم من الدين ضرورة لكفره فلا يلتفت الى تاويله و اجتهاده

عقود الدریہ میں ہے کہا الروافض كفرة جمعوا بين احناف لا كفر عنها انهم ينكرون خلافة الشيخين و منها انهم يسبون سود الله و جوههم فى الدارين فمن اتصف بهذاه الاوصاف فهو كافر مطلق یعنی روافض کافر ہیں اس لیے کہ ان میں کئی قسم کے کفر جمع ہیں بعض ان میں یہ ہے کہ وہ شیخین کو گالی دیتے ہیں اور بعض ان میں یہ ہیں کہ شیخین کی خلافت کے منکر ہیں خدا دونوں جہانوں میں ان کا منہ

کالا کرے شرع کا قاعدہ ہے جس میں یہ امور ہوں وہ کافر ہے اس طرح تنویر در مختار میں ہے ۔ یادر ہے کہ شیعہ مذہب کے ارتداد کے وجوہ بہت ہیں منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ سوائے چند صحابیوں کے باقی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم کو مرتد اور خارج از اسلام کہتے ہیں چنانچہ (فروع کافی ج ۳ ص ۱۱۰، انوار نعمانیہ جلد ۲ ص ۲۵ ،جلا العیون جلد ۲ ، حیات القلوب جلد ۲) میں ھے عن ابی جعفر علیہ السلام قال کان الناس اھل ردۃ بعدٌ انبی ﷺ الا ثلاث و من الثلاۃ فقال مقداد بن الاسود و ابو ذر غفاری و سلما ن الفارسی

امام محمد باقر علیہ السالم سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ مرتد ہو گئے سوائے تین صحابیوں کے راوی کہتا ہے میں نے پوچھا وہ کون ہیں فرمایا مقداد بن الاسود، ابوذرغفاری اور سلمان فارسی رضی اللہ عنھم ۔تفصیل کے بجائے ہم اور وجوہ اجمالا لکھتے ہیں ۔بعض تو صرف ان کے غلط مذہب کا نمونہ ہیں اوبعض کفر کے وجوہ، مثلا قرآن مجید کا انکار، ملاحظہ ہو شیعہ کتابیں تفسیر صافی جلد اول ص ۳۵، تفسیر قمی جلد اول ص ۴۰، تفسیر عیاشی جلد اول ص ۹، تفسیر البرھان جلد اول ص ۲۹، احتجاج طبرسی جلد اول ص ۱۲۶، اصول کافی جلد دوم، فصل الخطاب صفحہ ۲۸۱ پر لکھا ہے کہ تحریفِ قرآن کی روایات متواترہ ہیں ۔الاخبار متواترۃ بالمعنیٰ علی النقض و التغیر فی الجملۃ لکن لا یمکن الحزم فی مخصوص موضع و امرنا بقراتہ و العمل بہ علی ما ضابطہ القراء الی ان یظھر القائم ترجمہ: تحریف

قرآن کی روایات متواترہ بالمعنی قرآن میں کمی ہونے اور تبدیلی ہونے پر دلالت کرتی ہیں، لیکن یقینی طور پر یہ کہنا ممکن نہیں کہ فلاں فلاں جگہ تحریف ہوئی ہے اور ہمیں اسی قرآن کے پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے جب تک امام مہدی کا ظہور نہیں ہوتا۔ انوار نعمانیہ جلد دوم ص ۳۶۳ پر ہے، ترجمہ: آئمہ کرام نے شیعہ حضرات کو وقتی طور پر موجودہ قرآن کو نماز وغیرہ میں پڑھنے کا حکم دیا اور دیگر احکام پر عمل کو کہا ہے۔ جب تک کہ امام مہدی اصلی قرآن لے کر نہیں آتے۔ جب وہ آئیں گے اصلی قرآن حضرت علی والا لے آئیں گے اور لوگوں کو اس کے پڑھنے اور عمل کرنے کو فرمائیں گے۔ امامت نبوت سے افضل، توحید و رسالت کیطرح امامت پر ایمان واجب، حضرات شیخین کو کافر و منافق۔ حضور علیہ السلام کی بیویوں کو غیر مومن اور منافق سمجھتے ہیں وغیرہ۔ لہٰذا ان عبارات سے واضح ہوا کہ شیعہ کافر ہیں۔

﴿امام احمد رضا فاضل بریلوی کا فتویٰ﴾

اہلسنت مسلک کے مشہور مقتدر امام احمد رضا خان قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں۔ تحقیق مقام و تفصیل مرام یہ ہے کہ رافضی تبرائی جو حضرات شیخین (حضرت ابوبکر و حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما) کو اور ان میں سے کسی ایک کی شان میں گستاخی کرے اگر صرف اس قدر کہ امام و خلیفہ برحق نہ مانے کتب معتبرہ فقہ حنفی کی تصریحات اور علامہ آئمہ ترجیح و فتویٰ کی تصحیحات پر مطلقا کافر ہے۔ (رد الرفضہ ص ۳) (۲) رافضی اگر مولیٰ کرم اللہ وجہہ کو سب صحابہ کرام رضی اللہ عنھم سے افضل جانے بدعتی گمراہ ہے اور اگر خلافت صدیق رضی

اللہ عنہ کا منکر ہوتو کافر ہے۔ (ایضاً ص ۳) (۳) اسی طرح خلافت فاروق اعظمؓ کا منکر معتبر قول میں وہ کافر ہے۔ (ایضاً ص ۵) (۴) جو کسی غیر نبی کو نبی سے افضل کہے بالاجماع مسلمین کافر ہے بے دین ہے۔ (ایضاً ص ۱۸) جب کہ شیعہ آئمہ کو تمام انبیاء سے افضل مانتے ہیں، دیکھئے تفسیر مراۃ الانوار ص ۲۰ تفسیر البرحان جلد دوم ص ۳۶۸، اصول کافی کتاب الحجہ ص ۸۷، کنزالفوائد ص ۲۵۹، اعلام الوریٰ ص ۳۸۸، حیات القلوب ص ۷۸۷ جلد دوم، انور نعمانیہ جلد اول صفحہ ۲۵ پر لکھا ہے، و کـــون ائمتنا علیهم السلام افضل من سائر الانبیاء هو الذی لا یرتاب فیه من تبتع اخبار هم علی وجه الاذمان والیقین والاخبار فی ذلك اكثر من ان نتحص و علیه عمدة الامامیة، ہمارے شیعہ اماموں کا تمام انبیاء سے افضل ہونا تو حقیقت ہے کہ جس نے شیعہ احادیث کو پورے یقین سے پڑھا وہ اس میں شک نہیں کرسکتا، اس بارے میں اتنی حدیثیں ہیں جن کا شمار نہیں ہوسکتا اور اسی عقیدے پر امامیہ فرقہ کا مدار ہے۔ مرتبه امامت برتر نبوة است حیات القلوب جلد سوم ص ۲

﴿۲۷﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، مرتد کسے کہتے ہیں اور مرتد کی شرعی سزا کیا ہے؟ بینوا توجروا۔ سائل ملک خالد محمود میانوالی۔

الجواب: مرتد اسم فاعل ہے ارتد یرتد ارتدادا سے جس کا لغوی معنیٰ ہے پھرنے والا پلٹنے والا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے، ان الذین ارتد و اعلی ادبار هم (محمد ۲۵) بے شک وہ لوگ جو اپنی پیٹھ کے بل الٹے پھر گئے۔ اس طرح ایک مقام پر فرمایا قال ذلك ما كنا نبغ فارتدا علی اثارهما قصصا (کهف ٦٤) موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا) یہی تھا جس کی تلاش میں ہم تھے چنانچہ وہیں سے اپنے قدموں کے نشان ڈھونڈتے ہوئے واپس پلٹے۔

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ایک اور مقام پر فرمایا یا ایھا الذین امنو من یرتد منکم عن دینہ فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم و یحبونہ (الایتہ ۔ المائدہ) اے ایمان والو جو کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ تعالیٰ بہت جلد ایسی قوم کو لائے گا جو اللہ کی محبوب ہوگی اور وہ بھی اللہ سے محبت رکھتی ہو گی ۔ ان تین آیات میں ارتد فارتد اور یرتد ایک ہی بات کے مختلف صیغے ہیں ۔ جس کا بنیادی مادہ رد ہے اور اس کا معنی ہے پھیرنا، واپس کرنا وغیرہ اور اصطلاحی طور پر اس کی تعریف یہ ہے ایسا مسلمان جو اپنے اسلام کو اختیار کرنے والا ہو اور اس کا کسی قول فعل، کفریہ، عقیدہ یا ضروریات دینیہ سے کسی کے ساتھ شک کی بنیاد پر دین اسلام سے کٹ جانا مرتد ہو جانا ہے ۔ (عقوبۃ الاعدام ص ۳۴۹)

بعض ائمہ نے اس کی تعریف یہ کی ہے، الراجع عن دین الاسلام الی الکفار (القاموس الفقھی ص ۱٤۷) دین اسلام سے کفر کی طرف پلٹنے والا، گویا مرتد ایسا شخص ہے جو اسلام لانے کے بعد واپس کفر کی طرف پلٹ گیا ۔ یہ ارتداد اس کے اندر خواہ عقیدے کی بنا پر پیدا ہو یا کسی قول، فعل اور شک وشبہ کی بنا پر ۔ خواہ سنجیدگی سے ہو یا مذاق وٹھٹھہ سے کیونکہ ارتداد جیسے سنجیدگی سے ہوتا ہے ۔ استہزاء اور ہزل، ٹھٹھہ ومذاق سے بھی واقع ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے،

قل أ باللہ وایاتہ و رسؤلہ کنتم تستھزؤن لا تعتذ رو ا قد کفر تم بعد ایمانکم (التوبۃ ٦٦:٢٥) کہہ دیجئے کیا اللہ تعالیٰ اس کی آیات وراس کے رسول اللہ ﷺ ہی تمہاری ہنسی مذاق کے لیے رہ گئے ہیں؟ تم بہانے نہ بناؤ یقیناً اپنے ایمان کے بعد کفر کر چکے ہو ۔

مرتد آدمی پکا جہنمی ہو جاتا ہے ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے، و لا یزالون یقاتلو نکم حتی یردو کم عن دینکم ان استطاعوا و من یر تدد منکم عن دینہ فیمت وھو کافرٌ فأولئك

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حبطت اعمالهم فی الدنیا والا خرة وأولیك اصحاب النار هم فیها خالدون (البقره:۲۱۷) یہ لوگ ہمیشہ تم سے لڑائی کرتے رہیں گے یہاں تک کہ اگران سے ہو سکے تو تمہیں تمہارے دین سے مرتد کر دیں گے اورتم میں سے جو کوئی اپنے دین سے مرتد ہو گیا اوراسی کفر کی حالت میں مرگیا تو ایسے لوگوں کے اعمال دنیا او آخرت میں غارت ہو جائیں گے یہ لوگ جہنمی ہوں گے اور ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں ہی رہیں گے۔ مرتد کی دنیوی سزا قتل ہے۔

﴿**پهلی دلیل** حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے،عن عکرمة ان علیا رضی الله عنه حرق قوما فبلغ ابن عباس فقال لو کنت انا لم احرقهم لان النبی صلی الله علی وسلم قل لا تعذبو ابعذاب الله ولقتلتهم کما قال النبی صلی الله علیه وسلم من بدل دینه فاقتلوه (بخاری کتاب الجهاد والسیر (۳۰۱۷) و کتاب الستتابة المرتدین والمعاندین و قتالهم باب حکم المرتد والمرتدة واستتابعتهم، مسند حمیدی، بهیقی، ابن ماجة کتاب الحدود باب المر تدعین دینه ، مسند احمد ، دار قطنی، ابو داؤد کتاب الحدود باب الحکم فیمن ارتد، نسائی کتاب تحریم الدم، ترمذی کتاب الحدود باب ما جاء فی الحکم المرتد، شرح السنته ، مسند ابی یعلی ۔ علی بن ابی طالبؓ نے ایک قوم کو آگ میں جلایا۔ یہ بات عبداللہ بن عباس کو پہنچی تو انہوں نے فرمایا اگر میں ہوتا تو انہیں آگ میں نہ جلاتا اس لیے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا، اللہ کے عذاب کے ساتھ عذاب نہ دو۔ البتہ میں انہیں قتل کر دیتا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے اپنا دین بدل لیا اسے قتل کر دو۔

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

﴿**دوسری دلیل** عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا

لا یحل دم امری مسلم یشهد ان لا اله الا الله و انی رسول الله الا باحدی تلك النفس بالنفس والثیب الزانی والمفارق لدینه التارك للجماعة ۔ مسند حمیدی، بهیقی، ابن ماجة كتاب الحدود باب المر تدعین دینه ، مسند احمد ، دار قطنی، ابو دائود كتاب الحدود باب الحكم فیمن ارتد، نسائی كتاب تحریم الدم، ترمذی كتاب الحدود باب ما جاء فی الحكم المرتد، شرح السنته ، مسند ابی یعلیٰ جو شخص لا اله الا الله اور میرے رسول ہونے کی گواہی دے اس کا خون حلال نہیں مگر تین کاموں میں سے کسی ایک کی بنا پر نفس نفس کے بدلے (یعنی قاتل کو مقتول کے بدلے قصاص میں قتل کرنا) ۲۔ شادی شدہ زانی (یعنی اسے رجم کر کے مار دیا جائے) ۳۔ اپنے دین کو چھوڑنے والا جماعت کو ترک کرنیوالا یعنی مسلمانوں کی جماعت سے علیحدہ ہوکر کافروں کی جماعت مین شامل ہوجائے اور دین اسلام ترک کر بیٹھے مرتد ہو جائے۔

﴿**تیسری دلیل** سیدنا علیؓ فرماتے ہیں، كل مرتد عن الاسلام مقتول اذالم یرجع ذكرا او انثی دار قطنی ۔ اسلام سے مرتد ہونے والا ہر شخص قتل کیا جائے گا جب وہ واپس نہ پلٹے خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ اس اثر کی سند حسن ہے عبداللہ بن مسعود اور عثمان بن عفانؓ کا موقف بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ المحلی لابن حزم ۱۳۱/ ۱۱۱۲ امام ابوالمظفر یحییٰ بن محمد بن ہبیرہ فرماتے ہیں، واتفقوا علی ان المرتد عن الاسلام یجب علیه القتل ۔ الافصاح عن معانی الصحاح ۱/ ۱۸۷ اس باب پر ائمہ دین کا اتفاق ہے کہ اسلام سے مرتد ہونے والا واجب القتل ہے۔

امام بن قدامہ فرماتے ہیں، ترجمہ: اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ مرتد واجب القتل ہے اور یہ بات ابوبکر، عمر، معاذ، ابوموسیٰ، عبداللہ بن عباس خالد وغیرہم سے مروی ہے۔ اس پر انکار نہیں کیا گیا پس اس پر اجماع ہو گیا۔ پس معلوم ہوا کہ قرآن وسنت، اجماع صحابہ کرام اور اجماع اہل علم فقہاء محدثین کی رو سے مرتد واجب القتل ہے۔

﴿۲۸﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ ماہ صفر میں آخری چہار شنبہ کو بہت لوگ چوری بنا کر اور میٹھی روٹی حلوہ پکا کر کھاتے و تقسیم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسی روز حضور علیہ السلام کا مرض صبح کے وقت شدت سے تھا۔ مشرکین نے خوشی منائی اور بعد از نماز ظہر صحت یاب ہو گئے تو حضرت فاطمۃ الزہراؓ نے چوری بنا کر تقسیم کی اور خوشی کا اظہار کیا۔ جبکہ ہمارے ہاں اس کا مکمل رواج ہو چکا ہے۔ لوگ چوری حلوہ اور میٹھی روٹی پکا کر کھاتے ہیں۔ کیا اس واقعہ کی کچھ اصل ہے؟ بینوا توجروا۔ سائل ملک شاہد اقبال میانوالی۔

الجواب: یہ واقعہ بالکل بے اصل ہے جس کا کوئی ثبوت نہیں۔ بلکہ خلاف واقع ہے جیسا کہ حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی مشہور کتاب بہار شریعت جلد نمبر ۱۶ کے ص ۲۱۴ پر تحریر فرماتے ہیں کہ ''ماہ صفر کا آخری چہار شنبہ ہندوستان میں بہت منایا جاتا ہے۔ لوگ اپنے کاروبار بند کر دیتے ہیں۔ سیر و تفریح و شکار کو جاتے ہیں۔ پوریاں وغیرہ پکتی ہیں اور نہاتے، دھوتے خوشیاں مناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی روز غسل صحت فرمایا تھا اور بیرون مدینہ طیبہ سیر کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ یہ سب باتیں بے اصل ہیں بلکہ ان دنوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مرض شدت کے ساتھ

تھا۔خلاصہ تحریر یہ ہے کہ یہ ایشیاء کی رسم ہے۔اس کا کسی مشہور کتاب میں ذکر نہیں ہے۔

﴿۲۹﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں،حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ امام اعظمؒ ان کے ایمان کے قائل نہ تھے،کیا یہ بات صحیح ہے۔بینوا وتوجروا۔سائل محمود احمد میانوالی

الجواب: جماعت اہلسنت کے مقتدر علماء نے اس کی پرزور تردید کی ہے۔اور فقہ اکبر کی اصل عبارت کو تسلیم نہیں کیا۔دیکھئے طحطاوی جلد دوم صفحہ ۸۰ میں ہے،وما فی الفقه من ان والديه صلى الله عليه و آله وسلم ما تا على الكفر فمد سوس على الامام و على السنخ المعتمدة ليس بها شئى من ذالك ۔ فقہ اکبر میں جو یہ الفاظ کہیں ملتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین امام اعظم کے بقول کفر پر مرے تو یہ الفاظ امام اعظمؒ پر بطور افتراء منسوب کردیئے گئے ہیں۔کیونکہ قابل اعتماد نسخہ جات فقہ اکبر میں ان الفاظ کا نام ونشان تک نہیں ملتا۔امام اہلسنت امام احمد رضا فرماتے ہیں، المستند المعتمد بناء نجاۃ الابد ص ۱۷۵،(ترجمہ) یہ قول حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں ہے۔علامہ طحطاویؒ نے حاشیہ ردالمختار میں کہا کہ یہ کہنا کہ حضورﷺ کے والدین کا نکاح کفر کے ساتھ ہوا یہ بے ادبی ہے اور والدین رسولﷺ کے بارے میں ایک مسلمان کا جو عقیدہ ہونا چاہیے وہ یہ کہ ان دونوں حضرات کو کفر سے محفوظ سمجھا جائے۔علامہ موصوف فرماتے ہیں،فقہ اکبر کے حوالہ سے جو یہ کہا جاتا ہے کہ امام اعظمؒ نے کہا،حضورﷺ کے والدین کا حالت کفر میں انتقال ہوا یہ کہنا امام اعظم پر ایک تہمت سے کم نہیں ہے۔اور اس کے تہمت ہونے پر یہ بات دلالت کرتی ہے کہ فقہ اکبر کے جو نسخے قابل

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اعتماد ہیں ان میں ایسے الفاظ کا قطعاً وجود تک نہیں ملتا۔ علامہ ابن حجر مکی نے اپنے فتاویٰ میں کہا ہے کہ فقہ اکبر کے حوالہ سے جو یہ عبارت " ما تا علی الکفر" پیش کی جاتی ہے وہ ابو حنیفہ محمد بن یوسف بخاری کی ہے۔ ابو حنیفہ نعمان بن ثابت یعنی امام اعظمؒ کی نہیں ہے اسی کی وضاحت مہرانور صفحہ ۷ میں بھی موجود ہے۔ الحمویۃ الکبریٰ صفحہ ۲۸ پر بھی یہی وضاحت کی گئی ہے۔ تفسیر مظہری جلد ۷ صفحہ ۸۹ پر قرآن پاک کی آیت " وتقلبك فی الساجدین " کے تحت لکھتے ہیں، المراد منه تقلبك من اصلاب الطاهرين الساجدين لله الى ارحام الطاهرات الساجدات و من ارحام الساجدات الى اصلاب الطاهرين اى الموحدين و الموا حدات حتى يدل على ان آباء النبى صلى الله عليه و آله وسلم كلهم كانوا مومنين۔ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ پاکیزہ اور اللہ کو سجدہ کرنے والے مردوں کی پشت سے ان عورتوں کے رحم کی طرف منتقل ہوئے جو طاہر اور سجدہ کرنے والی تھیں۔ اور پھر ان طاہرات و ساجدات کے رحم سے ایسے پاکیزہ افراد کی طرف منتقل ہوئے۔ جو بھی اللہ تعالیٰ کی توحید پر قائم تھے۔ یہ آیت کریمہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام اباء اجداد صاحبان ایمان توحید پرست تھے۔ روح المعانی جلد ۱۹ صفحہ ۱۳۷، تفسیر درمنثور جلد ۵ صفحہ ۹۸، تفسیر ابن کثیر جلد اول صفحہ ۱۸۳، تفسیر کبیر جلد سوم صفحہ ۶۸، مسالک الحنفاء ص ۶۸، تفسیر ان جریر طبری جلد اول صفحہ ۱۸۳ پر بھی یہی وضاحت کی گئی ہے۔

اللہ

الصلوۃ والسلام علیک یا سیدی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کتاب الطہارت

(طہارت کے مسائل)

﴿۳۰﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ میرے ساتھی طالبعلم محمد یٰسین کاغذ سے استنجا کرتے ہیں اور جائز بھی کہتے ہیں۔ مجھے بتایا جائے کہ ازروے شرع کاغذ سے استنجاء کرنا کیسا ہے؟۔سائل قاری محمد الطاف متعلم جامعہ اکبریہ میانوالی

الجواب کاغذ سے استنجاء کرنا مکروہ ہے۔کیونکہ کاغذ ایک گراں قدر چیز ہے جو علوم و فنون کی امین اور خود اسلام اور اس کی تعلیمات کے لیے ایک بلند پایہ ریکارڈ ہے۔علامہ شامی نے اس کی کراہت کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے۔لصقالته و تقومه وله احترامه ایضا لکونه ٰالة لکتابة العلم ترجمہ: اس لیے کہ وہ چکنا ہوتا ہے (جس سے نجاست کے پھیل جانے کا اندیشہ ہے) اور قیمتی ہوتا ہے نیز علم کی تحریر کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے قابل احترام بھی ہے۔

﴿۳۱﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ حوض اور ٹینکوں کو کس طرح پاک کیا جائے۔مکمل طریقہ لکھ دیں تاکہ ہم عمل کر کے اپنی زندگی کو پاکیزہ رکھ سکیں۔بینوا توجروا۔سائل محمد بلال نیازی میانوالی

الجواب: اس سلسلہ میں پہلے دو فقہی اصول سمجھ لینے چاہیں پانی دو طرح کا ہوتا ہے۔ بہتا ہوا، یعنی، جاری، اور ٹھہرا ہوا یعنی، راکد، پھر یہ ٹھہرا ہوا پانی بھی یا تو زیادہ مقدار میں ہوگا اگر کم ہے تو تھوڑی سی بھی نجاست گر جائے پانی ناپاک ہو جائے گا، چاہے اس نے پانی کے اوصاف، رنگ، بو، مزہ میں کوئی تبدیلی پیدا کی ہو یا نہ۔اور اگر پانی جاری یا کثیر مقدار میں ہے تو تھوڑی نجاست گرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا۔ہاں اگر اتنی مقدار میں نجاست گر جائے

کہ پانی کے اوصاف ہی بدل جائیں تو اب پانی ناپاک ہو جائے گا۔ پھر پانی کی کثیر یا قلیل مقدار کا تعین ایک مشکل بات تھی۔ اس لیے فقہاء احناف نے اس کے لیے ایک مخصوص اور واضح حد متعین کر دی کہ اگر حوض دس ہاتھ لمبا اور چوڑا ہو یا دوسرے لفظوں میں دہ در دہ ہو تو یہ کثیر ہو گا اور اتنی مقدار میں نہ ہو تو قلیل ہو گا۔ اس پر فتویٰ ہے۔ فتاویٰ عالمگیری جلد ا ص ۱۰)

اب یہ پانی کی ٹینکیاں دو طرح کی ہوتی ہیں ایک وہ جس میں دو طرف سے پمپ ہوں ایک طرف سے پانی کی آمد اور دوسری طرف پانی کی نکاسی کا سلسلہ ہو۔ اگر ایسا نہ ہو بلکہ کسی ایک طرف سے ٹینکی بند ہو۔ صرف پانی کی آمد یا پانی کی نکاسی کا سلسلہ ہو لیکن مقدار میں دہ در دہ ہو تو اب بھی پانی کثیر ہونے کی وجہ سے ناپاک نہ ہوگا۔ سوائے اس کے کہ اوصاف ہی بدل جائیں۔ ہاں اگر ٹینکی مقدار میں بھی چھوٹی ہو اور پانی کی آمد و رفت کا تسلسل بھی نہ ہو تو تھوڑی سی بھی نجاست کیوں گرنے سے پانی ناپاک ہو جائے گا۔ اس کو پاک کرنے کا طریقہ ہے جس ٹینکی میں نجاست گری ہے اس میں ایک طرف سے پانی داخل کیا جائے اور دوسری طرف سے نکال دیا جائے۔ جوں ہی پانی نکل جائے ٹینکی پاک ہو جائے گی۔ البتہ اگر کوئی ذی جسم نجاست گری ہو مثلاً مردہ جانور وغیرہ تو ضروری ہو گا کہ اس عمل سے پہلے اس نجاست کو نکال لیا جائے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ اذا كان الحوض صغيرا يدخل فيه الماء من جانب ويخرج من جانب جاز الوضوء فيه من جميع جوانبه حوض صغيره متنجس ماءه فدخل الماء الطاهر فيه من جانب و سال ماء الحوض من

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

جانب اخر کان الفقیہ ابو جعفر یقول کما سال ماء الحوض من الجانب الاخر یحکم بطہارۃ الحوض ترجمہ: جب حوض چھوٹا ہو اس میں ایک طرف سے پانی داخل ہوا اور دوسری طرف سے نکلے تو ہر طرف سے وضو کرنا درست ہوگا۔ چھوٹا حوض جس کا پانی ناپاک ہو پھر اس میں ایک طرف سے پاک پانی داخل ہوا اور دوسری جانب سے بہہ جائے تو فقیہ ابو جعفر کہتے تھے کہ جیسے ہی پانی دوسری طرف سے بہہ جائے حوض کے پاک ہونے کا حکم لگایا جائے گا۔

﴿۲۲﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، حضرت صاجبزادہ صاحب میں باوضو تھا۔ میرے بازو پر چوٹ لگی مگر خون نہ نکلا میرا وضو باقی ہے یا پھر سے وضو کرنا ہوگا۔ بینوا توجروا۔ سائل محمد اختر خان میانوالی۔

الجواب: چوٹ والے عضو سے خون نہ نکلا تو دوبارہ وضو کرنا ضروری نہیں۔ کما ھو الظاھر۔ اور کٹے ہوئے عضو پر پانی بہانا لازم نہیں۔ لان الغسل فی محلہ وقع طھارۃ حکمیۃ للبدن کلہ من لاحدیث لا یکتص بذلك المحل فلا یزول حکمہ بزوالہ کما ھو مصرح فی الا کتب الفقھیۃ۔ اسی لیے وضو یا غسل کے بعد کسی نے اگر اپنے ہاتھ پاؤں وغیرہ کے کسی حصہ سے کچھ چمڑا کاٹ کر نکال لیا اور خون نہیں بہا تو اس حصہ پر پانی بہانا بھی ضروری نہیں۔ جیسا حضرت علامہ حلبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی یہی تحقیق ہے۔

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

﴿۳۳﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ وضو کے استعمال سے پانی کی چھینٹیں اگر کنوئیں میں واقع ہوجائیں تو کنواں مذکور پاک ہے یا نہیں؟۔اگر ناپاک ہے تو کتنے ڈول نکالے جائیں۔اس کا جواب بحوالہ کتب فقہی عطا کیا جائے۔بینوا توجروا۔

الجواب: کنوئیں میں جب ماء مستعمل کی چھینٹیں واقع ہو جائیں تو وہ کنواں پاک ہے۔فتاوی عالمگیری میں ہے: الماء المستعمل اذا وقع فی البیر لا یفسدہ الا اذا غلب وھو الصحیح (عالمگیری) ظاہر ہے کہ چند چھینٹیں کنوئیں کے پانی پر غالب نہیں آسکتیں۔ لہٰذا کنوئیں میں ماء مستعمل کی چند چھینٹوں کے گر جانے سے کنواں ناپاک نہیں ہوتا۔

﴿۳۴﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ کنوئیں میں استعمالی جوتا گر جائے اور اس پر نجاست کا لگنا یقینی نہیں تو کنواں مذکور پاک ہے یا نہیں؟۔اس کا جواب بحوالہ فقہ عطا فرمایا جائے بینوا توجروا۔

الجواب: جب استعمال شدہ جوتا کنوئیں میں گر جائے اور اس پر نجاست کا یقین نہ ہو تو محض تسکین قلب کیلیے احتیاطً بیس ڈول پانی نکالے جائیں۔اور اگر نہ نکالیں اور وضو کرلیں تو جائز ہے۔شامی میں ہے، فینزح ادنی ماوردبہ الشرع وذلک عشرون دلواً احتیاطا کذاقال فی الفتاوی العالمگیریہ حتی لو لم ینزح و توضاجاز کذافی فتاوی قاضی خان۔

﴿۳۵﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، ایک مٹکا یا گھڑا پانی ناپاک ہو جائے تو شریعت نے اس کے پاک کرنے کے کیا طریقہ لکھے

ہیں۔

الجواب: جب مٹکا یا گھڑا لوٹا یا ایک پیالا بھر پانی ناپاک ہوجائے اور اس کے رنگ یا بو یا ذائقہ کسی ایک میں کچھ تغیر نہ ہو تو اس کے پاک کرنے کا ایک نہایت سہل اور آسان طریقہ یہ ہے کہ اس میں پاک پانی اس قدر پہنچائیں کہ وہ کناروں سے ابل کر خوب بہہ جائے تو وہ پاک ہوجائے گا۔ فتاویٰ عالمگیر میں ہے، حوض صغیر متنجس مائوه فدخل الماء الطاهر فيه من جانب وسال ماء الحوض من جانب آخر كان الفقيه ابو جعفر يقول لما سال ماء الحوض من الجانب الاخر يحكم بطهارة الحوض وهو اختيار الصدر الشهيد و فى النوازل وبه نا خز كذافى التاتار خانيه" (عالمگیری ص ۹)

﴿۳۶﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کسی سے کئی بار ایک غلطی ہوئی کہ میں مشت زنی کرتا ہوں اور روزے بھی رمضان میں رکھتا ہے اور کئی بار روزہ کی حالت میں یہ غلطی ہوئی۔ کیا غسل واجب ہوجاتا ہے۔ نیز روزہ تو نہیں ٹوٹتا۔ بیان کر کے میری راہنمائی فرمائیں۔ بینوا توجروا۔ سائل حافظ محمد صدیق محلّہ ہیبت خیل شہباز خیل میانوالی

الجواب: استمنا بالید یعنی جلق اور مشت زنی کے سبب اگر منی اپنی جگہ سے شہوت کیساتھ جدا ہو کر عضو سے نکلی تو غسل واجب ہے اور روزہ یاد ہوتے ہوئے اگر ایسا کیا گیا تو روزہ جاتا رہا۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اول مصری ص ۱۴ میں ہے، المعانى الموجبة للغسل ثلاثه منها الجنابة وهى تثبت بسببين احد هما خروج المنى على وجه الدفق والشهوة من غيرا يلاج بالمس اوالنظر اوالا حتلام اوالا سمتناء كذا فى محيط السر خسى تلخيصاً اور عالمگیری کی اس جلد کے ص ۱۹۱ میں ہے،

الصائم اذا عالج ذکره حتی امنی فعلیه القضاء وهو المختار روبه قال عامة المشائخ کذا فی البحر الرائق۔ روزہ جاتا رہا۔روزوں کی قضا کرے اور آئندہ کے لیے توبہ کرے۔

﴿۳۷﴾فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، بالکل نئے کپڑے پہن کر نماز جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ سائل اسلم سوانسی میانوالی

الجواب: بالکل نئے کپڑے سے سوائے دھوئے نماز درست ہے اشباہ والنظائر ص۵۷ پر ہے، الیقین لا یزول بالشك ۔اس لیے کہ کپڑا پاک ہے۔اس سلسہ میں شک کا کوئی اعتبار نہیں۔درمختار ص۱۴۰ جلد اول۔خلاصہ تحریر یہ ہے کہ نئے کپڑے سے نماز ہو جاتی ہے۔

﴿۳۸﴾فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ کیا پاخانہ یا پیشاب کرنے کے بعد استنجاء نہ کیا اور وضو کرلیا کیا نماز پڑھ لے اگر استنجاء کرنا وضو کرنے کے بعد یاد آیا تو کیا کرے؟۔بینوا توجروا۔سائل نجیب اللہ میانوالی

الجواب: اگر ڈھیلے سے استنجاء کرلیا تھا اور نجاست مخرج سے بقدر درہم متجاوز نہ تھی تو سوائے پانی سے استنجا کرنے کے اس کی نماز ہوگئی، و عفی الشارع عن قدر درهم وان کره تحریما فیجب غسله وما دونه تنزیها فیسن وفوقه مبطل فیفرض (الدرالمختار ص۲۹۱ جلد۱) ذکر فی الذخیرة اذا کانت النجاسة فی موضع الاستنجاء اکثر من قدر الدرهم فاتجمر ای استنجی بثلثة احجار وانقاه ای موضع الاستنجاء ولم یغسله با لماء قال الفقیه ابو اللیث فی فتاویه یجزیه یعنی من غیر کراهة و کان الغسل افضل خلاصہ تحریر یہ ہے کہ اگر ڈھیلے سے

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

استنجا کرلیا اور نجاست مخرج سے بقدر سکہ والا روپیہ سے متجاوز نہیں تو سوائے پانی استنجا کرنے سے اس کی نماز مکمل ہوگئی۔ لیکن پانی سے دھونا افضل ہے۔

﴿۳۹﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ کیا عورت ساڑھی پہن کر نماز پڑھے تو جائز ہے یا نہیں؟۔ سائلہ نسیم بی بی محلہ میانہ میانوالی

الجواب: اگر رواج یہی ہے کہ عورتیں ساڑھی پہنتی ہیں تو اس میں کچھ حرج نہیں ہے نماز ہو جاتی ہے البتہ یہ ضروری ہے کہ جسم پورا ڈھانپنا چاہیے، والرابع ستر عورته ووجوبه عام ولو فی الخولة علی الصحیح الا لفرض صحیح (ردالمحتار) ووجوبه عام ای فی الصلوٰة وخارجها (ردالمحتار ص ۳۷٤ جلد ۱)

﴿٤٠﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کیا نیت زبان سے کرنا ضروری ؟ نیت دل سے بھی کی جاسکتی ہے۔ وضاحت فرمائیں؟

بینوا توجروا۔ سائل انور خان چشمہ میانوالی

الجواب: صحیح یہ ہے کہ زبان سے الفاظ نیت کہنے میں کچھ حرج نہیں بلکہ مستحب ہے لیکن ضروری ہے کہ دل میں بھی ارادہ کرے۔ حنفیہ کا محقق مذہب یہی ہے، والخامس النیة بالاجماع وهی الارادة لا العلم والمتبر فیها عمل القلب الازم للارادة والتلفظ بها مستحب وهو المختار۔ خلاصہ تحریر یہ ہے کہ اگر دل سے نیت کر لی تو ٹھیک ہے نماز ہو جائے گی۔

واللہ اعلم بالصواب

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

﴿۴۱﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، جو نجاست بدن پر لگی ہو کیا اس کو تین بار دھونا لازم ہے یا اس پر محض پانی ڈالنا ہی کافی ہے؟

بینوا توجروا۔ سائل محمد قیصر حیات محلہ میانہ میانوالی۔

الجواب: جس جگہ نجاست لگی ہوئی ہو اس کا ازالہ ضروری ہے ملنے سے ہو یا رگڑنے سے جس طرح بھی ممکن ہو اس کو دور کر کے پاک کرنا ضروری ہے، یجوز رفع نجاسته حقیقیة عن محلها بماء ولو مستعملا و بكل ماء طاهر قالع و يطهر منى اى محله يا بس بفرك والا فيغسل بلا فرق بين منيه و منيها ولا بين ثوب و بدن على الظاهر (رالدر المختار ص ۲۸۴ ج ۱)

﴿۴۲﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، وضاحت کر دیں کہ کیا دودھ پیتے بچے کا پیشاب نجس ہے؟ میری بیوی کہتی ہے کہ چھوٹے بچوں کا پیشاب پاک ہوتا ہے بینوا توجروا۔ سائل محمد اسامہ نیازی میانوالی.

الجواب: محمد اسامہ صاحب آپ کی بیوی غلط کہتی ہے۔ حدیث میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ، استنزهوا عن البول ۔ خواہ کوئی چھوٹا ہو یا بڑا پیشاب تمام کا ناپاک ہوتا ہے۔ بول صبی نجس است۔ کذا فی الفتاوی۔

﴿۴۳﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ چوہے کی مینگن کے بابت مفصل حکم کیا ہے، کھانے پینے کی چیزوں میں اگر پائی جائے تو کس حالت میں وہ چیز ناپاک ہوگی اور پھولنے اور ریزہ ریزہ ہو جانے سے نجاست کا کچھ اثر ہوگا یا نہیں؟۔

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

بینوا توجروا۔ سائل حکیم محمد اسلم خان زادے خیل میانوالی

الجواب: کھانے پینے کی اشیاء میں چوہے کی مینگنوں کے متعلق درمختار میں ہے، ان خرء ھا لا یفسد مالم یظھر اثرہ ،(الدر المختار جلد اول ص ٢٩٤) یعنی چوہے کی مینگنی کسی چیز کو ناپاک نہیں کرتی جب تک کہ اس کا اثر ظاہر نہ ہو یعنی زیادہ نہ ہوں کہ ان کا اثر ذائقہ اور رنگ وغیرہ پر ظاہر و غالب ہو جائے۔ ولا یفسد خرء الفارۃ الدھن ولا ماء والحنطۃ للضرورۃ الا اذا ظھر طعمہ اولونہ فی الدھن و نحوہ لفحشہ وامکان التحرز حنئیذ،(الدر المختار علی جلد اول ص ٢٤٠) ۔ پس کھانے پینے کی چیزوں میں چوہے کی مینگنی سے ناپاکی نہیں ہوتی۔ جب تک کہ کثیر فاحش ہو کر ان کے رنگ یا مزہ کو نہ بدل دے۔ اور ریزہ ریزہ ہونا یا پھولنا اور نا پھولنا اس بارہ میں برابر ہے۔

﴿٤٤﴾**فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، موٹا کپڑا اگر تھوڑا سا ناپاک ہو اور نچوڑنے میں تکلیف نہ ہو تو کیا اس کے نچوڑنے سے کپڑا پاک ہوگا یا نہیں؟۔ بینوا توجروا۔ سائل اظہر خان میانوالی

الجواب: اس صورت میں تین دفعہ دھونے اور نچوڑنے سے وہ کپڑا پاک ہو جائے گا، وان کانت غیر مرئینہ یغسلھا ثلاث مرات کذا فی محیط و یشترط العصر فی کل مرۃ فیما ینعصر و یبالغ فی المرۃ الثالثہ (عالمگیری جلد اول ص ٤٠)

﴿٤٥﴾**فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، میرے گھر میں کتا ہے بعض اوقات برتن میں منہ ڈال دیتا ہے پیشاب کر جاتا ہے، شرعاً کیا حکم ہے؟

بینوا توجروا۔ سائل قاسم خان میانوالی

الجواب: مٹی کا برتن کتے کے پانی پینے سے اور پیشاب کرنے سے ناپاک ہوجاتا ہے اور پھر دھونے اور خوب مٹی مل کر دھونے سے پاک ہوجائے گا۔، عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ اذا شرب الکلب فی اناء احد کم فیغسلہ سبع مرات متفق علیہ و فی روایۃ السملم و طھور اناء احد کم اذاولغ فیہ الکلب ان یغلسہ ثلث مرات اولا ھن بالتراب۔

(مشکوٰۃ ص ۵۲)

﴿۴۶﴾ فتــوی شــرعــی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، ہمارے گھر میں چپس والا فرش ہے اگر وہ ناپاک ہوجائے اور وہاں دو تین دفعہ پانی بہا دیا جائے تو ہو پاک ہوجاتا ہے یا نہیں؟۔ بینوا توجروا۔ سائل ظہور احمد میانوالی

الجواب: فرش سے نجاست دھویں تو وہ پاک ہوجاتا ہے۔، و کذا یطھر محل نجاسۃ مرئیۃ بعد جفاف کدم بقلعھا ای بزوال عینھا واثر ھا ولو بمرۃ ۔ ۔ ویطھر محل غیرھا ای غیرمرئیۃ بغلبۃ ظن غاسل طھارۃ محلھا بلا عدد بہ یفتی وقدر ذلك لموسوس بغسل و عصر ثلاثا فیما ینعصر الخ و بتثلیث جفاف ای انقطاع تقاطر فی غیرہ ای غیر منحصر (الدر المختار ص ۳۰۲ ج ۱)

﴿۴۷﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ خون آلود گوشت کو کس طرح پاک کریں؟ بینوا توجروا۔ سائل انور خان میانوالی۔

الجواب: تین دفعہ دھونے سے پاک ہوجائے گا۔ شامی میں ظہیریہ سے منقول ہے،

الصلوٰۃ والسلام علیک یا سیدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ولـو صبـت الـخـمرة فی قدر فیها لحم ان کانت نقبل الغلیان یطهر اللحم بالغسل ثلاثا ص ۲۲۳ جلد اول شامی ،)

﴿۴۸﴾ فتـوی شـرعـی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ کھڑے ہوکر پیشاب کرنا کیسا ہے؟ ۔بینوا توجروا۔ ۔سائل اسماعیل خان میانوالی ۔

الـجـواب: کھڑے ہوکر پیشاب کرنا بلاعذر مکروہ ہے اور حضورﷺ نے بلاعذر کھڑے ہوکر پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ،حضرت حذیفہؓ کی حدیث کے بعد صاحب مشکوٰۃ نے صراحت کی ہے، قیل کان ذلك لعذر (مشکوة ص ۴۳) قال السید جمال الدین قیل فعل ذلك لانه لم یجد مکانا للقعود لامتلاء الموضع بالنجاسة روی ابوهریرة کما اخرجه الحاکم والبیهقی ان النبی ﷺ بال قائما لحرج مابضده ۔ ۔ اذلم یتمکن من القعد (مرقاة شرح مشکوٰة ۲۹۶ جلد اول) جیسا کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مجھکو ایک دفعہ حضورﷺ نے کھڑے ہوکر پیشاب کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا، یا عمر لا تبل قائما فما بلت قائما بعد یعنی اے عمرؓ کھڑے ہوکر پیشاب نہ کرو تو اس کے بعد میں نے کبھی کھڑے ہوکر پیشاب نہ کیا ۔لہٰذا معلوم ہوا کہ کھڑے ہوکر پیشاب کرنا منع ہے ۔

الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

باب الغسل

(غسل کے مسائل)

﴿۴۹﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں،

کہ پلید و نجس کپڑا لپیٹ کر غسل جنابت کرنا کیسا ہے؟۔ کیا غسل ہو جائے گا۔ سائل محمد اسلم خان میانوالی۔

الجواب: نجس کپڑا پہن کر غسل کرنے کے بارے میں حضرت امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگر غسل کرنے والے نے اپنے کپڑے پر بہت پانی ڈالا تو وہ پاک ہو جائیگا اور جب کپڑا پاک ہو جائے تو وہ صحتِ غسل کو مانع نہ ہوگا۔

فتح القدیر جلد اول ص ۱۸۵ میں ہے، قال ابو یوسف فی ازار الحمام اذاصب علیه ماء کثیر وهو علیه یطهر بلاعصر اس لیے کہ غسل میں بہت زیادہ پانی ڈالنا یقیناً تین بار دھونے اور نچوڑنے کے قائم مقام ہو جائے گا۔ جیسا کہ بحر الرائق جلد اول ص ۲۳۸ میں ہے لا یخفی ان لازار المذکور اد کان متنجسا فقد جعلو االصب الکثیر بحیث یخرج ما اصاب الشوب من الماء و بخلفه غیره ثلاثا قائما مقام العصر،

لیکن لوگ عموماً بہت زیادہ پانی نہیں ڈالتے جس سے نجاست اور پھیل جاتی ہے بلکہ ہاتھ میں نجاست لگ جاتی ہے پھر بے احتیاطی سے سار بدن یہاں تک کہ برتن بھی نجس ہو جاتا ہے۔ اس لیے پاک ہی کپڑا پہن کر غسل کرنا چاہیے یا باپردہ مقام پر ننگے نہانا چاہیے۔ ہاں اگر ندی وغیرہ میں غسل کرے اور نجاست ایسی ہو کہ بغیر ملے زائل نہ ہو تو اسے مل کر دھوئے۔ اور اگر ایسی نہ ہو تو پانی کے دھکے او بہاؤ سے کپڑا خود بخود پاک ہو جائے گا۔

شامی جلد اول ص ۲۲۲ میں ہے، الجریان بمنزلة التکرار والعصر هو الصحیح۔

واللہ اعلم بالصواب

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

﴿۵۰﴾**فتویٰ شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ اگر پورے جسم پر تیل لگا ہوا ہو تو کیا غسل ہو جائے گا۔ سائل محمد زمان ولد محمد قمر میانوالی

الجواب: جب کہ عضو کے ہر حصہ پر پانی گزر جائے تو طہارت حاصل ہو جائے گی اگرچہ تیل کے سبب عضو پانی کو قبول نہ کرے۔

جیسا کہ شرح وقایہ جلد اول مجیدی ص ۷۳ میں ہے، اذا ادھن فامر الماء فلم یصل یجزی۔

﴿۵۱﴾**فتویٰ شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ میں نے اپنے دانتوں میں چاندی کی میخیں جڑوائی ہیں آیا غسل کے وقت وہاں پانی نہ پہنچنے کی وجہ سے میرا غسل صحیح ہوگا یا نہ؟۔ بینوا توجروا۔ سائل حاجی محمد رفیق زرگر میانوالی

الجواب: اگر دانتوں کو تار سے باندھنے کی وجہ سے پانی نہ پہنچے تو غسل نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر میخیں لگائی گئی تو لازم ہے بوقت غسل جنابت اتار لیا جائے ورنہ غسل نہ ہوگا۔ صاحب منیہ کی یہی تحقیق، وقیل ان صلبا منع وھو الاصح۔ درمختار جلد اول ص ۱۴۳)

﴿۵۲﴾**فتویٰ شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ جماع کرنے کے بعد جب تک پیشاب نہ کرے گا غسل نہ ہوگا یہ بات کہاں تک درست ہے؟۔

بینوا توجروا۔ سائل محمد جمیل چشتی میانوالی

الجواب: غسل کے لیے پیشاب کرنا لازم نہیں البتہ کر لینا بہتر ہے۔ صحبت کرنے کے بعد غسل کرنا البتہ فرض ہے، پیشاب کرنے پر پاکی کا دارومدار نہیں ہے

وفرض الغسل عنہ خروج منی من العضو و عند ایلاج حشفة (ردالمحتار،

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ردالمحتار البحاث الغسل ص١٤٨ ج١)

﴿٥٣﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ غسل جنابت کے لیے تمام بدن اور سر کے بال جڑ تک تر کرنے ضروری ہیں کیا عورت کو بھی جڑ تک سر کے بال تر کرنے ضروری ہیں۔؟ **بینوا توجروا۔** سائل محمد عثمان خان میانوالی۔

الجواب: عورت کو بالوں کی جڑوں میں پانی پہنچانا چاہیے، اور مرد کو بال کھول کر دھونے چاہیئے و کفی بل اصل ضفیر تھا ای شعر المراۃ المضفور للحرج اما المنقوض فیفرض غسل کلہ اتفاقاً لولم یبتل اصلھا یجب نقضھا مطلقا ھو الصحیح ولو ضرھا غسل راسھا ترکتہ (در مختار)

﴿٥٤﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، غسل کا اسلامی طریقہ لکھ دیں تا کہ مجھے اور اہل خانہ کو غسل کو طریقہ آ جائے بڑی شفقت ہوگی۔

بینوا توجروا۔ سائل محمد انور قادری میانوالی۔

الجواب: طریقہ غسل جنابت وغیرہ کا یہ ہے کہ اول ہاتھوں کو دھوئے اور بدن پر اگر نجاست ہو اس کو دور کرے، پھر پورا وضو کرے۔ پھر تمام بدن پر تین بار پانی بہا دے۔ اس طرح کہ اول داہنے مونڈھے پر، پھر بائیں مونڈھے پر، پھر سر پر تین بار پانی بہا دے۔ اور شارح نے فرمایا کہ اول سر پر تین بار پانی ڈالے، پھر باقی بدن پر تین بار پانی بہا دے۔ الغرض تمام بدن پر تین دفعہ پانی بہا دے۔ تا کہ غسل بطریق سنت ادا ہو جائے گا۔

غنیۃ میں ہے، وسنتہ الغسل ان یقدم الوضو علیہ کو ضوا الصلوٰۃ الخ وان یزیل

الصلوٰۃ والسلام علیک یا سیدی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

النجاسة الحقیقة کالمنی و نحوه عن بد نه ان کانت الخ ثم یصب الماء علی راسئه وسائر جسده ثلاثا کما فی الصحیحین عن حدیث ابن عباس قال قالت میمونةؓ وضعت للنبی صلی الله علیه وسلم غسلا فسترته بثوبٍ فصب علی یدیه فغسلهما ثم ادخل یمینه فی الاناء فافرغ بها علی فرجه ثم غسله بشماله ثم ضرب۔ بشماله الارض فد لکها د لکا شدیدا ثم غسلها فمضمض واستنشق و غسل وجهه و ذراعیه ثم افرغ علی راسه ثلاث حثیات ملاء کفیه ثم غسل سائر جسده ثم تنحی فغسل قد میه۔ فنا و لة ثو بافلم یا خذه فانطلق وهو ینقض یدیه۔

﴿۵۵﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ ایک شخص اپنی بیوی سے ہم بستر ہوا۔ صبح کو اس کی بیوی حائضہ ہوگئی۔ تو اس کی بیوی پر غسل جنابت فرض ہوا یا نہیں؟۔ بینواتوجروا۔ سائل قمرالزمان خان میانوالی۔

الجواب: غسل جنابت اس پر فرض نہیں رہا حیض سے پاک ہو کر غسل کرے جیسا کہ در المختار صفحہ ۱۵۳ میں ہے، وفرض الغسل عند القطاع حیض و نفاس ای یجب عنده عند تحقق الا نقطاع و نحوه والمراد بعده (کذا فی البحر الرائق)

﴿۵۶﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ جس شخص نے ایک شب میں کئی بار جماع کیا ہو اور صبح اٹھ کر ایک بار غسل کرلے تو کیا درست ہے؟۔ بینواتوجروا۔ سائل مشتاق میانوالی

الجواب: ایک غسل کافی ہے، عن انس قال کان النبی صلی الله علیه وسلم

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

یطوف علی نسائه بغسل واحدرواه مسلم (مشکوۃ باب فحالطة الجنب، ما یباح له ص ۴۹)

﴿۵۷﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ میں نے نجس کپڑا پہن کر غسل جنابت کیا اور غسل کے درمیان کپڑا تن سے جدا نہیں کیا غسل ہو گیا یا نہیں؟۔بینوا توجروا۔سائل غلام مرتضیٰ انصاری میانوالی

الجواب: نجس کپڑا پہن کر غسل کرنے کے بارے میں حضرت امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگر غسل کرنے والے نے اپنے کپڑے پر بہت پانی ڈالا تو وہ پاک ہو جائے گا اور جب کپڑا پاک ہو جائے تو وہ صحت غسل کو مانع نہ ہوگا۔فتح القدیر جلد اول ص ۱۸۵ میں ہے،

قال ابو یوسف فی ازارالحمام اذاصب علیه ماء کثیر وهو علیه یطهر بلا عصر

اس لیے کہ غسل میں بہت زیادہ پانی ڈالنا یقیناً تین بار دھونے اور نچوڑنے کے قائم مقام ہو جائے گا۔جیسا کہ بحرالرائق جلد اول ص ۲۳۸ میں ہے، لا یخفی ان الا زار المذکور وان کان متنجسا فقد جعلوا الصب الکثیر بحیث یخرج ما اصاب الثوب من الماء ویخلفه غیره ثلاثا قائما مقام العصر۔

﴿۵۸﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، جس شخص کو میت کے غسل کا علم نہ ہو اور وہ غسل دے دے تو کیا حکم ہے؟ سائل محمد احسن محلہ گئو شالہ میانوالی۔

الجواب: اس پر شرعاً کوئی گناہ نہیں ہے۔لیکن حتی الوسع غسل میت اس شخص سے کرنا چاہیے جو طریق سنت کے موافق میت کو غسل دے سکے۔میت کو غسل دینے کا طریقہ کسی صاحب علم آمی سے سیکھنا چاہیے۔

الصلوۃ والسلام علیک یا سیدی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

﴿۵۹﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ اگر کسی کی بیوی مرجائے تو کیا وہ اپنی بیوی کو دیکھ سکتا ہے یا نہیں؟ اور بیوی کے لیے کیا حکم ہے اگر اس کا شوہر فوت ہوجائے تو کیا وہ اسے دیکھ سکتی ہے یا نہیں؟۔ سائل غلام احمد علو والی میانوالی

الجواب: اگر زوجہ مرجاوے تو اس کے شوہر کو اس کا دیکھنا جائز ہے لیکن ہاتھ نہ لگائے۔ اسی طرح عکس اس کا درست ہے۔ جیسا کہ الدر المختار صفحہ ۸۰۲ جلد اول میں ہے، و یمنع زوجها من غسلها و مسها لا من النظر اليها على الاصح وهي تمنع من ذالك و لو ذمية۔

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
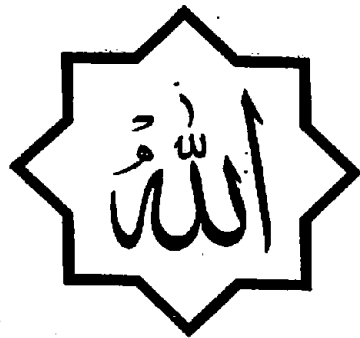
الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

باب الوضوٗ

(وضو کے مسائل)

﴿۶۰﴾ فتـوی شـرعـی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ میرے والد ضعیف العمر ہیں نظر بھی کمزور ہو گئی ہے۔ فالج نے مفلوج کر دیا ہے۔ لیکن نماز کے پابند ہیں۔ نماز کے وقت روتے ہیں کہ میری نماز قضاء ہو جائے گی۔ انکی بیماری کا کافی علاج کرایا ہے کہ ان کو ہر وقت پیشاب کے قطرے آتے ہیں وہ نماز کیسے ادا کریں۔ بینوا توجروا۔ سائل محمود احمد خان ولد سردار خان میانوالی

الـجـواب: وہ شخص کہ جسے ہر وقت پیشاب کا قطرہ آنے کی بیماری ہے اگر نماز کا ایک وقت پورا ایسا گذر گیا کہ وضو کے ساتھ نماز فرض ادا نہ کر سکا تو وہ معذور ہے اس کا حکم یہ ہے کہ فرض نماز کا وقت ہو جانے پر وضو کرے اور آخر وقت تک جتنی نمازیں چاہے اس وضو سے پڑھے اس وقت میں پیشاب کا قطرہ آنے سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔ پھر اس فرض نماز کا وقت چلے جانے سے وضو ٹوٹ جائے گا۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اول مطبوعہ مصر ص ۳۸ میں ہے۔ لمستحاضة و من به سلس لبول لواستطلاق لبطن لوانفلات لريح لورعاف دائم لوجرح لا يرقأ يتوضون لوقت كل صلوة و يصلون بذلك لوضو في لوقت ما شاء ولمن لفرائض ولنوافل هكذا في لبحر۔ ويطل لوضوء عند خروج لوقت لمفروضة بلحدث لسابق هكذلفي لهداية وهو لصحيح هكذا في لمحيط في نواقض لوضو۔

﴿۶۱﴾ فتـوی شـرعـی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، میری شادی کو چھ ماہ گزر چکے ہیں میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے نماز کی پابند ہوں۔ میں خوبصورتی کے لیے ناخن پالش لگاتی ہوں۔ میرے سسر کہتے ہیں اس کے استعمال سے نہ وضو ہوتا ہے اور نہ غسل کیا میرے سسر سچ کہتے ہیں۔ از روئے شرع میری راہنمائی فرمائی جائے۔

سائلہ: آئنلہ غلام سکینہ بی بی میانوالی۔

الجواب: ناخن جسم کے ان حصوں میں ہے جسے وضو کرتے وقت دھونا ضروری ہے اور اعضاء وضو پر کسی واقعی ضرورت کے بغیر ایسی چیز لگالینا جو پانی کو جسم تک پہنچنے نہ دے وضو کے درست ہونے مین رکاوٹ ہے۔ وضو اسی وقت صحیح ہوگا جب اس کو کھرچ دیا جائے۔ اس لیے وضو کرتے وقت ضروری ہوگا کہ ناخن کی تہہ تک پانی پہنچایا جائے۔ جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ: اولزق باصل ظفره طين يا لبس اورطب لم يجز۔ اگر اس کے اصل ناخن سے خشک یا مرطوب مٹی چمٹی ہوئی ہو اور اس پر سے پانی گزار دیا جائے تو کافی نہ ہوگا۔ الفتاویٰ ہندیہ جلد ۱ صفحہ ۴

﴿۶۲﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ وضو میں گھنی داڑھی کا دھونا فرض ہے یا نہیں؟ ۔بینوا توجروا۔ سائل محمد ذیشان نیازی میانوالی

الجواب: درمختار میں ہے، وغسل جميع اللحية فرض يعني عملياً ايضا على المذهب المفتى به المرجوع اليه وما عد اهذاه الرواية مرجوع عنه كما فى البدائع الخ(درمختار) قوله و ماعدا هذه الرواية اى من رواية مسح الكل اوالربع اوالثلث اوما يلاتى البشرة او غسل الربع اوالثلث ۔اس سے معلوم ہوا کہ کل داڑھی کا دھونا فرض ہے۔ مسح کرنا کافی نہیں۔ اور گھنی داڑھی ہو تو نیچے جلد تک پانی کا پہنچانا ضروری نہیں ہے۔ البتہ ہلکی ہو تو ضروری ہے کہ چمڑے تک پانی پہنچایا جائے۔ درمختار میں ہے،

ثم الاخلاف ان المسترسل لا يجب غلسه ومسحه بل يسن وان الخفيفة التى ترى بشرتها يجب غسل ما تحتها كذا فى النهر فى البرهان يجب غسل

بشرۃ لم یسترھا الشعر کحاجب و شارب۔

اور قاضی خان میں ہے، ولا یجب ایصال الماء الیٰ منابت الشعر الاان یکون الشعر قلیلا یبدی المنابت ۔ خلاصہ عبارت یہ ہے کہ جو داڑھی کے بال چہرے سے ملتے ہیں انکا دھونا اور چمڑے تک پانی پہنچانا ضروری ہے مسح کافی نہیں۔

﴿۶۳﴾فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ جماعت فوت ہونے کا اندیشہ ہے تو فرض وضو ادا کر کے شریک ہونا چاہیے یا تمام سنتیں پوری کر کے علیحدہ نماز پڑھنی چاہیے۔ بینوا توجروا۔ سائل ظفراللہ خان میانوالی۔

الجواب: سنن وضو کا پورا کرنا ضروری ہے اگر چہ جماعت ختم ہو جائے، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسبغو الوضوء رواہ مسلم (مشکوۃ باب سنن الوضو، فصل اول) ای اتموہ باتیان جمیع فرائضہ و سننہ اواکملو اواجباتہ (مرقاۃ ص ۳۱۰ ج ۱)۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ وضو میں فرائض وسنتوں کا پورا کرنا ضروری ہے۔

﴿۶۴﴾فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ میری آنکھ میں ضرب لگی پانی بہنا شروع ہو گیا ہمارے امام صاحب نے کہا وضو ٹوٹ گیا ہے۔ کیونکہ آنکھ سے نکلنے والا پانی ناپاک ہوتا ہے۔ حضرت صاحب آپ اس مسئلہ کے بارے میں وضاحت کریں؟۔ بینوا توجروا۔ سائل محمد سفیراللہ خان میانوالی

الجواب: آنکھ دکھنے میں جو پانی نکلتا ہے اس میں تحقیق یہ ہے کہ وہ پانی کسی مرض کی وجہ سے آرہا ہے۔ یعنی پیپ ہے تو ناقص وضو ہے اگر پیپ وغیرہ نہیں صرف پانی ہے تو وہ ناقص وضو نہ

الصلوۃ والسلام علیک یا سیدی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ہے۔ علامہ ابن ہمام علیہ الرحمۃ کی یہی تحقیق ہے۔ حسب قاعدہ مذکورہ شامی میں ہے غنیۃ سے منقول ہے، وعن لحمد اذا کان فی عینیه رمد و تسیل الدموع منها المره بالو ضو لوقت کل صلوٰة لانی اخاف ان یکون مایسیل منها صدیدا فیکون صاحب العذر اه قال فی الفتح و هذا التعلیل یقتضی انه امر استحباب فان الشك و الاحتمال لا یوجب الحکم بالنقض اذا لیقین لا یزول بالشك ،

پس اس تحقیق کی بنا پر وہ پانی جو دکھتی آنکھ سے نکلے جب تک متغیر نہ ہو مثلاً اس میں سرخی وغیرہ نہ ہو بلکہ صاف پانی ہو تو وہ ناقص وضو نہ ہوگا اور نجس بھی نہ ہوگا، اگر کپڑے یا جسم پر لگے تو وہ بھی ناپاک نہ ہوں گے۔

﴿۶۵﴾ فتویٰ شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، مجھے بواسیر ہے۔ کبھی کبھی اٹھتے بیٹھتے رطوبت کپڑے کو لگتی ہے تو اس صورت میں وضو ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟ اور کپڑا ناپاک ہوتا ہے یا نہیں؟ ۔بینوا توجروا۔ سائل محمد اویس خان نیازی میانوالی۔

الجواب: جو رطوبت زخم سے باہر نہ بہے اور سائل نہ ہو اس سے وضو نہیں ٹوٹتا،

وینقضه خروج کل خارج نجس منه الخ الی ما یطهر الخ ثم المراد بالخروج من السبیلین مجرد الظهورو فی غیر هما عین السیلان ولو بالقوة قالو ومسح الدم کلما خرج ولو ترکه لسال نقیض والا لا کما لو سال فی باطن عین اوجرح الخ (در مختار) و فی السراج عن الینا بیع الدم السائل علی الجراحة اذالم تجاوز و قال بعضهم هو طاهر حتی لو صلی رجل بجنبه دصابه منه اکثر من قدر الدرهم

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

جازت صلوته و هذااخذ الکرخی وهو الاظهر الخ (ردالمحتار، مطلب نواقض الوضو ص ۱۳۴ ج۱)

اور کپڑا ابھی ناپاک نہیں ہوتا کیونکہ قاعدہ کلیہ فقہاء لکھتے ہیں ما لیس بحدث لیس بنجس۔

پس جوصورت آپ نے تحریر فرمائی ہے اس میں وضوٹو ٹتا ہے اور نہ کپڑا ناپاک ہوتا ہے۔

﴿۶۶﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ میں نے وضو کیا۔ اپنی بیوی کی طرف شہوت کی نظر سے دیکھا پھر اسے ہاتھ لگایا کیا ایسا کرنے سے وضو ٹوٹ گیا یا نہیں؟۔　　　بینوا توجروا۔ سائل محمد اکرم ملک میانوالی

الجواب: نظر بالشہوت سے اگر خروج مذی وغیرہ نہ ہوا ہو تو وضو نہیں ٹوٹتا، لا ینقضه مس ذکرالخ ومراة وامرد (الدر المختار، ردالمحتار نواقض الوضو ص ۱۳۶ ج ۱)

لہذا ذکر اور بیوی کو ہاتھ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

﴿۶۷﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ میں نے غسل جنابت کیا اور ساتھ ہی وضو بھی کرلیا کیا اسی وضو سے نماز ادا کرسکتا ہوں یا نہیں؟۔

بینوا توجروا۔ سائل جنید خان میانوالی۔

الجواب: جائز ہے۔ نماز فرض اور نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں عن عائشة قالت كان النبی صلى الله عليه وسلم لا يتوضا بعد الغسل رواه الترمذی (مشكواة باب الغسل ص ۴۸) لا يتوضا بعد الغسل ای اكتفاء بوضوءه الاول فی الغسل وهو سنة (مرقاة ص ۳۳۸ ج ۱)

لہذا آپ نے بوقت غسل وضو کیا اسی وضو سے آپ نماز وغیرہ پڑھ سکتے ہیں۔

﴿۶۸﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ عورتیں وضو میں سر کا مسح کس طرح کریں۔ پیر صاحب پوری وضاحت سے لکھ دیں؟ سائلہ انعم گل میانوالی۔

الجواب: وضو میں سر کا کے مسح کا مستحق طریقہ دو طرح ہے، اول یہ کہ پوری ہتھیلیاں انگلیوں کے سرے تک تر کر کے پھر انگوٹھے اور کلمے کی انگلی کے سوا ایک ہاتھ کی باقی تین انگلیوں کا سرا دوسرے ہاتھ کی باقی تین انگلیوں کے سرے سے ملائے اور پیشانی کے بال یا کھال پر رکھ کر گدی تک مسح کرتا ہوا اس طرح لے جائے کہ ہتھیلیاں سر سے جدا رہیں پھر وہاں سے ہتھیلیوں سے مسح کرتا ہوا آگے تک واپس لائے جیسا کہ جوہرہ نیرہ، عنایہ اور کفایہ میں ہے،

واللفظ للكفاية كيفيته ان يضع من كل واحدة من اليدين ثلاث اصابع على مقدم راسه ولا يضع الابهام والمسبحة ويجافي كفيه و يمد هما الىٰ القفاثم يضع كفيه على موخر راسه و يمد هما الىٰ المقدم۔

فتاویٰ رضویہ میں مسح کے اس طریقہ کو بہتر فرمایا اور بہار شریعت میں اسی طریقے کو بیان کیا گیا۔ اور مسح کا دوسرا مستحب طریقہ یہ ہے کہ سب انگلیاں سر کے اگلے حصے پر رکھے اور ہتھیلیاں سر کی کروٹوں پر اور ہاتھ جمائے ہوئے گدی تک کھینچتا لے جائے بس جیسا کہ فتاویٰ قاضی خان اور عالمگیری میں ہے، واللفظ للهندية يضع كفيه واصابعه على مقدم راسه و يمدهما الىٰ قفاه علىٰ وجه يستوعب جميع الراس۔ شرح وقایہ اور عمدۃ الرعایہ میں اسی دوسرے طریقے پر جزم کیا اور فتاویٰ رضویہ میں فرمایا کہ سر کے مسح میں ادائے سنت کا یہ طریقہ بھی کافی ہے۔

ردالمحتار اور بحرالرائق میں ہے، قال الزيلعي تكلموا في كيفية المسح والاظهر ان يضع

الصلوٰۃ والسلام علیک یا سیدی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کفیہ واصابعہ علی مقدم راسہ و یمد ھما الی القفا علی وجہ یستوعب جمیع الراس، طحطاوی علی المراقی میں فرمایا، وقال الزاھدی ھکذا روی عن ابی حنیفۃ و محمد رحمھما اللہ تعالیٰ ۔ لہٰذا عورتیں اور مرد بھی اگر پوری انگلیاں اور ہتھیلیاں سر کے اگلے حصے پر جما کر گدی تک لے جائیں اور پھر ہاتھ پیشانی پر واپس نہ لائیں تو ادائے مستحب کے لئے یہ طریقہ بھی کافی ہے،

﴿٦٩﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ مسواک کی جگہ ٹوتھ پیسٹ اور برش استعمال کیا جائے تو کیا سنت ادا ہو جائے گی ۔ از روئے شرع جواب دیں تا کہ میری تسلی ہو جائے ۔ بینوا توجروا ۔ سائل محمد مطیع اللہ محلہ میانہ میانوالی

الجواب: مسواک کے دو پہلو ہیں ایک مسواک کا اصل مقصود اور یہ ظاہر ہے کہ نظافت اور صفائی ستھرائی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ اتنے دنوں تک مسواک نہ کرنا کہ منہ میں بدبو پیدا ہو جائے اور دانتوں پر زردی آ جائے یہ مکروہ ہے ۔ دوسرا پہلو سنت مسواک کا ہے وہ چیز جس کے ذریعے دانتوں کی صفائی کا کام لیا جائے ۔ ٹوتھ پیسٹ، برش اور منجن کے ذریعہ مسواک کی پہلی سنت ادا ہو جائے گی شیخ سید سابقؒ کہتے ہیں ۔ وان کانت السنۃ تحستصل بکل مایزیل صفۃ الاسنان فینظف الفم کالفرشۃ ونحوھا (فقہ اسنۃ جلد ۱ ص ٤٥) دوسری سنت اسی وقت پوری ہوگی جب کہ مسواک لکڑی کی ہو اور اسی ہیئت کی ہو جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے ۔

واللہ اعلم بالصواب

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

﴿۷۰﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، موئے زیرناف کا شرع میں کیا حکم ہے؟ ان کی حد کیا ہے ان کی صفائی کے لیے مقررہ مدت شرعی کیا ہے۔؟

بینوا توجروا۔ سائل کریم بخش میانوالی۔

الجواب: زیرناف بالوں کا صاف کرنا انبیاء و مرسلین کی سنت ہے۔ احادیث مبارکہ میں اس کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ اور ان کے ترک پر بھی وعید نازل ہوئی ہے۔ روی الشیخان عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال خمس من الفطرۃ الختان، والا ستحداد و قص الشارب، و تقلیم الاظافر و نتف الابط (متفق علیہ (ابوداؤد، الترجل، ترمذی) نسائی ۱/۱۴۱، ۱۲۹/۷ ابن ماجہ (۲۹۲)، احمد ۲/۲۲۹، حمیدی (۹۳۶)، عبدالرزاق (۲۰۲۴۳) ابو عوانہ ۱/۱۹۰، ابن ابی شیبۃ ۱/۱۹۵/۵۸۹ ، بخاری الادب المفرد (۱۲۵۷،۱۲۹۳) سبل الھدی والرشاد (۳۴۹/۷) زرقانی شرح موطا ۲۸۴/۴) حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا پانچ چیزیں سنت ہیں، ختنہ کرنا، زیرناف بالوں کا ازالہ، کبیں تراشنا، ناخن اتارنا اور بغلیں صاف کرنا۔ ہر ہفتے میں ایک مرتبہ زیرناف بالوں کو مونڈنا اور سارے جسم کی صفائی کرنا مستحب ہے۔ جمعہ کے دن افضل، چالیس یوم سے زائد چھوڑنا مکروہ ہے اور باعث گناہ

(ردالمختار ج۶ ص۴۰۶)

عالمگیری میں ہے، الافضل ان یقلم اظفارہ و یحفی شاربہ و یحلق عنتہ و ینظف بدنہ بلا غتسال فی کل اسبوع مرۃ، فان لم یفعل ففی کل خمسۃ عشر یوما ولا یعذر فی ترکہ وراء الاربعین، فالا سبوع ہو الافضل و الخمستۃ عشر الاوسط

والاربعون الابعد ولا عذر فیما و راء الاربعین و یستحق الوعید۔

(عالمگیری ج ۵ ص ۳۵۷)

طبرانی کی ایک ضعیف روایت میں مرفوعاً حضرت علیؓ سے بیان کیا گیا ہے کہ ناخن اتارنے، بغلیں صاف کرنے اور موئے زیر ناف کیلئے جمعرات کا دن ہے اور غسل، خوشبو اور لباس بدلنے کے لیے جمعہ کا دن مخصوص ہے۔ اور فضائل میں ضعیف احادیث پر یقین کر لیا جاتا ہے۔

مرزا خان البرکی اپنی کتاب سیرت میں حدیث نقل فرماتے ہیں، من احتجم او اطلی یوم السبت والدربعاء فلا یلومن الانفسه فی الوضح (نظم الدرر و لمرجان فی تلخیص سیر سید الانس والجان، باب ذکر حجامنته صلی اللہ علیہ وسلم)

حضورﷺ نے فرمایا جس نے ہفتہ اور بدھ کر پچھنے لگوائے یا نورہ لگایا (زیر ناف بال صاف کرنے کے لیے) اگر وہ برص میں مبتلا ہو تو اپنے آپکو ملامت کرے۔

ہر ہفتے ناپسندیدہ بالوں کا ازالہ ذہن کی آسودگی لاتا ہے۔ بالوں کو چھوڑے رکھنا گھٹن، شکستہ دلی اور کبیدگی کا باعث ہوتا ہے۔ حکماء کی رائے میں بدن سے ان بالوں کا جلد دور کرنا قوت باہ میں اضافہ کا باعث ہوتا ہے، عن انس بن مالك قال انس مرقت لنافی قص الشارب و تقليم الاظفار و نتف الاطبر و حلق العاته ان لا نترك اكثر من اربعين ليلة (صحيح و مسلم ج ۱، ص ۱۲۹ ترمذی (۲۷۵۸) ا، ابن حة (۲۹۵) بهيقی ج ۱ ص ۱۵۰)

حضرت انس بن مالک سے مروی ہے فرماتے ہیں، کہ مونچھیں اور ناخن ترشوانے اور بغل کے بال اکھیڑنے اور موئے زیر ناف مونڈنے میں ہمارے لیے یہ وقت مقرر کیا گیا ہے کہ چالیس رات دن

سے زیادہ نہ چھوڑیں (یعنی چالیس دن کے اندر اندر ضرور کرلیں) یہ حد اکثر ہے اور حد اقل کا کوئی بیان نہیں۔ ہر جمعہ کو مستحب ہے (اکما ل ء اکمال المعلم شرح مسلم ج ۱ ص ۳٦)

صاحب بہار شریعت نے مسلم شریف کے حوا۔لے سے لکھا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو موئے زیر ناف کو نہ مونڈے اور ناخن نہ تراشے اور مونچھ نہ کاٹے وہ ہم میں سے نہیں۔ مرد کے لیے سیفٹی ریزر یا استرا کا استعمال بہتر ہے کیونکہ یہ مرد کے لے باعث تقویت ہے اور یہی مقصود ہے۔ تاہم حضور پاک ﷺ سے نورہ (پاؤڈر) لگانا بھی ثابت ہے۔ اسی طرح مونڈنے کی بجائے ہرتال، یا بال صاف کرنے والا صابن بھی استعمال کرنا جائز ہے۔ امام نووی نے بلیڈ کے استعمال کو افضل قرار دیا ہے۔ الغرض ناگوار بالوں کے ازالہ کے لیے کوئی طریقہ بھی استعمال کرے سنت ادا ہو جائے گی۔ کیونکہ اصل مقصود نظافت ہے۔ احادیث میں حلق کے الفاظ اغلبیت کی بناء پر آئے ہیں (مرقاۃ ج ۸ ص ۲۹۸) ناف کے نیچے سے شروع کرے یاد رہے جنابت کی حالت میں بال صاف کرنا ممنوع ہے۔

روی خالد مرفوعا من تنور قبل ان یغتسل جاء تہ کل شعرۃ فتقول یا رب سلہ لم ضعینی ولم یغلسنی کزافی شرح شرعۃ الاسلام عن محمع الفتاویٰ (طحطاوی برمراقی الفلاح ۳٤۱)

عورت کے لیے بال اکھیڑ ڈالنا سنت ہے (عالمگیری وردالمختار)

لان النتف یضعف الشھوۃ والحق یقویھا فا جلدر لمراۃ تنضعیفھا وللمرء تقویتھا۔ (الادب المفرد) تاھم تستحد المغیبۃ والی روایت سے پتہ چلتا ہے عورت کے

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

لیے استحداد بھی جائز ہے۔

زرقانی نے ابن عربی کے حوالے سے لکھا ہے،فقال ان کانت شابة فالنتف اولی فی حقها لانه یربو مکان النتف و ان کانت کهلة فالاولی لها الحلق لان النتف یرخی المحل و لو قیل فی حقها مطلقا لما بعد (زرقانی شرح مئوطا ج ٤ ص ٢٨٥)

دبر کے بال صاف کرنے کے بارے میں اگرچہ حدیث شریف اور سنت صحابہ میں کوئی چیز نہیں ملتی (نیل الاوطار) تاہم استنجا کے دوران غلاظت سے محفوظ رہنے کے لیے لازمی ہے کہ پاخانہ کے مقام کے اردگرد کے بالوں کو ضرور صاف کرے۔ یہ مستحب ہے۔

سینہ اور پشت کے بالوں کو اتارنا خلاف ادب ہے۔ تاہم پیٹ کے بالوں کی رخصت ہے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بعض لوگ غسل خانہ یا پاخانہ میں موئے زیرناف مونڈ کر چھوڑ دیتے ہیں۔ ایسا کرنا درست نہیں بلکہ ان کو ایسی جگہ ڈال دیں کہ کسی کی نظر نہ پڑے، یا زمین میں دفن کر دیں۔

﴿٧١﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، میری پنڈلی میں ایک پھوڑا تھا جس میں سوراخ ہو کر مواد خارج ہو گیا وہ سوراخ ابھی باقی ہے اور اس میں سے اب بھی پانی کی طرح مواد خارج ہو رہا ہے۔ زخم کی شکل نہیں ہے۔ اس پر پٹی بندھی ہوئی ہے۔ تو کیا میں ظہر کے وضو سے عصر اور عصر کے وضو سے مغرب کی نماز پڑھ سکتا ہوں؟۔

بینوا توجروا۔ سائل محمد ایوب خان میانوالی۔

الجواب: اگر اس سوراخ میں سے ہر وقت کچھ نہ کچھ مواد نکلتا رہتا ہے تو وہ شخص معذور ہے۔ اس کو ایک وضو سے دوسرے وقت کی نماز پڑھنا درست نہیں ہے۔ وقت کے نکلنے سے اس کا

وضوٹوٹ جاتا ہے۔دوسرے وقت کے لیے پھر تازہ وضوکرنا چاہیے۔درمختار میں ہے،

وحکمه الوضوء لکل فرض فاذا خرج الو قت بطل اورمعذورکی تعریف یہ ہے کہ ابتداء اس کوایسی نوبت آئی ہوکہ تمام وقت اتنی دیرکوبھی مواد نکلنا نہ رکا ہوجس میں وضوکرکے نماز پڑھ سکے۔درمختار میں ہے وصاحب عزر من به سلسل البول (ای ولیسیل من الدمع شامی) ان استوعب عذره تمام وقت صلوٰة مفروضة بان لا یجد فی جمیع وقتهاازمنا یتوضا ویصلی فیه خالیا عن الحدث وهذا فی حق الابتداء وفی حق البقاء کفی وجوده فی جزء من الوقت ولومرة ۔ (الدرالمختار ص ۲۸۱ ج ۱)
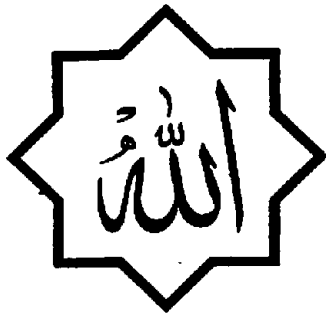
باب التیمم

(تیمّم کے مسائل)

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

﴿۷۲﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ ہمارے گاؤں کی عورتیں گوبر اور مٹی سے دیواروں کو لیپا دیا کرتی ہیں۔ اور ہماری مسجد کے امام نے کہا ہے کہ لیپا والی مٹی پاک ہے کیا اس دیوار سے تیمم درست ہے۔ سائل محمد یار ولد غلام یٰسین میانوالی

الجواب: مٹی کے ساتھ گوبر ملا کر لیپا جائز نہیں ہے۔ کہ وہ نجاست غلیظہ ہے۔ بہار شریعت حصہ دوم طبع لاہور ص ۹۸ پر ہے گائے بھینس کا گوبر اور بکری اونٹ کی مینگنی سب نجاست غلیظہ ہے۔ اور فتاویٰ عالمگیری جلد اول مصری ص ۴۳ پر ہے، اخثاء البقر نجس نجاسة غليظة هكذافي فتاوىٰ قاضي خان اور اس سے تیمم کرنا بھی جائز نہیں کہ تیمم کے لیے مٹی کا پاک ہونا ضروری ہے۔

﴿۷۳﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، مجھے سردی کے اثر سے نزلہ ہو جاتا ہے تو میں ایام سرما میں صبح یا اور کسی سخت سردی کے وقت بخوف نزلہ و زکام بجائے غسل جنابت تیمم کرنا اور اس تیمم سے نماز فجر یا اور کسی اور نماز کو ادا کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ سائل محمد فاروق چوہدری میانوالی۔

الجواب: تیمّم کرنے کے لئے پانی سے عاجز ہونا شرط ہے۔ خواہ وہ اس وجہ سے ہو کہ پانی نہ ہے یا اس وجہ سے کہ پانی کے استعمال سے مرض کی زیادتی و امتداد کا خوف ہ یا سردی کی وجہ سے ہلاکی یا بیماری کا اندیشہ ہے اور پانی نہیں مل سکتا۔ پس اگر ان امور میں سے کوئی امر پایا جاوے تو تیمم جائز ہے۔ ورنہ جائز نہیں۔ صورت مسئولہ میں اگر سرد پانی سے مرض کا اندیشہ ہو تو گرم پانی سے غسل کرنا چاہیے۔ اگر گرم پانی سے بغلبۂ ظن یا مستند ڈاکٹر اندیشہ مرض کا ہے تو تیمم جائز ہے

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ورنہ نہیں۔او لمرض یشتد او یمتد بغلبة ظن او قول حاذق مسلم ولو تبحرب او برد یهلك الجنب و یمرضه (الدر المختار ص۲۱۵ ج۱،ص)

﴿۷۴﴾فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، اسلم بوجہ جلدی تیمم کر کے نماز جنازہ میں شریک ہو گیا تھا بعد فرض نماز بھی اسی تیمم سے پڑھ سکتا ہے یا باقاعدہ وضو کرنا پڑے گا؟۔ **بینوا توجروا**۔ سائل محمد اکرم خان نیازی میانوالی۔

الجواب: اس تیمم سے نماز فرض وقتیہ نہیں پڑھ سکتا۔ وضو کر کے نماز وقتیہ پڑھنی چاہیے البتہ نماز جنازہ پڑھ سکتا ہے۔ هکذا فی کتب الفقه، وجاز التیمم ، لخوف فوت صلاة جنازة (الدرالمختار ص۲۲۳ ج۱)

﴿۷۵﴾فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ میرے عزیز کو احتلام زیادہ ہوتا ہے اور بوجہ سردی کے غسل کرنے سے زکام ہو کر بخار ہو جاتا ہے اور اگر دس بجے دن غسل کیا جائے تو زیادہ نقصان نہیں ہوتا۔ اس حالت میں تیمم سے صبح کی نماز ادا کرے تو صحیح ہے یا نہیں؟ اور تیمم غسل اور وضو کا کرے یا صرف غسل کا؟ سائل محمد ایوب انصاری میانوالی

الجواب: مرض کے خوف سے جبکہ گرم پانی بھی مضر ہو یا گرم پانی میسر نہ ہو تیمم کر کے نماز پڑھنا درست ہے، اولمرض یشتد او یمتد بغلبه ظن اوقول حاذق مسلم الخ او برد یهلك الجنب او یمرضه الخ تیمم لهذه الاعذار کلها

(الدرالمحتار ص۲۱۶ ج۱)

اور تیمم غسل اور وضو کا ایک ہی ہے ایک تیمم دونوں کے لیے کافی ہے پھر نو یا دس بجے جبکہ غسل مضر نہیں

ہے غسل کر کے ظہر وعصر وغیرہ کی نمازیں پڑھے، اور احتلام اور نجاست کی جنابت کا ایک ہی حکم ہے (یعنی دونوں موجبات غسل ہیں۔ والمعانی الموجبة للغسل انزال المنی علی وجه الدفق والشهوة من الرجل وامراة حالة النوم و اليقظة (هدایه ص ۳۷) ۔

﴿۷۶﴾ فتــوی شــرعــی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ میری بیوی اپنے بچہ کو دودھ پلاتی ہے بچے کا پاخانہ پیشاب اکثر ان کے کپڑوں پر گرتا ہے اس خوف سے کہ متواتر غسل سے بچہ بیمار ہو جائے گا یا میں خود بیمار ہو جاؤں گی نہاتی نہیں تو اس وجہ سے کیا اس کو قرآن پڑھنا جائز ہوگا یا نہیں؟۔ سائل محمد انور خان ایڈووکیٹ میانوالی

الجواب: اگر بار بار کے غسل سے اس کو اپنے یا بچہ کی بیماری کا خوف ہو تو تیمم کر کے نماز پڑھ لیا کرے، پھر دھوپ کے وقت یا گرم پانی سے غسل کر کے ان نمازون کا اعادہ واجب ہے۔ اور تیمم کے بعد تلاوت قرآن شریف بھی درست ہے۔ یہاں پر عورت کو جنبی فرض کر لیا گیا ہے۔ ورنہ صرف بچہ کے پیشاب یا پاخانہ سے نہانا واجب نہیں ہوتا، جس حصہ میں نجاست لگی ہے اس کو دھو لینا اور کپڑا بدل لینا کافی ہے فقہاء نے ہلاکت اور بیماری یا پانی کے استعمال پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں جنبی (ناپاک) کو تیمم کی اجازت دی ہے، من عجز عن استعمال الماء لبعده میلا او برد يهلك الجنب اويمرضه (درمختار) ای من ثوب يلبسه اومكان ياويه قال فی البحر فصار الاصل انه متى قدر على الا غتسال بوجه من الوجوه

لا یباح لہ التیمم اجماعا (ردالمحتار ۲۱۶ ج ۱)

﴿۷۷﴾فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، میرے والد فالج کا مریض ہے اور کوئی ملازم بھی نہیں ہے۔ وضو کرنے سے مجبور ہو اور گرم پانی کے بغیر وضو نہیں کرسکتا ہے تو کیا وہ تیمم کرکے نماز پڑھ سکتا ہے، نیز موزے پر مسح درست ہے؟

سائل محمد سرور زرگر میانوالی

الجواب: وہ شخص تیمم کرسکتا ہے اور وضو کرنے کے بعد اگر چمڑے کے موزے پہنے تو ایک دن رات یعنی مقیم پانچ نمازوں کے وضو میں سے ان موزوں پر مسح کرسکتا ہے۔ اور اگر موزے پہنے ہوئے تیمم کی ضرورت ہوئی مثلاً وضو کرانے والا موجود نہیں یا گرم پانی موجود نہیں جس کی وجہ سے تیمم درست ہے تو موزہ پہنے ہوئے تیمم کرسکتا ہے تیمم کے لئے موزہ نکالنے کی ضرورت نہیں ہے۔ درمختار میں، ان اعذار میں جن میں تیمم جائز ہے یہ بھی لکھا ہے،

اولم یجد من یوضیہ فان وجد ولو باجر مثل ولہ ذلک لا یتیمم ۔الدر المختار ص ۲۱۵ ج ۱)

﴿۷۸﴾فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ اگر کسی عضو پورے پر یا اس سے کم وبیش پر زخم ہو اس پورے کا مسح کرنا چاہیے یا محض اتنی ہی جگہ پر جہاں پر زخم ہے۔ اگر پورے حصہ پر مسح کیا جائے تو نماز درست ہوگی یا نہیں؟ ۔سائل غلام رسول میانوالی

الجواب: ان سب صورتوں میں مسح صرف اسی مقدار پر کرنا چاہیے جس جگہ زخم ہے اور اچھی طرح جگہ کو دھونا چاہیے۔ لیکن اگر صحیح حصہ کے دھونے سے زخم پر پانی پہنچے اور اس کو مضر ہو تو کل پر مسح کرنا درست ہے۔ پس جس عضو پر زخم ہے اس کے اس خاص حصہ کا مسح کرنا چاہے باقی کو

الصلوۃ والسلام علیک یا سیدی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

دھونا چاہیے۔ درمختار میں ہے، ویمسح نحو مفتصد وجریح علی کل عصابة مع فرجتها فی الاصح۔ (الدر المختار ص۲۰۸ ج۱)

﴿۷۹﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، میں مرض جریان میں مبتلا ہوں اور ایسی حالت ہے کہ ہر وقت کپڑا خراب رہتا ہے نہا کر بھی پاک رہنا مشکل ہے اب وضاحت فرمایئے کہ میں نمازیں کیسے ادا کروں؟۔

بینوا توجروا۔ سائل محمد مشتاق احمد خان قادری میانوالی۔

الجواب: آپ اسی حالت میں وضو کر کے نماز پڑھ لیا کریں غسل کی ضرورت نہیں۔ یہ ودی ہے منی نہیں۔ اس میں وضو لازم ہوتا ہے اور نماز کے لیے دوسرا کپڑا رکھیں۔ اگر نماز کی حالت میں بھی قطرہ آجائے تو نماز پوری کر لیں نماز صحیح ہو جاتی ہے۔ بعد نماز کے اس کپڑا کو اگر قطرہ لگا ہو، دھو کر رکھ دیں دوسرے نماز کے وقت پھر اس کو پہن کر وضو کر کے نماز پڑھیں بہر حال نماز اسی حالت میں پڑھتے رہیں وہ نماز صحیح ہے۔

﴿۸۰﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ اگر کوئی شخص صبح اس وقت اٹھے کہ نماز کے قضاء کا وقت بہت قریب ہو غسل بھی کرنا ہو۔ تو کیا وہ تیمم کر کے نماز پڑھ سکتا ہے۔ سائل اجمل زرگر میانوالی۔

الجواب: نماز کا وقت اتنا قریب ہو گیا کہ جلدی سے غسل کر کے نماز نہیں پڑھ سکتا تو اگر جسم پر کہیں نجاست لگی ہو تو اسے دھو کر غسل کی جگہ تیمم کرے اور وضو بنا کر نماز پڑھ لے بعد میں غسل کرے اور سورج بلند ہونے کے بعد نماز دوبارہ پڑھے۔ ایسا ہی

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

فتاوی رضویہ جلد اول صفحہ ۵۸۴ میں ہے۔ مگر یہ اس صورت میں ہے جب کہ کلی کرنے، ناک میں پانی ڈالنے اور سارے بدن پر پانی بہانے کے بعد دو رکعت فرض پڑھنے کا بھی وقت نہیں۔ اور اگر اتنا وقت تو ہے لیکن صابن وغیرہ لگا کر اہتمام سے نہانے کا وقت نہیں صابن وغیرہ کے بغیر غسل کر کے نماز پڑھے۔ اس صورت میں اگر تیمم کر کے نماز پڑھی تو سخت گنہگار رہو گا۔

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

باب الاذان

(اذان کا بیان)

﴿۸۱﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، اہل تشیع حضرات اذان میں چند الفاظ مثلاً اشھد ان علیا ولی اللہ، اشھد ان امیر المومنین وغیرہ زیادہ پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ الفاظ آئمہ اہل بیت سے منقول ہیں، کیا واقعی صحیح ہے۔

بینوا توجروا۔ سائل مولوی محمد اکرم تونسوی کلورکوٹ

الجواب: تحقیق یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ سے لے کر حضرت موسیٰ بن جعفرؓ کے زمانہ تک وہی اذان ہوتی تھی جو اہلسنت دیتے ہیں اور یہی حکم آئمہ کا ہے۔ شیعہ حضرات دعویٰ تو انکی محبت کا کرتے ہیں مگر عقائد و تعلیمات میں ان کے مخالف ہیں۔ ثبوت اہل تشیع کی مشہور و معتبر ترین کتب سے ملاحظہ ہوں، وسائل الشیعہ جلد ۴ ص ۶۴۷، من لا یحضرہ الفقیہ جلد اول ص ۱۸۸، فقہ امام جعفر صادق جلد اول ص ۱۶۶ عن موسیٰ بن جعفر عن ابائه عن علی علیهم السلام فی حدیث تفسیر الاذان انه قال فیه الله اکبر، الله اکبر، الله اکبر، الله اکبر، اشهد ان لا اله الا الله، اشهد ان لا اله الا الله، اشهد ان محمد ارسول الله صلی الله علیه و سلم، اشهد ان محمد ارسول الله صلی الله علیه و سلم، حی علی الصلوٰة، حی علی الصلوٰة، حی علی الفلاح، حی علی الفلاح، الله اکبر، الله اکبر۔ لا اله الا الله۔

جناب موسیٰ بن جعفر اپنے اباء اجداد کے ذریعہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اذان کی تفسیر میں حدیث بیان کرتے ہوئے یہ الفاظ نقل کرتے ہیں، الله اکبر چار مرتبہ، اشهد ان لا اله الا الله دو مرتبہ، اشهد ان محمد ارسول الله دو مرتبہ، حی علی الصلوٰة دو مرتبہ،

حی علی الفلاح دومرتبہ، اللہ اکبر دومرتبہ اورایک مرتبہ لا الہ الا اللہ۔

درج بالا حوالا جات کی روشنی میں باآسانی یہ فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ اذان وہی حق ہے جو اہلسنت کی مساجد سے ہوتی ہے۔ کیونکہ شیعہ حضرات کی اذان حضرت علیؓ کے دور کے بہت بعد ایجاد کی گئی ہے، جس کا حقیقیت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جیسا کہ خود اہل تشیع کی کتب میں درج ہے کہ حضرت علیؓ سے لیکر حضرت موسیٰ کاظمؒ تک یہی اہلسنت والی اذان ہوتی رہی۔ بلکہ اذان میں زیادتی کرنے والا لعنتی ہے، جیسا کہ شیعہ کتاب من لا تحضرہ الفقیہہ جلد اول ص ۱۸۸ میں امام جعفر صادقؓ کا فرمان منقول ہے۔

﴿۸۲﴾فتویٰ شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ ہمارے محلّہ کی مسجد میں نابالغ لڑکے اذان دیتے ہیں۔ قبلہ مفتی صاحب ہماری راہنمائی فرمائی جائے آیا ازروے شرع نابالغ بچے کی اذان ہوجاتی ہے۔ سائل محمد عقیل الرحمٰن خان میانوالی

الجواب: نابالغ لڑکا اگر سمجھدار ہے تو اس کی اذان درست ہے۔ بہار شریعت میں ہے کہ سمجھ والا بچہ غلام، اندھے اور ولدالزنا کی اذان صحیح ہے۔ درمختار میں ہے، و یجوز بلا کراھۃ اذان صبی مراھق ۔ ردالمختار میں ہے، المرادبه العاقل وان لم یراھق کماھو ظاھر البحر و غیرہ۔ اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے اذان الصبی العاقل صحیح من غیر کراھۃ فی ظاھر الروایۃ و لکن اذان البالغ افضل ۔ یعنی ظاہر روایت میں سمجھدار بچہ کی اذان بلا کراہت درست ہے لیکن بالغ کا اذان پڑھنا افضل ہے اور اگر لڑکا سمجھدار نہیں تو اس کی اذان درست نہیں۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے، اذان الصبی الذی لا یعقل لا یجوز ویعا

دو کذا المجنون هکذا فی النهایة ۔ اور سمجھدار بچہ کی پہچان یہ ہے کہ لوگ اس کی اذان کو اذان سمجھیں کھیل نہ سمجھیں۔

﴿۸۴﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ کیا فاسق آدمی اذان دے سکتا ہے اگر دے دے تو کیا لوٹائی جائے۔ مکمل وضاحت فرمائیں۔ تاکہ ہمارے محلہ کے لوگوں میں جو انتشار ہے وہ ختم ہو جائے۔ بینوا توجروا۔ نوٹ عربی کتابوں کے حوالے نقل کر کے ہماری تسلی فرمائیں۔ سائل محمد اطلس خان میانوالی

الجواب: فقہاء کرام نے بالاتفاق فاسق کی اذان کو مکروہ فرمایا ہے۔ تنویر الابصار اور درمختار میں ہے، یکره اذان جنب و امرئة و فاسق ولو عالما یعنی جنبی، عورت اور فاسق کی اذان مکروہ ہے۔ اگر چہ وہ عالم ہو۔ کنز الدقائق و بحر الرائق میں ہے، کره اذان الجنب والمرائة والفاسق ۔ یعنی جنب، عورت اور فاسق کی اذان مکروہ ہے فتح القدیر جلد اول ص ۲۱۶ میں ہے، صرحوا بكراهة اذان الفاسق من غير تقيد بكونه عالما او غيره ۔ یعنی عالم غیر عالم کی قید کے بغیر اذان فاسق کے مکروہ ہونے کی فقہائے کرام نے تصریح فرمائی ہے۔ پھر چونکہ اذان شعائر اسلام ہے اور فاسق کی اذان سے بھی اقامت شعار کا مقصد حاصل ہے اس لیے بعض فقہائے کرام نے فرمایا کہ فاسق کی اذان صحیح ہے۔ مگر اذان کا مقصود اصل چونکہ دخول وقت کا اعلام ہے اور فاسق کی خبر دیانات میں معتبر نہیں اس لیے بعض فقہائے کرام نے فرمایا کہ فاسق کی اذان صحیح نہیں۔ درمختار میں ہے، جزم المصنف بعدم صحة اذان مجنون و معتوه و صبی لا يعقل قلت و فاسق لعدم قبول قوله فی الديانات تنویر الابصار کے مصنف نے مجنون،

معتوہ اور نا سمجھ بچے کی اذان کے صحیح نہ ہونے پر یقین کیا ہے تو میں کہتا ہوں کہ فاسق کی اذان بھی صحیح نہیں۔ اس لیے کہ اس کا قول دیانات میں قابل قبول نہیں۔ بحرالرائق جلد اول ص ۲۶۴ میں ہے، اذان الفاسق و المراۃ والجنب صحیح۔ فاسق کی اور عورت کی اور جنب کی اذان صحیح ہے مگر اسی صفحہ پر چند سطر بعد فرمایا فاسق کا قول اور اس کی خبر امور دینیہ میں قابل قبول نہیں اس لیے مناسب ہے کہ فاسق کی اذان صحیح نہ ہو۔ بحرالرائق کے اصل الفاظ یہ ہیں، ینبغی ان لا یصح اذان الفاسق بالنسبة الی قبول خبره والاعتماد علیه لما قد مناه انه لا یقبل قوله فی الامور الدینية۔ لہٰذا معلوم ہوا فاسق کی اذان صحیح ہے لیکن اس کو فسق سے منع کیا جائے۔

﴿۸۴﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، (۱) جمعہ میں خطبہ سے پہلے اذان ثانی مسجد سے باہر ہونا سنت ہے یا مسجد کے اندر؟۔ (۲) اذان کہنے کے بعد جماعت کھڑے ہونے کے وقت صلوٰۃ کہنا کیسا ہے؟۔ سائل محمد اشرف میانوالی

الجواب: (۱) جمعہ میں اذان کا مسجد کے باہر ہونا سنت ہے۔ ابوداؤد شریف میں ہے جس کے سائب بن یزید رضی اللہ عنہ راوی ہیں، قال کان یوذن بین یدی رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعة علی باب المسجد وابی بکر و عمر فلما کان فی خلافة عثمان و کثر الناس امر عثمان یوم الجمعة بالاذان الثالث فاذن به علی الزوراء فثبت الامر علی ذالك۔ (ابوداؤد مجتبائی ج ۱ ص ۱۶۳)

اس حدیث کا خلاصہ مضمون یہ ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بروز جمعہ منبر پر تشریف فرما ہوتے تو دروازہ مسجد پر حضور کے سامنے اذان دی جاتی تھی اور اسی طرح خلافت اول اور دوم میں ہوتا

الصلوٰۃ والسلام علیک یا سیدی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

رہا۔ پھر جب خلافت سوم ہوئی اور لوگ زیادہ ہو گئے تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلی اذان کا اور اضافہ کیا تو یہ اذان مقام زوراء (جو بازار مین ایک گھر کی چھت) پر کہی جاتی پھر عمل اسی طرح ہوتا رہا۔ اس حدیث سے دو باتیں ثابت ہوئیں۔ ایک بات یہ ہے کہ جمعہ کی اذان اول کا تو حضور اکرم ﷺ کے زمانہ پاک اور خلافت اول و دوم میں وجود نہ تھا۔ اس کا حضرت عثمانؓ نے اضافہ فرمایا ہے اور یہ اذان بازار کے ایک گھر زوراء کی چھت پر ہوتی تھی۔ تو یہ اذان مسجد سے کچھ فاصلہ پر ہوتی تھی۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ خطبہ والی اذان دوم زمانہ اقدس سے برابر خطبہ سے پہلے دروازۂ مسجد پر منبر کے مقابل ہوتی رہی۔ کسی خلافت مین اس کے اندر کسی طرح کا کوئی تغیر نہیں ہوا۔ اور ظاہر ہے کہ دروازۂ مسجد سے خارج ہوتا ہے تو اس اذان کا بھی مسجد سے باہر ہونا سنت قرار پایا۔ اسی بنا پر فقہاء نے مسجد کے اندر اذان کہنا ممنوع ٹھہرایا۔ فتاویٰ قاضی خان اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے، و ینبغی ان یوذن علی المنارة او خارج المحسد ولا یوذن فی المسجد کذا فی فتاویٰ قاضی خان۔ (عالمگیری مجیدی ص ۲۹) یعنی منارہ یا خارج مسجد میں اذان کہنا مستحب ہے اور مسجد میں اذان نہ کہی جائے۔

اس عبارت سے ثابت ہو گیا کہ اذان مسجد میں کہنا ممنوع ہے اور حکم تمام اذانوں کو عام ہے تو جمعہ کی یہ اذان دوم بھی اسی حکم میں داخل ہے۔ پھر جو اس کو اس میں داخل نہ مانے اور اس کو مسجد میں بلا کراہت جائز جانے وہ دلیل خصوص اپنے دعویٰ پر قائم کرے۔ اب رہا رواج کو دلیل ٹھہرانا تو رواج حجت شرعی نہیں۔ (۲) اذان کے کچھ دیر بعد دوسرے اعلان کو تثویب کہتے ہیں۔ فقہاء کرام نے اس تثویب کو جائز قرار دیا۔ جس کی تصریح اکثر کتب فقہ میں موجود ہے۔ لیکن اس کے لیے کوئی

خاص الفاظ مقرر نہیں۔ بلکہ اس کو ہر مقام کے عرف پر موقوف کیا گیا ہے۔ اوتثویب میں صلوٰۃ وسلام کے الفاظ ۷۸۱ھ میں جاری ہوئے۔ فقہاء نے انہیں بہتر و مستحسن قرار دیا ہے۔

فقہ کی مشہور کتاب درمختار میں ہے، التسليم بعد الاذان حدث فی ربيع الاخر سنة سبعمائة و احدی و ثمانين فی عشا ليلة الاثنين ثم يوم الجمعة ثم بعد عشر سنين حدث فی الكل لاالمغرب ثم فيها مرتين وهو بدعة حسنة۔ (درالمختار مصير ج ۱ ص ۲۷۳)

اذان کے بعد صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا طریقہ ربیع الاخر ۷۸۱ھ کی شب دوشنبہ کی نماز سے شروع۔ پھر جمعہ کے دن۔ پھر دس سال بعد سوائے مغرب کے سب اذانوں کے بعد شروع ہوا۔ پھر مغرب میں بھی دوبار۔ تو یہ صلوٰۃ وسلام (بدعت حسنہ) امر مستحسن ہے۔ لہٰذا اس عبارت سے ثابت ہو گیا کہ اذان کے بعد جماعت کے کھڑے ہونے سے کچھ دیر پہلے صلوٰۃ سلام کہنا جائز بلکہ مستحسن ہے۔

﴿۸۵﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ محترم صاحبزادہ صاحب زید مجدہ وشرفہ چند مسائل قابل جواب ہیں میں آپ کی طرف خط لکھ کر ارسال کر رہا ہوں وضاحت سے جواب دے کر ہمارے محلہ کے لوگوں کے اختلافات ختم کریں

(۱) تکبیر کے وقت باتین کرنا جائز ہیں؟۔

(۲) اذان ہونے کے بعد مسجد سے نکلنا کیسا ہے؟۔

(۳) اقامت کے وقت کب کھڑا ہونا چاہیے۔؟ (سائل محمد اکرم خان ولد محمد نواز خان ضلع میانوالی)

الجواب: (۱) تکبیر کے وقت باتیں کرنا جائز نہیں۔ بہار شریعت ج ۳ ص ۳۶ فتاویٰ رضویہ میں ہے کہ جو اذان کیوقت باتوں میں مشغول رہے تو معاذ اللہ خاتمہ برا ہونے کا خوف ہے

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اور حدیث شریف میں اقامت کو اذان کہا گیا ہے۔ اس لیے کہ وہ بھی نماز کے اعلام کے لیے ہے اور گفتگو کی آواز اعلام میں مخل ہوگی۔ (۲) جس شخص نے نماز نہ پڑھی ہو اسے اذان ہونے کے بعد مسجد سے نکلنا جائز نہیں اس لیے کہ ابن ماجہ کی حدیث ہے کہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، من ادرك الاذان فی المسجد ثم خرج لم یخرج لحاجته و هو الرجوع فهو منافق یعنی اذان کے بعد جو شخص مسجد سے چلا گیا اور کسی شرعی حاجت کے لیے نہیں گیا اور نہ واپس ہونے کا ارادہ ہے تو وہ منافق ہے۔ لیکن جو شخص کسی دوسری مسجد کی جماعت کا منتظم ہو مثلاً امام یا مؤذن اس کے ہونے سے لوگ ہوتے ہیں۔ ورنہ متفرق ہو جاتے ہیں ایسے شخص کو اجازت ہے کہ اذان ہونے کے بعد اپنی مسجد کو چلا جائے اگرچہ یہاں اقامت بھی شروع ہوگئی ہو۔ تنویر الابصار اور درالمختار شامی ج ۱ ص ۴۷۹ میں ہے کره تحریما خروج من لم یصل من مسجد اذن فیه الا ان ینتظم به امر جماعة اخریٰ او کان الخروج لمسجد حیه ولم یصلوا فیه اور اگر ظہر یا عشا کی نماز تنہا پڑھ چکا ہے تو اقامت شروع ہونے سے پہلے جا سکتا ہے جب اقامت شروع ہوگئی تو بہ نیت نفل جماعت میں شریک ہو جائے اور عصر و مغرب و فجر میں مسجد سے چلا جائے۔ فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۱۱۲ میں ہے ان کان قد صلی مرة ففی العشاء والظهر لا باس بالخروج مالم یا خذ المؤذن فی الاقامة فان اخذ فی الاقامة لم یخرج حتی قضاهما تطوعاً و فی العصر والمغرب والفجر یخرج (۳) اقامت کے وقت امام اور مقتدی سب کو بیٹھے رہنے کا حکم ہے۔ کھڑا رہنا مکروہ و منع ہے پھر جب اقامت کہنے والا حی علی الفلاح پر پہنچے تو اٹھیں اور صفوں کو درست کریں جیسا کہ فقہائے کرام اور شارحین حدیث

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے اقوال سے ثابت ہے۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اول مصری ص ۵۳ میں مضمرات سے ہے اذا دخل الرجل عند الاقامة يكره له الانتظار قائما و لكن يقعد ثم يقوم اذا بلغ المؤذن قوله حي على الفلاح اگر کوئی شخص تکبیر کے وقت آیا تو اسے کھڑے ہو کر انتظار کرنا مکروہ ہے بلکہ بیٹھ جائے اور جب مکبر حی علی الفلاح پر پہنچے تو اس وقت کھڑا ہو۔ درمختار میں ہے دخل المسجد والمؤذن يقيم قعد یعنی جو شخص تکبیر کہے جانے کے وقت مسجد میں آئے تو وہ بیٹھ جائے۔ اسی عبارت کے تحت شامی جلد اول ص ۲۶۸ میں ہے يكره له الانتظار قائما ولكن يقعد ثم يقوم اذا بلغ المؤذن حي على الفلاح اس لیے کہ کھڑے ہو کر انتظار کرنا مکروہ ہے بلکہ بیٹھ جائے پھر جب مؤذن حي على الفلاح کہے تو اٹھے۔ مولوی عبدالحئی صاحب فرنگی محلی عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ جلد اول مجیدی ص ۱۳۶ میں لکھتے ہیں اذا دخل المسجد يكره له انتظار الصلوة قائما بل يجلس موضعا ثم يقوم عند حي على الفلاح یعنی جو شخص مسجد میں داخل ہو اسے کھڑے ہو کر نماز کا انتظار کرنا مکروہ ہے بلکہ وہ کسی جگہ بیٹھ جائے پھر حی علی الفلاح کے وقت کھڑا ہو۔ ان تمام حوالہ جات سے واضح ہو گیا کہ امام و مقتدی جو لوگ مسجد میں موجود ہیں سب اقامت کے وقت بیٹھے رہیں جب مکبر حي على الصلاة حي على الفلاح پر پہنچے تو اٹھیں۔ جس مفتی نے یہ فتویٰ دیا کہ شروع تکبیر میں کھڑا ہونا رواجی ہے نہیں ہے۔ یہ مسئلہ فقہ کی تمام کتابوں میں مذکور ہے۔

دیوبندی جو عام طور پر اس مسئلہ کی مخالفت کرتے ہیں ان کے پیشوا مولوی کرامت علی جونپوری نے اپنی کتاب مفتاح الجنہ ص ۳۴ پر لکھا کہ جب اقامت میں حي على الصلاة کہے تب امام اور سب

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

لوگ کھڑے ہو جائیں۔ یہاں تک کے دیوبندیوں کی کتاب راہ نجات ص ۱۴ میں ہے کہ

حی علی الصلاۃ کے وقت امام اٹھے۔

﴿۸۶﴾فتــوی شــرعــی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ

اذان میں حضور اکرم ﷺ کے نامی اسم گرامی کو سن کر انگوٹھے چومنا اور آنکھوں سے لگانا کیسا ہے۔

دیہات کے چند لوگ اس کو بدعت کہتے اور کچھ لوگ باعث برکت وثواب سمجھتے ہیں۔

سائل اللہ داد ولد محمد مواز ساکن موچھ میانوالی

الــجــواب: اذان میں حضور پرنور ﷺ کا نام مبارک سن کر انگوٹھا چومنا اور آنکھوں سے

لگانا مستحب ہے۔ حضرت علامہ ابن عابدین شامی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ ردالمختار جلد اول ص ۲۶۷ میں

تحریر فرماتے ہیں، يستحب ان يقال عند سماع الاولى عن الشهادة صلى الله عليك

يا رسول الله و عند الثانيه منها قرت عيني بك يا رسول الله ثم يقول اللهم متعني

بالسمع والبصر بعد وضع ظفرى الابها مين على العينين فانه صلى الله تعالىٰ عليه

وسلم يكون قاعد اله الى الجنة كذافى كنزالعباد اه قهستاني و نحوه فى الفتاوى

الصوفية یعنی مستحب ہے کہ جب اذان میں پہلی بار اشهد ان محمد رسول الله سنے تو صلى

الله عليك يا رسول الله کہے اور جب دوسرے بار سنے تو قرت عيني بك يا رسول الله

اور پھر کہے اللهم متعني بالسمع و البصر اور یہ انگوٹھوں کے ناخن آنکھوں پر رکھنے کے بعد

ہو۔ سرکار دو عالم ﷺ اپنی رفاقت میں اسے جنت میں لے جائیں گے۔ ایسا ہی کنز العباد میں ہے۔

یہ مضمون جامع الرموز علامہ قہستانی کا ہے اور اسی کے مثل فتاوی صوفیہ میں ہے۔ اور رسید العلماء

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت سید احمد طحطاوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے طحطاوی علی مراقی مطبوعہ قسطنطنیہ ص ۱۱۱ میں علامہ شامی کے مثل لکھنے کے بعد فرمایا، وذکر الدیلمی فی الفردوس من حدیث ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوعا من مسح العین بباطن انملة السبابتین بعد تقبیلھما عند قول المئوذن اشھد ان محمد ارسول اللہ وقال اشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ رضیت باللہ ربا وبا لاسلام دینا ولبحمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نبیا حلت لہ شفاعتیاہ و کذاروی عن الخضر علیہ السلام و بمثلہ یعمل بالفضائل۔ یعنی دیلمی نے کتاب الفردوس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث مرفوع کو ذکر فرمایا۔ سرکار اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو مؤذن کے اشھد ان محمدا رسول اللہ کہتے وقت شہادت کی انگلیوں کے پیٹ کو چومنے کے بعد آنکھوں پر پھیرے اور اشھد ان محمد اعبدہ ورسولہ۔ رضیت باللہ زبا وبالا سلام دینا و بمحمد صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نبیا کہے تو اس کے لیے میری شفاعت حلال ہوگئی۔ ایسے ہی حضرت خضر علیہ السلام سے روایت کیا گیا ہے اور اس قسم کی حدیثوں پر فضائل میں عمل کیا جاتا ہے۔ حضرت ملا علی قاری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ موضوعات کبیر میں تحریر فرماتے ہیں اذا ثبت رفعہ الی الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فیکفی للعمل بہ لقولہ علیہ الصلاۃ والسلام علیکم بسنتی و سنتة الخلفاء الراشدین یعنی جب اس حدیث کا رفع حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک ثابت ہے تو عمل کے لیے کافی ہے اس لیے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تم پر میری اور میرے خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کرنا لازم ہے اور احادیث کریمہ میں تکبیر کو بھی اذان کہا گیا ہے۔ لہٰذا تکبیر

میں بھی انگوٹھا چومنا جائز و باعث برکت ہے اور اذان و تکبیر کے علاوہ بھی نام مبارک سن کر انگوٹھا چومنا جائز و مستحسن ہے کہ اس میں حضرت ﷺ کی تعظیم بھی ہے اور حضور ﷺ کی تعظیم جس طرح بھی کی جائے باعث ثواب ہے۔ لہٰذا جو لوگ بدعت کہتے ہیں وہ اسلام کے اصولوں سے ناواقف ہیں۔

﴿۸۷﴾فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ تثویب جو اذان اور اقامت کے درمیان پڑھی جاتی ہے کیا از روئے شرع اس کی کوئی حیثیت ہے

سائل صوفی محمد کمال الدین میانوالی۔

الجواب: تثویب کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تثویب قدیم دوسرے تثویب جدید۔ تثویب قدیم الصلوٰۃ خیر من النوم ہے جو اذان کی مشروعیت کے بعد فجر کی اذان میں بڑھائی گئی۔ جیسا کہ بحرالرائق جلد اول ص ۲۶۰ میں ہے، وھو نوعان قدیم و حادث فالا ول الصلوۃ خیر من لنوم والثانی اھد ثه علما ئالکوفة بین الاذان والا قامة۔ اور جیسا کہ حدیث شریف میں ہے، ان بلا لا اذن لصلاۃ الفجر ثم جاء الی باب حجرۃ عائشة رضی الله تعالیٰ عنها فقال الصلاۃ یا رسول الله فقالت عاشته رضی الله تعالیٰ عنها الرسول نائم فقال بلال الصلاۃ خیر من النوم فلما انتبه اخبرته عائشة فاستحسنه رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم و قال اجعله فی اذانك (عنایه مع فتح القدیر جلد اول ص ۲۱۲) اور جب لوگوں کے اندر امور دینیہ میں سستی پیدا ہوئی تو اذان و اقامت کے درمیان تثویب جدید کا اضافہ کیا گیا۔ تثویب قدیم سنت ہے اور فجر کی اذان کے ساتھ خاص ہے دوسری اذان کے ساتھ پڑھنا مکروہ و ممنوع ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے عن بلال رضی

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم لا تثوبن فی شئی من الصلوات الا فی صلاة الفجر۔ یعنی حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ فجر کے علاوہ کسی دوسری نماز میں تثویب ہرگز مت کہو۔ (مشکوۃ شریف ص ۶۳)۔ تثویت جدید حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں نہیں تھی۔ مگر اس تثویب کو متاخرین نے سب نمازوں کے لیے مستحسن قرار دیا ہے۔ درمختار مع شامی جلد اول مطبوعہ دیوبند ص ۲۶۱ میں ہے، نور الایضاح کی شرح مراقی الفلاح ص ۱۱۴، طحطاوی مصری ص ۱۱۵، عینی مصری ص ۲۷ جلد ا، ردالمحتار جلد اول ص ۲۶۲، غایۃ الاوطار ص ۱۸۱، ان کی عبارات کا خلاصہ یہ ہے کہ چونکہ مسلمان امور دین میں سست ہو گئے ہیں اس وجہ سے متاخرین نے اذان واِقامت کے درمیان تثویب کو مقرر کیا اور تثویب مغرب کے علاوہ ہر نماز کے لیے جائز ہے۔ اور مسلمان جس چیز کو اچھا سمجھیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھی ہے۔ اور تثویب کے لیے کوئی الفاظ خاص نہیں ہیں۔ لوگ جو الفاظ بھی مقرر کرلیں جائز ہے۔ آج کل تثویب میں **الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ** وغیرہ کلمات مخصوصہ عموماً کہے جاتے ہیں اس لیے کہ ان سے اعلام کے ساتھ حضور اکرم ﷺ کی عظمت کا اظہار بھی ہوتا اور اسی لیے جو لوگ حضور ﷺ کی عظمت کے مخالف ہیں وہ تثویب کی مخالفت کرتے ہیں۔ ورنہ تثویب کو جائز و مستحسن ہونا جبکہ تمام کتب متداولہ مین مذکور ہے اس کی مخالفت کی کوئی وجہ نہیں اور تثویب میں **الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ** پڑھنا ماہ ربیع الآخر ۷۸۱ھ میں جاری ہوا جو بہتر عمل ہے۔ جیسا کہ درمختار مع شامی اول مطبوعہ دیوبند ص ۲۶۱ میں ہے۔ التسلیم بعد الاذان حدث فی ربیع الآخر سنة سبع مائة واحدیٰ و ثمانین۔

وھو بدعة حسنة اھ۔ ھذا ما عندی والعلم بالحق عند اللہ تعالیٰ و رسولہ جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

﴿۸۸﴾فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ میرا بھائی جس کی عمر ۹ سال کی ہے کیا وہ اذان دے سکتا ہے۔ وہ نماز پڑھتا ہے اور پاکی و ناپاکی کا خیال رکھتا ہے۔سائل جمشید اعوان چٹہ وٹہ میانوالی

الجواب: لڑکا اگر مراہق یعنی قریب البلوغ ہے تو اس کی اذان بلا کراہت بالاتفاق صحیح ہے۔اور غیر مراہق عاقل ہو تب بھی ظاہر الروایت میں کراہت نہیں ہے۔اور بعض روایات میں مکروہ ہے۔درمختار میں ہے، و یجوز بلا کراھة اذان صبی مراھق و فی الشامی قولہ صبی مراھق المراد بہ العاقل وان لم یواھق کما ھوظاھر البحر وغیرہ وقیل یکرہ لکنہ خلاف ظاھر الروایة ۔اورردالمحتار جلد ا ص ۳۶۳ پر ہے خلاصہ تحریر یہ ہے کہ آپ کا بھائی جس کی عمر ۹ سال کے لگ بھگ ہے۔عاقل اور پاکی ناپاکی جانتا ہے تو اسکی اذان درست ہے۔

﴿۸۹﴾فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ قرآن پاک پڑھتے وقت جب اذان ہو رہی ہو تو کیا اذان کا جواب دینا چاہیے یا نہیں؟۔

سائل غلام حسن خان میانوالی

الجواب: اذان کا جواب دینا مستحب ہے۔اگر قرآن شریف کو بند کر کے جواب اذان کا دے گا تو اچھا ہے۔اور اگر قرآن ہی پڑھتا رہے اور جواب نہ دے تو کچھ گناہ نہیں، الدرالمختار ص ۳۵۷ ج ا میں ہے، و یجیب وجوبا و قال الحوانی ندبا والواجب الاجابة

القدم من سمع الاذان ولو جنبا لا حائضا و نفسا و سامع خطبة الخ بخلاف قرآن (در مختار)

﴿۹۰﴾**فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ صبح کی اذان کا وقت کب شروع ہوتا ہے؟　　　　　　　　سائل عاصم نواز ابا خیل میانوالی

الجواب: اسی قسم کے سوال کا جواب فتاوی جات یں ہے کہ صبح کی اذان کا وقت صبح صادق ہونے کے بعد ہوتا ہے۔ کیونکہ آج کل روزے ہیں ان دنوں میں صبح صادق ۵ بج کر ۳۵ منٹ پر ہو رہی ہے۔ اس سے پہلے اذان نہ کہنی چاہیے۔ وقت سے پہلے اذان نہیں ہوتی۔ اگر وقت سے پہلے اذان کہی جائے تو لوٹائی جائے گی۔ درمختار میں ہے، فیعاد اذان وقع قبلہ اور نیز درمختار میں ہے، دانما یستحق ثواب الموذنین اذا کان عالما بالنسة والا وقات یعنی اذان کا ثواب اسی وقت حاصل ہوتا ہے کہ اذان طریق سنت کے موافق کہنا جانتا ہو اور وقت کو پہچانتا ہو۔

صلی اللہ علیہ وسلم

باب المساجد

(مساجد کے مسائل)

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

﴿۹۱﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ سود کے مال سے مسجد بنانا یا عیدگاہ بنانا عندالشرع جائز ہے یا ناجائز ہے؟۔سائل محمد نصراللہ خان میانوالی

الجواب: مسجد پاک مکان ہے اور سودی روپیہ مال خبیث ہے۔لہٰذا مال خبیث سے مسجد کی تعمیر ممنوع ہے۔شامی میں ہے،لو انفق فی ذلك مالا خبيثا و مالا سببه الخبيث والطيب فيكره لان الله تعالىٰ لا يقبل الا الطيب فيكره تلويث بيته بمالا يقبل۔

﴿۹۲﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، جب مسجد کی ٹی آئرن، گارڈر یا اینٹ وغیرہ اس مسجد کی عمارت سے سے جدا کر دیئے گئے ہوں اور پھر ان کے تعمیر میں لگانے کی ضرورت باقی نہ رہے تو انہیں متولی فروخت کر سکتا ہے یا نہیں اور خریدار انہیں اپنے مکان یا دوکان میں لگا سکتا ہے یا نہیں؟۔بینوا توجروا۔سائل عبدالروف خان مستی والا میانوالی

الجواب: مسجد کی ٹی آئرن، گارڈر یا اینٹ یا جملہ وغیرہ جب اس مسجد میں پھر نہ لگ سکے یا اس کے پڑے رہنے میں ضائع ہونے یا خراب ہو جانے کا خوف ہو تو انہیں فروخت کر سکتے ہیں اور اس کی قیمت مسجد کی عمارت میں صرف کی جائے گی۔صاحب درمختار، درالمنتقی شرح ملتقی میں فرماتے ہیں، ونقض الوقف ای لمنقوض من خشب و حجر و اجر و غیرها يصرف الى عمرته ان احتاج اليها بالفعل والا حفظ الي وقت الحاجة اليها وان تعذر صرف عينه بان لا يصلح لذلك يباع ای باعه القاضي والمتولي و يصرف ثمنه اليها اقامة للبدل مقام المبدل۔ پھر جب شرعاً ان کی بیع جائز قرار پائی تو خریداران کو جہاں چاہے لگا سکتا ہے۔ہاں انکا یہ احترام چاہیے کہ انہیں ناپاک مقام پر نہ لگائیں۔

﴿۹۳﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ کیا کافر مسجد میں داخل ہوسکتا ہے۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں؟

﴿سائل انجم خان میانوالی﴾

الجواب: ردالمحتار شامی میں ہے کہ، ولا بأس ان یدخل الکافر و اھل الذمہ المسجد الحرام و بیت القدس و سائر المساجد لمصالح المسجد و غیرھا من المھمات، کافر اور ذمی کے مسجد حرام، بیت المقدس اور باقی مسجدوں میں مسجد کی تعمیر ومرمت یا دیگر وجوہ سے داخل ہونے میں کوئی حرج نہیں۔ و مفھومہ ان فی دخولہ لغیر مھمۃ بأسا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کافر کا بلاوجہ مسجد میں داخل ہونا درست نہیں۔ (ردالمحتار شامی ص ۳۷۸ ج ۴)

﴿ **قرآن کریم کی روشنی میں** یا یھا الذین امنو انما المشر کون نجس فلا یقربو ا المسجد الحرام بعد عامھم ھذا۔ (التوبہ ۹ : ۲۸) اے ایمان والو! مشرک نرے ناپاک ہیں، تو اس سال کے بعد وہ مسجد حرام کے قریب نہ آنے پائیں۔ ان الامام الاعظم یقول بالمنع عن الحج والعمرۃ و یحمل النھی علیہ ولا یمنعون من دخول المسجد الحرام و سائر المساجد عندہ۔ امام اعظم رحمۃ اللہ فرماتے ہیں، مشرکین کو حج اور عمرہ سے منع کیا جائے گا اور نہی کا یہی مفہوم مراد لیتے ہیں۔ آپ کے نزدیک مشرکین کا مسجد حرام اور دوسری مسجدوں میں داخل ہونے سے منع نہیں کیا جائے گا۔ امام خازن کے نزدیک کافر ذمی ہو، مستامن ہو مسجد حرام میں کسی صورت داخل نہیں ہوسکتا۔ امام شافعی کے نزدیک مسجد حرام کے علاوہ باقی مسجدوں میں داخل ہوسکتا ہے۔ امام مالک کے نزدیک مسجد حرام سمیت کسی مسجد میں داخل نہیں

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ہوسکتا۔ (علامہ آلوسی، تفسیر روح المعانی ص ۷۷ ج ۱۰)

امام ابوحنیفہ اوران کے اصحاب نے کہا یہود و نصاریٰ کو مسجد حرام یا دیگر مساجد میں داخل ہونے سے منع نہیں کیا جائے گا۔ صرف بت پرست مشرکوں کو مسجد حرام سے منع کیا جائے گا۔، امام شافعی نے حاجت کا اعتبار کیا ہے اور حاجت کے باوجود مسجد حرام میں داخل نہیں ہوسکتا۔ حضرت قتادہ کے نزدیک مشرک مسجد کے قریب نہیں آسکتا۔ ہاں جزیہ دینے والا آسکتا ہے۔ یعنی ذمی، یا مسلمان کا فر غلام ﴿**حدیث پاک کی روشنی میں** حضرت ابوھریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ سوار نجد کی طرف بھیجے۔ وہ بنی حنیفہ کے قبیلہ کے ایک شخص ثمامہ بن اثال کو پکڑ لائے اور مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا رسول اللہ ﷺ نے اس کے پاس آکر فرمایا ثمامہ کو کھول دو وہ مسجد کے قریب کھجوروں کے پاس گیا۔ فا غتسل ثم دخل المسجد فقال اشھد ان لا الہ الا اللہ و ان محمد رسول اللہ ﷺ۔ اس نے غسل کیا پھر مسجد میں آیا اور کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔ امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے دوسری جلد میں یہ حدیث زیادہ تفصیل سے بیان فرمائی ہے، سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نجد کی طرف کچھ سوار روانہ فرمائے۔ وہ بنی حنیفہ کے ایک شخص جسے ثمامہ بن اثال کہا جاتا تھا۔ پکڑ لائے اور مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا۔ رسول اللہ ﷺ اس کے پاس تشریف لائے۔ فرمایا ثمامہ! تیرے پاس کیا ہے اس نے کہا اے محمد! ﷺ میرے پاس بہتری ہے۔ اگر مجھے قتل کرو گے تو قاتل کو قتل کرو گے۔

ان تنعم تنعم علی شاکر اگر احسان کرو گے تو شکر گزار پر کرو گے۔ اور اگر مال چاہیے تو جتنا چاہے مانگو، آپ ﷺ نے اسی حال میں چھوڑ دیا۔ تیسرے دن پھر وہی سوال فرمایا ثمامہ! تیرے پاس کیا ہے؟ بولا وہی جو میں نے آپ کو بتایا تھا کہ احسان کرو گے تو شکر گزار پر کرو گے۔ آپ نے پھر اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ اگلے دن پھر فرمایا ثمامہ تیرے پاس کیا۔ (تیرا کیا خیال ہے) بولا میرے پاس وہی جو آپ کو بتا دیا۔ فرمایا اطلقو اثمامة، ثمامہ کو آزاد کر دو۔ پھر وہ مسجد کے قریب کھجوروں کے جھنڈ میں گیا۔ غسل کیا پھر مسجد میں داخل ہو کر کہا، اشهد ان لا اله الا الله و ان محمد رسول الله۔ احمد! بخدا روئے زمین پر میری نظر میں آپ کے چہرے سے زیادہ مجھے کوئی چہرہ ناپسند نہ تھا۔ فقد اصبح و جهك احب ولوجوه الی، اب آپ کا چہرہ اقدس مجھے تمام چہروں سے بڑھ کر محبوب لگتا ہے۔ اور آپ کے دین سے بڑھ کر کوئی دین مجھے ناپسند نہ تھا، فاصبح دينك احب الدين الی اب حقیقت یہ ہے آپ کا دین مجھے سب سے بڑھ کر محبوب ہے۔ بخدا آپ کے شہر سے بڑھ کر مجھے کوئی شہر برا نہیں لگتا تھا۔ مگر اب آپ کا شہر مجھے تمام شہروں سے بڑھ کر محبوب ہے۔ آپ کے سواروں نے مجھے پکڑ لیا میں عمرہ کی نیت سے آیا تھا۔ اب آپ کی کیا رائے ہے، فبشره رسول الله صلى الله عليه وسلم رسول اللہ ﷺ نے اسے مسلمان ہونے کی مبارکباد دی، اور عمرہ کرنے کا حکم فرمایا۔ جب مکہ مکرمہ آیا کسی نے کہا بے دین ہو گئے ہو؟ بولا نہیں ولكن اسلمت مع محمد رسول الله ﷺ بلکہ میں محمد رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ مسلمان ہو گیا ہوں۔ لا والله لا تاتيكم من اليمامة حبة حنطة حتىٰ ياذن فيها النبی صلى الله عليه وسلم نہ بخدا تمہارے پاس یمامہ سے گندم کا ایک دانہ بھی نبی کریم ﷺ کی

اجازت کے بغیر نہیں آئے گا۔ (صحیح بخاری ص ۶۲۸ ج ۲)

شیخ علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن العینی شرح صحیح البخاری ص ۲۳۷ ج ۴ میں فرماتے ہیں،

الاولی جواز دخول الکافر المسجد صحیح یہ ہے کہ کافر مسجد میں داخل ہوسکتا ہے۔

قال ابو حنیفه یحوز الکتابی دون غیره امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کتابی کافر (یہودی، عیسائی) مسجد میں داخل ہوسکتا ہے۔ دوسرا نہیں۔ (ایضاً) علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فتح الباری شرح البخاری میں اس حدیث کے فوائد میں لکھتے ہیں، مسجد میں کافر قیدی کو رکھنا اور کافر قیدی پر احسان کرنا اور گناہگار کو معاف کرنے کی عظمت اس لیے ہے کہ ثمامہ نے قسم اٹھا کر کہا جب رسول اللہ ﷺ نے اس سے معافی کا برتاؤ فرمایا اور بغیر بدلے کے اس پر احسان فرمایا تو لمحہ بھر میں اس کا بغض محبت سے بدل گیا۔ (فتح الباری شرح بخاری ص ۸۸ ج ۸)

صحیح ابن خزیمہ کی روایت ہے کہ، قبیلہ ثقیف کے وفد کو رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں ٹھہرایا تھا۔ تاکہ اس سے ان کے دل نرم ہوں۔ جبیر بن مطعم (جب کافر تھے) فرماتے ہیں، میں مسجد میں داخل ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نماز مغرب پڑھا رہے تھے آپ نے سورۃ الطور پڑھی۔ میں نے قرآن سنا تو گویا میرا سینہ کھل گیا۔ عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ص ۲۳۸ ج ۴)

﴿۹۴﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ،

۱۔ کسی ایسی مسجد کو جس میں عرصہ دراز سے باجماعت نماز، جمعہ و عیدین پابندی سے ادا کی جارہی ہو، کیا حکومت اپنے کسی توسیعی و تفریحی پروگرام کی بناء پر اللہ کے اس گھر کو گرا کر شہید کرنے کا اختیار رکھتی ہے؟ (۲۔) اگر اس مسجد کو شہید کر کے اس کے متبادل کسی جگہ پر حکومت مسجد تعمیر کر دے تو کیا

اس کی گنجائش ہے؟ (۳۔) اگر شرعی طور سے مسجد کو حکومت شہید کرنے کی مجاز نہیں ہے تو کیا اس صورت میں حکومت کو ان کے مکروہ عزائم سے روکنے کے لیے اگر کوئی شخص مدافعت کرے اور اللہ کے گھر کو شہید ہونے سے بچانے کے لیے خود اپنی جان دیدے تو اس کی موت کا کیا حکم ہوگا؟ آیا یہ شہید کہلائے گا؟ یا حکومت کے خلاف آواز اٹھانے کی بنا پر مردار مرے گا؟

بینوا توجروا۔ سائل محمد شوکت خان سرگودھا

الجواب: واضح رہے کہ مساجد شعائر اسلام میں سے ہیں، مساجد کی تعظیم و تقدیس اور شرف و فضل نیز احکام و آداب کو شریعت نے بالکل واضح انداز میں مختلف جہات سے بیان فرمایا ہے، جس کا حاصل نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد گرامی سے سمویا ہوا ہے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب جگہوں سے پسندیدہ جگہ مساجد ہیں اور مبغوض ترین جگہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بازار ہیں۔ (مشکوۃ شریف صفحہ نمبر ۶۸)

اس کے علاوہ مساجد کی اہمیت و فضیلت کے بارے میں بہت سی روایات موجود ہیں جو دینی شغف رکھنے والے مسلمانوں کے لیے محتاج بیان نہیں۔ دوسری طرف اسلامی تاریخ کا ذخیرہ مساجد کے ساتھ مسلمانوں کے تعلق و ربط کے بیان سے بھرا ہوا ہے۔

جو قطعہ زمین شرعی مسجد قرار پائے وہ حصہ تحت الثریٰ سے عرش معلیٰ تک مسجد کے نام خاص ہونے کے وقت سے قیامت تک مسجد کہلاتا ہے۔ اور پھر مسجد کا یہ احاطہ مسجد کے علاوہ کسی اور مصرف میں قطعاً استعمال نہیں ہوسکتا، علماء شریعت اور فقہاء امت نے پوری وضاحت کے ساتھ یہ تصریح فرمادی ہے کہ اگر اس آبادی اجڑ جائے اور مسجد کا کوئی نمازی نہ بھی رہے یا مسجد اہل محلہ کے لیے تنگ ہو

الصلوۃ والسلام علیک یا سیدی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

جائے اور اس پرانی مسجد کو کھلی جگہ منتقل کرنے کی ضرورت پیش آرہی ہو یا مسجد کو کوئی پڑوسی اپنی ضرورت کے توسیعی پروگرام میں شامل کرنا چاہے اور اس کے بدلے مسجد کے لیے وسیع جگہ کا بندوبست کرنا چاہے تو ایسا کرنا اور اس مقصد کی خاطر پرانی مسجد کو ہٹانے اور منہدم کرنے کی جسارت کرنا کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں، بلکہ ناجائز و حرام ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے، و من اظلم ممن منع مساجد الله ان یذکر فیھا اسمه و سعٰی فی خرابھا۔ الایة۔ (سورة البقرة آیت ۱۱۴) اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جس نے منع کیا اللہ کی مسجدوں میں اللہ کا نام لینے سے اور ان کے اجاڑنے کی کوشش کی۔ اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے مفسرین عظام فرماتے ہیں کہ مسجد کو اجاڑنے اور خراب کرنے کی کوشش کرنا دو طرح سے ہے، اس کا ایک معنی تو ہے ویرانی لوگوں کو مسجد میں نماز ادا کرنے سے روکنا، جس کے نتیجہ میں مسجد ویران ہو جائے جیسے مشرکین مکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کو مسجد حرام میں نماز پڑھنے سے روکا کرتے تھے۔ اور دوسرا معنی وہ ہے جس کی انجام دہی کے لیے بخت نصر اور نصاریٰ نے کردار ادا کیا کہ انہوں نے بیت المقدس کی توہین اور تخریب جیسے کرتوتوں کا ارتکاب کیا اور نعوذ باللہ اس مقدس جگہ اور انبیاء کی مسجد کو کوڑا گھر بنا کر رکھ دیا اور اس کی درو دیوار ہلا کر رکھ دی تھیں، مفسرین عظام اسی دوسرے معنی کو سعی فی خرابھا کا حقیقی معنی بتاتے ہیں۔

لہٰذا وہ مساجد جن میں عرصہ پچاس / پچیس برس سے نماز جمعہ اور عیدین باقاعدگی سے ادا ہو رہی ہیں، ان مساجد کے شرعی و قانونی مساجد ہونے میں کسی قسم کے شک و شبہ کی ذرا بھر گنجائش نہیں، اس لیے ان مساجد کو بند کر کے یا خدانخواستہ شہید کر کے ان کو کسی توسیعی و تفریحی پروگرام میں شامل کرنا

قطعاً جائز نہیں، قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیت کی رو سے ایسی جسارت کا مرتکب خدا تعالیٰ کا مجرم اور سب سے بڑا ظالم ہے۔

(۲۔) جس جگہ مسجد تعمیر ہو جائے اس جگہ کو تا قیامت کسی دوسرے مصرف میں استعمال نہیں کیا جا سکتا، حتیٰ کہ کوئی فرضی و امکانی صورت بھی ایسی نہیں ملتی کہ مسجد کی جگہ کو کسی اور کام میں لایا جا سکے۔ رہا متبادل جگہ پر مسجد تعمیر کرنے کا عندیہ تو یہ اس لیے فضول و بے کار بلکہ شرعی احکام سے ناواقفیت کی دلیل ہے، کہ مساجد اور عام املاک، دکانوں، مکانوں اور مارکیٹوں کے احکام یکساں نہیں ہیں، بلکہ مساجد وغیرہ کے احکام جدا ہیں اور دوسری املاک کے احکام جدا ہیں اگر کوئی فرد یا ادارہ لاعلمی کی بنا پر غلط فہمی کا شکار ہو اور اس طرح کی غیر شرعی فکر کا حامل ہو تو اس کی غلط فہمی کو دور کرنا مسلمانوں اور ان کے مذہبی پیشواؤں کی ذمہ داری ہے۔

(۳۔) قرآن وسنت کی رو سے کسی بھی شرعی مسجد کو شہید کرنا جائز نہیں، اگر کسی ادارے یا فرد کی ناسمجھی اور غلط فہمی کی بناء پر خدانخواستہ مملکت خداداد ''اسلامی جمہوریہ پاکستان'' میں ضابطہ اسلام نظریہ پاکستان کے خلاف مسلمانوں کے مذہبی تشخص کو تہ تیغ کرنے کی جسارت کی جائے تو مسلمان حکومت کے ہر سرکاری وغیر سرکاری فرد کو اس ظلم و جبر کے خلاف احتجاج کا پورا پورا حق حاصل ہوگا اور شعار اسلام (مسجد) کا دفاع و تحفظ مسلمانوں کا مذہبی فریضہ ہوگا، اگر کوئی مسلمان اس مذہبی فریضہ کی ادائیگی کرتے ہوئے کام آجائے تو وہ شرعاً شہید کہلائے گا اور مرتبہ شہادت پر فائز شمار ہوگا، نبی اکرم ﷺ نے اپنی امت کے شہیدوں کی فہرست میں وہ لوگ بھی گنوائے ہیں جو اپنی عزت و آبرو اور مال و متاع کا دفاع کرتے ہوئے مارے جائیں تو جو شخص اپنے مذہبی و روحانی سرمایہ اور

شعائرِاسلام کے دفاع میں جان دیدے، وہ بدرجہ اولیٰ عنداللہ شہید کہلائے گا۔ (فتح الباری ۵/۱۰۰)

﴿۹۵﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ گورنمنٹ نے 18 کنال رقبہ برائے مسجد دیا۔ جس میں مسجد تعمیر شدہ اوراحاطہ کے بعد بچا ہوا رقبہ پڑا ہے۔ تو باقی ماندہ پر عیدگاہ یا دینی ادارہ بن سکتا ہے یا نہیں امام مسجد کے لئے بنے ہوئے مکان غیرآباد کی اینٹیں دینی ادارہ پر خرچ ہوسکتی ہیں۔ حافظ عبدالحمید چک نمبر 2DB میانوالی۔

الجواب: مسجد تعمیر شدہ کے بچے حصے پر مسجد کی افادیت کے لئے اور بچوں کو مسجد سے الگ تھلگ رکھنے کے لیے کوئی حجرہ یا چبوترہ یا وضو یا غسل خانے استنجا خانے بنانے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے اور مسجد کا وہ حصہ جو محدود ہو چکا ہے اس حصہ مسجد کے قبضہ سے خارج کرنا جائز نہ ہوگا۔ البتہ ضرورت کے پیش نظر خارجی حصہ کو مسجد کے اندر داخل کر لینا جائز ہے۔ مگر خوب ذہن نشین ہو کہ یہ رقبہ مسجد ہی کے نام پر رہے گا۔ کسی شخص کو اپنے نام پر منتقل کرنے کی شرعا اجازت نہ ہو گی۔ البتہ کاروبار مسجد چلانے کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ مکانوں کی اینٹیں دینی اداروں پر لگ سکتی ہیں۔ مسجد کے بچے ہوئے رقبہ پر دینی درسگاہ بنانا جائز ہے۔

﴿۹۶﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ ایک شخص نے اپنے زرعی ٹیوب ویل کے نزدیک کافی عرصہ قبل اپنی نمازوں کی ادائیگی کے لیے ایک علیحدہ جگہ (تھڑا) بنایا تھا۔ تاکہ اس جگہ اپنی نماز ادا کر سکے۔ پھر اس تھڑا کو ایک ساتھ والی دوسری جگہ منتقل کر دیا گیا۔ جب کہ زمین کی جگہ کھاتہ مشترک میں تھی۔ جس میں پانچ / چھ آدمی اور بھی حصہ

دار ہیں۔ چونکہ یہ زرعی ٹیوب ویل شہر کے نزدیک واقع ہے۔اس لیے مویشیوں کے پاخانہ سے بچاۓ اور سردی گرمی کے بچاؤ کی خاطر اس پر ایک چھوٹا سا کمرہ بھی تعمیر کر دیا گیا۔ لیکن کسی بھی مالک نے اس جگہ کو مسجد کے لئے وقف نہ کیا تھا۔ لیکن پھر بھی اسے مسجد کا نام دے دیا گیا۔ لیکن اس میں کبھی بھی نماز پنجگانہ با جماعت ادا نہ ہوئی۔ کیونکہ یہ ذاتی نمازوں کی ادائیگی کے لیے مصلیٰ گاہ بنائی گئی تھی۔ اب اس شخص نے اپنا ٹیوب ویل وغیرہ ختم کر دیا ہے۔ اور وہاں رہائشی مکان تعمیر کر لیا ہے۔ مسجد اس کی حویلی کے اندر چلی گئی ہے۔ آپ قرآن وسنت کی روشنی میں وضاحت کریں۔

(۱) مسجد کے لیے زمین کا وقف ہونا ضروری ہے۔

(۲) یہ مسجد خاص ہوگی یا مسجد عام کا حکم ہوگا۔ جگہ تھڑا بناتے ہوئے نیت صرف اپنی ذاتی نمازوں کی ادائیگی کے لیے تھی۔ (۳) کیا اس مسجد کو ایک سے دوسری جگہ بنایا جا سکتا ہے۔ بینوا توجروا۔

سائل محمد زائد آصف ولد ملک محمد شیر علووالی۔

الجواب: مسجد شرعی تب بنتی ہے کہ جب جگہ مخصوص کو اس کے تمام حقوق سمیت اپنے ملک سے مکمل جدا کر دیا جاۓ۔ اس کا راستہ الگ کر دیا جاۓ۔ اور واقف وقف عام کر کے اذن عام کر دے تو ان امور کے بعد اگر کوئی ایک بھی اس مخصوص جگہ میں نماز پڑھ لے تو وہ مسجد شرعی ہے۔ اس میں بیع وشراء تبدیلی کوئی بھی اس میں جائز نہ ہوگا۔ اس میں نہ ہی وراثت کا اور نہ ہی کرایہ کا تعلق ہوگا۔ اگر مذکورہ بالا شرائط نہ پائی جائیں تو وہ فقہ کی اصطلاح میں مسجد نہیں ہے۔ لہٰذا سوال میں مذکورہ کا تھڑا مسجد شرعی نہ ہے۔ ایسی مسجد میں تبدیلی، بیع، شرائط کرایہ کے امور جائز ہیں۔ اگر چہ تھڑا پر چھپر یا کچہ پکہ کمرہ ہو تب بھی وہ مسجد شرعی نہ ہے۔ بلکہ ان تمام مالکان کا اس میں حقوق

وابستہ ہیں۔ اس مسئلہ کی تمام تفصیل کنز الدقائق ص ۲۰۶ اور ھدایہ ص ۶۴۴ پر موجود ہے۔

﴿۹۷﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ ایک شخص نے مرنے سے قبل وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد میرا مکان، جگہ، سفیدہ اور مکان کی تمام گھریلو اشیاء بیچ کر رقم کو مسجد کی تعمیر و مرمت پر خرچ کیا جائے۔ اس وقت مسجد کی کمیٹی کے ممبران نے اس کے مرنے کے بعد سر عام بولی دے کر مکان کی جگہ اور تمام گھریلو اشیاء کو فروخت کر دیا اور رقم مسجد کی تعمیر و مرمت پر خرچ کر دی گئی۔ جب کہ ممبران کمیٹی کے بیان حلفی موجود ہیں۔ کیا یہ جگہ، مکان و سفیدہ، مکان کی تمام گھریلو اشیاء فروخت کرنا شریعت محمدی کی روح سے روا ہے یا نہیں؟۔ اور کیا جس شخص نے رقم ادا کر کے مکان، سفیدہ، سامان وغیرہ بولی پر خرید کیا اس کے لئے جائز ہے یا نہیں ہے۔ شریعت محمدی کی روح مبارک سے حکم صادر فرمایا جائے۔ بینوا توجروا۔

سائل اسماعیل خٹک میانوالی

الجواب: بمطابق سوال موصی کی وصیت پر عمل کر دیا گیا ہے۔ مکان زمین و جملہ سامان بحق مسجد کمیٹی کی نگرانی میں فروخت ہوا بمطابق لف شدہ بیانات حلفی رقم مسجد کی تعمیر و مرمت پر خرچ ہوئی تو اس جگہ ذاتی مکان بنانا تصرف میں لانا جائز اشیاء کا استعمال پر بھی کوئی پابندی نہیں۔ وہ اس کی ملکیت ہو چکی ہے۔ ہمارے علاقہ کا رواج ہے کہ ہر مرنے والا وصیت کرتا ہے کہ میرا سامان مسجد کو دے دینا اس سے مراد سامان یا اس کی قیمت دونوں ہوسکتی ہیں۔ کیونکہ گھریلو سامان کی مسجد میں ضرورت نہیں ہوتی۔ اس کی رقم دے دینا یہ طریقہ اچھا ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

﴿۹۸﴾ **فتــــوی شــــرعــــی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، ہمارے تھل کے علاقہ میں ایک جگہ پر کوئی آبادی نہیں ہے وہاں پر موجود مسجد میں کوئی نماز بھی نہیں پڑھتا۔ کیا ہم اس مسجد کے سامان کو اپنے گاؤں کی مسجد میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟۔ بینوا توجروا۔ سائل اشرف خان میانوالی۔

الجواب: اگر مسجد مذکورہ واقعی ویران ہوچکی ہے کہ اس میں کوئی نماز پڑھنے والا نہیں تو اس گاؤں والے اس مسجد کا سامان اپنے علاقہ کی مسجد پر صرف کر سکتے ہیں۔

شامی ص ۵۱۴ جلد ۳ میں ہے، والذی ینبغی متابعة المشائخ المذکورین فی جواز النقل بلا فرق بین مسجد او حوض کما افتی به الامام ابو شجاع والامام الحلوانی وکفی بهما قدوة لا سیما فی زماننا فان المسجد او غیره من رباط او حوض اذالم ینقل یاخذ انقاضه اللصوص والمتغلبون کما هو مشاهد وکذلك اوقافه یاکلها النظار او غیرهم ویلزم من عدم النقل خراب المسجد الاخر المحتاج الی النقل الیه (الیٰ ان قال) ثم رایت الان فی الذخیره قال وفی فتاویٰ النسفی سئل شیخ الاسلام عن اهل قریة رحلوا او تداعیی مسجدها الیٰ الخراب وبعض المتغلبة یستولون علی خشبه وینقلون الیٰ دورهم هل لواحدلا هل المحلة ان یبیع الخشب بامر القاضی ویمسك

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

الثمن لیصرفه الیٰ بعض المساجد والیٰ هذا المسجد قال نعم الیٰ اخره۔

﴿۹۹﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ کیا امام مسجد اپنے گھر میں مسجد سے کوئی شئے لے جا کر استعمال کر سکتا ہے۔ مثلاً پنکھا وغیرہ۔ شرعی لحاظ سے جائز ہے یا نہیں وضاحت فرمائیں؟ بینوا توجروا۔ سائل اجمل احمد نگی میانوالی

الجواب: آباد مسجد کے لیے وقف شدہ شئے چراغ، پنکھا وغیرہ جو مسجد میں استعمال کی جاتی ہو وہ اور کسی جگہ بھی استعمال کرنی جائز نہیں۔ قرآن مجید کا ارشاد مبین ہے، ان المساجد لله کہ مسجدیں اللہ تعالیٰ کی ہیں، تو بلا اجازت شرعیہ کوئی شخص بھی مسجد کی کسی چیز کو کسی جگہ استعمال نہیں کر سکتا۔ فقہائے کرام نے بطور تمثیل تصریح فرمادی ہے کہ کوئی شخص مسجد کا چراغ اپنے گھر نہیں لے جا سکتا۔ خلاصۃ الفتاویٰ ص ۲۲۹ جلد اول فتاویٰ عالمگیر ص ۵۸ جلد اول میں ہے، والنظم منها ولا یحمل الرجل سراج المسجد الیٰ بیته بلکہ یہاں تک بھی تصریح فرمادی کہ متولی مسجد کو بھی یہ حق حاصل نہیں کہ کسی کو استعمال کی اجازت دے، فتاویٰ قاضی خان ص ۷۱۳، خلاصۃ الفتاویٰ ص ۴۲۳، بحرالرائق ص ۲۵۰ جلد ۵، فتاویٰ عالمگیر ص ۴۴۹ جلد ۲ میں ہے، متولی المسجد لیس له ان یحمل سراج المسجد الیٰ بیته تصریح فرمادی کہ چراغ مسجد جو مسجد میں نمازیوں کے لیے جلایا گیا اس کی روشنی میں کتب شرعیہ کا درس دینا جائز ہے مگر فرماتے ہیں کہ یہ صرف رات کی پہلی تہائی تک جائز ہے۔ اور اس کے بعد رات میں چراغ مسجد پر مسجد میں بھی درس نہیں دے سکتا۔ لہٰذا امام مسجد اپنے استعمال میں مسجد کا پنکھا وغیرہ نہیں لا سکتا ہے۔

﴿۱۰۰﴾ **فتویٰ شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ اہل محلّہ نے مسجد کی تعمیر کے لئے رقم جمع کی، کیا اس رقم سے امام مسجد کا رہائشی کوارٹر تعمیر کر سکتے ہیں یا نہیں؟ (۲) ہمارے علاقہ کا پرانا طریقہ چلا آرہا ہے کہ قربانی کی کھالیں امام مسجد کو دیتے ہیں کیا یہ طریقہ جائز ہے یا نہیں؟ ۔بینوا توجروا۔ سائل محمد شکیل الرحمٰن ساکن گلمیری میانوالی

الجواب: مسجد کے امام صاحب کا رہائشی مکان بنا سکتے ہیں، کیونکہ تکمیل تعمیر کے بعد ضروریات مسجد میں سے سب سے اول نمبر میں امام ہے۔ کیونکہ مسجد کی صرف ظاہری تعمیر کا کوئی اعتبار نہیں جب تک کہ اس کی معنوی اور حقیقی تعمیر نہ ہوتی کہ مسجد کے لیے روشنی پانی وغیرہ کے وسیع تر انتظام سے امام کی ضروریات مقدم ہیں۔ فتاویٰ عالمگیر ص ۳۲۰ جلد ۲ میں ہے، الذی یبدا من ارتفاع الوقف عمارته شرط الواقف ام لا ثم الیٰ ما هو اقرب الی العمارة واعم للمصلحة کالامام للمسجد والمدرس للمدرسة یصرف الیهم بقدر کفا یتهم ثم السراج والبسط کذلك الیٰ اخر المصالح فتاویٰ شامی ص ۵۲۰ جلد ۳ میں ہے، وهو عمارته المعنویه التی هی قیام شعائره (ثم کا فی الهندیة)

بحر الرائق ص ۲۱۳ جلد ۵ میں بھی اسی طرح ہے، پھر ۲۱۵ جلد ۵ میں ہے، ان لشعائر التی تقدم فی الصرف مطلقا بعد العمارة الامام والخطیب (الیٰ ان قال) و یلحق بثمن الذیت والحصر ثمن ماء الوضوء او اجرة حمله او کفة نقله من البئر الیٰ المیضئة۔

(۲) قربانی کی کھالیں غنی اور غریب دونوں کو دے سکتے ہیں جبکہ دینا مزدوری کے طور

پر نہ ہوا۔اور اگر مزدوری یا تنخواہ کے طور پر ہو تو جائز نہیں۔تو آپ لوگ غور کر لیں کہ امام مسجد کو کس نیت سے دیا کرتے ہیں۔اگر معاوضہ بمعنی تنخواہ ہے تو جائز نہیں ہے۔اور جس نے اس نیت دی ہے اس کی قربانی میں نقص پڑ گیا۔جس کا دور کرنا ضروری ہے۔اور اگر معاوضہ بایں معنیٰ ہو کہ ہمارے امام صاحب مسجد کی خدمت اچھی کرتے ہیں اور ہمارے بچوں کو دینی تعلیم دیتے ہیں کسی اور شخص کی نسبت امام کو عطیہ اور ہبہ کے طور پر دینا زیادہ مناسب ہے کیونکہ ایسا دیندار شخص اس امداد سے نیکی کریگا تو یہ تعاون علیٰ البر بن گیا جو یقیناً جائز ہے۔جس کا حکم قرآن کریم میں ہے، و تعاونوا علیٰ البر والتقویٰ پ٦ ع٥۔

اور فرمایا ''ھل جزاء الاحسان الا الاحسان پ٢٧ ع١٣۔''

اور بالخصوص قربانی کے متعلق ہے، فکلوا منھا واطعموا القانع والمعتر پ١٧ ع١٢

اور جب کہ قربانی کے گوشت اور چرم کا ایک ہی حکم ہے تو امام مسجد کو بھی دے سکتے ہیں۔

فتاوٰی عالمگیری ص٨١ جلد٤ میں ہے، و یھب منھا ما شاء للغنی والفقیر یعنی انسان اپنی قربانی میں سے جو چیز چاہے (چرم ہو یا گوشت) فقیر اور غنی کو ہبہ کر سکتا ہے۔

﴿١٠١﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ ہمارے شہر داؤد خیل میں چند نشہ باز نوجوانوں نے حکومت کی مملوکہ زمین میں مسجد تعمیر کر دی ہے کیا یہ مسجد صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ سائل عبدالغفور خان داؤد خیل میانوالی۔

الجواب: وقف کے لئے وقف کرنے کے وقت مالک ہونا شرط ہے۔فتاوٰی عالمگیری ص٣١٥ جلد٢ میں شرائط وقف میں ہے، و منھا الملك وقت الوقف لہٰذا کسی کی زمین میں

مسجد کی شکل بنا کر مسجد کہنے سے شرعاً مسجد نہیں بن سکتی مگر مالک اٹھا دینے کا یقیناً حق رکھتا ہے۔ سرکاری زمینوں پر بلا اجازت تعمیر شدہ مساجد میں نماز ہو جائے گی بوقت ضرورت حکومت گرا سکتی ہے۔

﴿۱۰۲﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ مسجد کے دروازے پر مسجد اہلسنت والجماعت بریلوی اور الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ ﷺ لکھنا کیسا ہے؟ نیز مساجد کی غیر اللہ کی طرف نسبت کرنا کیسا ہے وضاحت سے لکھیں نیز حوالہ بھی دیں۔ نوازش ہوگی۔

سائل صالح محمد کندیاں میانوالی۔

الجواب: مساجد کی نسبت غیر اللہ کی طرف بلاشبہ جائز ہے۔ جیسا کہ تفسیر جمل جلد ۴ ص ۴۲۱ میں آیت کریم ان المسجد لله کے خلاف نہیں، اضافة المسجد الى الله تعالىٰ اضافة تشريف و تكريم و قد تنسب الىٰ غيره تعريفا قال صلى الله تعالىٰ عليه وسلم صلاة فى مسجدى هذا خير من الف صلاة فيما سواه الا المسجد الحرام۔ اسی لیے مکہ معظمہ میں مسجد عائشہ، مسجد جن، مسجد کبش وغیرہ اور مدینہ طیبہ میں مسجد علی، مسجد ابوبکر، مسجد بنی قریظہ اور مسجد ابراہیم وغیرہ بے شمار مساجد غیر اللہ کی نسبت کے ساتھ مشہور ہیں۔ اور مسجد کے صدر دروازہ یا محراب وغیرہ کی نمایاں مقام پر مسجد اہلسنت لکھنا بھی جائز ہے۔ اور اگر اس مسجد پر کسے دوسرے گروہ کا قبضہ کرنے کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں اس پر مسجد اہل سنت کے ساتھ ساتھ

الصلوٰة والسلام عليك يا رسول الله ﷺ لکھنا ضروری ہے۔

﴿۱۰۳﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، ہمارے چکڑالہ میں ایک امام صاحب نے کہا ہے کہ مسجد میں بچوں کو پڑھانے کی ممانعت ہے۔

کیاان کا یہ کہنا صحیح ہے۔اکثر مساجد میں ہی درس قرآن ہوتا ہے۔ہماری راہنمائی فرمائیں۔

بینوا توجروا۔ (سائل ملک محمد ظفراللہ چکڑالہ میانوالی)

الجواب: اگر بچے ناسمجھ ہیں توان کومسجد میں پڑھانا منع ہے۔کہ ان کو مسجد میں لے جانے کی اجازت ہی نہیں وہ اداب مسجد سے ناواقف ہوتے ہیں اگر مدرس تنخواہ لے کر مسجد میں پڑھاتا ہوتو بھی ناجائز ہے۔خواہ بچے ناسمجھ ہوں یا بڑی عمر والے سمجھدار۔اس لیے کہ تنخواہ لے کر پڑھانا دنیاوی کام ہے اور مسجدیں دنیاوی کاموں کے لیے نہیں ہیں۔الاشباہ والنظائر ص ۳۷۰ میں ہے، تکرہ الصناعة فيه من خياطته و كتابة باجر و تعليم صبيان باجر لا بغيره۔

اوراعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ مسجد میں ناسمجھ بچوں کے لے جانے کی ممانعت ہے۔

حدیث میں ہے، جنبو امساجد من کم صبیانکم و مجانینکم۔خصوصاً اگر پڑھانے والا اجرت لے کر پڑھاتا ہوتو اور بھی زیادہ ناجائز کہ اب کارِ دنیا بھی ہوگیا اور دنیا کی بات کے لیے مسجد میں جانا حرام ہے۔۔(فتاویٰ رضویہ جلد ششم ص ۴۴۶)

﴿۱۰۴﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ میں نے زمین اس نیت سے خریدی تھی کہ نیچے عالیشان مسجد ہوگی اوپر مدرسہ تعمیر کرونگا کیا ایسا کرسکتا ہوں؟ بینوا توجروا۔ سائل قاری ابراراحمد چک 32 ضلع میانوالی

الجواب: برادرم قاری ابراراحمد صاحب آپ مسجد کے اوپر مدرسہ نہیں بنا سکتے کہ مسجد ہوجانے کے بعد اس کی چھت پر مسجد کے علاوہ کسی قسم کی دوسری عمارت بنانا جائز نہیں۔ بہارشریعت

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حصہ دہم ص ۸۷ ’’مسجد کی چھت پر امام کے لیے بالا خانہ بنانا چاہتا ہے اگر قبل تمام مسجدیت ہو تو بنا سکتا ہے او مسجد ہو جانے کے بعد نہیں بنا سکتا۔ اگر چہ کہتا ہو کہ مسجد ہونے کے پہلے سے میری نیت بنانے کی تھی بلکہ اگر دیوار مسجد پر حجرہ بنانا چاہتا ہو تو اس کی بھی اجازت نہیں یہی حکم خود واقف اور بانی مسجد کا ہے۔ لہٰذا جب اسے اجازت نہیں تو دوسرے بدرجہ اولیٰ نہیں بنا سکتے اگر اس قسم کی کوئی نا جائز عمارت چھت یا دیوار پر بنا دی گئی تو اسے گرا دینا واجب ہے۔ اور در مختار میں ہے،

لو تمت المسجدية ثم اراد البناء منع ولو قال عنيت ذلك لم يصدق تاترخانية فاذا كان هذا في الوقف فكيف بغيره فيجب هدمه ولو على جد ار المسجد۔

﴿۱۰۵﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ ہمارے نوجوانوں نے چندہ اکٹھا کیا ہے۔ پرانی مسجد کو شہید کر کے اس کی جگہ نئی مسجد تعمیر کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس نئی تعمیر میں کچھ قبریں آتی ہیں ان کا کیا کیا جائے وضاحت فرما دیں۔

بینوا توجروا۔ سائل مولوی محمد رمضان و جملہ اراکین مسجد غوثیہ ہرنولی میانوالی

الجواب: دو چار قبروں کے مسجد میں آ جانے کے سبب مسجد قدیم کی مسجدیت ختم نہیں ہو جائے گی۔ بلکہ وہ اب بھی عند الشرع مسجد ہے۔ جہاں پر قبریں نہ ہوں اس حصہ پر نماز پڑھنا اور اس مسجد کی امامت کرنا جائز ہے۔ البتہ جو لوگ قبروں کو مسجد میں شامل کر دے وہ سخت گنہگار ہوئے۔ اس لیے کہ قبروں کو مسجد بنانا اور اس پر نماز پڑھنا جائز نہیں۔ جیسا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ الرحمان تحریر فرماتے ہیں، لا يحل اتخاذ القبور مساجد ولا تناح الصلوٰة عليها (فتاویٰ رضویہ جلد ششم ص ۴۴۰)۔

لہٰذا مسجد بنانے والوں پر لازم ہے کہ جتنے حصے میں قبریں ہیں ان کے چاروں طرف سترہ کی مقدار دیوار کھڑی کر دیں تاکہ اوپر چھت ڈال دیں کہ چھت کا اوپر والا حصہ مسجد کے فرش سے ملا دیں اور چھت کا نچلا حصہ قبر سے نہ ملائیں بلکہ دونوں کے درمیان تھوڑی جگہ خالی چھوڑ دیں۔ اس طرح قبروں کی بے حرمتی بھی نہیں ہوگی۔ اور ان کی چھت پر نماز پڑھنا بھی جائز ہو جائے گا۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رضی عنہ تحریر فرماتے ہیں، بیرون حدود مقبرہ ستون قائم کر کے اوپر کافی بلندی پر پاٹ کر چھت کو صحن مسجد سابق سے ملا کر مسجد کر دینا چاہتا ہے۔ اس طرح کہ اس چھت کے ستون قبور مسلمین پر واقع نہ ہوں۔ بلکہ حدود مقبرہ سے باہر ہوں تو اس میں حرج نہیں (فتاویٰ رضویہ جلد ششم ص ۳۹۹)

یہ سب اس صورت میں ہے جب کہ قبرستان وقف نہ ہو اور زمین کے مالک کی اجازت سے قبرستان کا بعض حصہ داخل مسجد کر لیا گیا ہو۔ اور اگر قبرستان وقف ہو تو اس کی جتنی زمین پر مسجد بنائی گئی ہو اس حصہ کا انہدام ضروری ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے، لا یجوز تغییر الوقف) اور فتح القدیر میں ہے، الواجب ابقاء الوقف علیٰ ما کان علیہ۔

﴿۱۰۶﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، ہمارے شہر میں ایک قدیم مسجد ہے۔ امام مسجد کا شہر کے لوگوں کے ایک محلّہ کے لوگوں سے جھگڑا ہو گیا ہے انہوں نے اسے امامت سے فارغ کر دیا۔ کچھ لوگوں نے اسے سرکاری شاملات کی ۵ مرلہ جگہ دے دی اور چندہ کر کے تعمیراتی سامان بھی خرید دیا اب اس امام مسجد کی صلح ہوئی ہے۔ جو سامان خریدا گیا ہے اس کا کیا حکم ہے۔ وقف زمین کا کیا حکم ہے؟

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سائل سمیع اللہ خان میانوالی۔

الجواب: قدیم مسجد کا ویران کرنا درست نہ ہے۔امام مسجد کو جو زمین دی گئی ہے وہ بھی شاملات دیہہ کی ہے۔وقف کرنے والے کی ملکیت نہ ہے۔غیر مملوکہ زمین کا وقف درست نہ ہے۔ جو چندہ مسجد کے نام پر جمع کیا گیا ہے وہ شہر کی قدیمی واحد مسجد کو دے دیا جائے۔سامان اسی مسجد پر یا قریب زیر تعمیر کو دے دیں۔زمین کا وقف تام بھی نہیں ہوا۔کیونکہ نہ اس پہ مسجد تعمیر ہوئی ہے نہ نماز پڑھی گئی ہے۔جب تک مسجد کو نماز کے لیے نہ کھولا جائے وقف تام نہیں ہوتا،وہ جگہ استعمال میں لائی جاسکتی ہے۔

﴿۱۰۷﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، ہمارے گاؤں میں ایک شخص نے اپنی زرعی زمین اور مکان زبانی طور پر مسجد کے لے وقف کیا۔قبضہ، انتقال نہ کرایا کہ فوت ہوگیا۔یہ جائیداد ورثا بھتیجوں کے نام محکمہ مال نے منتقل کر دی ہے۔اب مسئلہ یہ ہے کہ زبانی وقف درست ہوگا یا نہیں؟اس کی بیوہ موجود ہے اس کو کیا ملے گا؟

بینوا توجروا۔سائل نجیب اللہ میانوالی۔

الجواب: شرعاً زبانی وقف بھی کافی ہے۔لیکن مرنے سے قبل وصیت صرف 1/3 حصہ پر نافذ ہوگی۔وقف تام نہیں ہوا۔اگر ورثاء 1/3 حصہ مسجد کو دے دیں انہیں بھی اجر ملے گا۔بیوہ مکان میں رہائش پذیر ہے اس کا کل جائیداد میں 1/4 حصہ سے وہ اپنے اخراجات چلائے۔مرنے کے بعد بمطابق تحریر متوفی وہ مکان مسجد میں شامل کر دیا جائے۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

باب الجماعت

(جماعت کا بیان)

﴿۱۰۸﴾فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ فرض نماز کی جماعت کے لیے کتنے مقتدیوں کا ہونا ضروری ہے؟۔بینوا توجروا۔سائل محمد ساجداللہ خان

الجواب: جمعہ اور عیدین کے علاوہ دیگر نمازوں کی جماعت کے لیے امام کے ساتھ کم از کم ایک مقتدی کا ہونا ضروری ہے۔درمختار میں ہے،"اقلھا اثنان واحد مع الامامہ"اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے،"اذا زاد علی الواحد فی غیر الجمعة فھو جماعة کذا فی السراجیة۔"

﴿۱۰۹﴾فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں،

(۱) نماز کا وقت ہوگیا۔ایک آدمی درمیان صف میں سنتیں پڑھ رہا تھا۔آیا باقی آدمی انتظار کریں یا سنتیں پڑھنے والا آدمی مکمل کر کے اسی جگہ پر فرض نماز میں شامل ہو جائے۔؟

(۲) پہلی صف میں بالغ آدمی کھڑے ہیں ۔ دوسرے صف میں چھوٹے بچے نابالغ کھڑے ہیں بعد میں آنے والا آدمی کہاں کھڑا ہوگا۔؟بینوا توجروا۔سائل حافظ شمس الدین متعلم جامعہ اکبریہ میانوالی۔

الجواب: (۱) اس کا انتظار نہیں ہوگا۔اس کے پڑھتے ہوئے دوسرے لوگ نماز کی نیت باندھ لیں گے اور وہ شخص اپنی نماز پوری کر کے شامل ہو جائے گا۔اور یہ صورت قطع صف میں داخل نہیں۔(۲) بعد میں آنے والے بالغ حضرات لڑکوں کی صف میں کھڑے ہوں کہ اس مسئلہ میں نابالغ بالغ کے حکم میں ہے۔"لأن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صلی بانس والیتیم و اقامھما خلفہ"

مشکوٰۃ شریف باب المواقیت میں ہے،"عن انس قال صلیت وانا ویتیم فی بیتنا خلف

النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وام سلیم خلفنا۔"

"رواہ مسلم" بحرالرائق میں ہے، "ظاھر حدیث انس انہ یستوی بین الرجل والصبی ویکونان خلفہ فانہ قال فصفت انا والیتیم ورائہ والعجوز من ورائنا ویقتضی ایضا ان للصبی الواحد لا یکون منفردًا عن صف الرجال بل یدخل فی صفھم۔

تو جب ایک بالغ اور نابالغ کی صف قائم ہوسکتی ہے۔ اور ایک نابالغ مردوں کی صف کے درمیان کھڑا ہوسکتا ہے تو صورت مسئولہ میں چند بالغ نابالغوں کے برابر بھی کھڑے ہو سکتے ہیں اور یصف الرجال ثم الصیبیان کا حکم وجوبی نہیں۔

﴿۱۱۰﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ امام داہنی یا بائیں جانب سلام پھیر رہا ہے۔ آنے والا جماعت میں شریک ہوسکتا ہے یا نہیں؟۔ آنے والا جماعت میں شریک ہونے کے لیے تکبیر تحریمہ کہہ چکا ہے۔ جماعت نہ ملنے کی صورت میں دوبارہ تکبیر تحریمہ کہے یا وہی کافی ہے؟۔بینوا توجروا۔ سائل شریف میانوالی

الجواب: اگر امام پر سجدہ سہو واجب تھا جس کے لیے وہ اپنی داہنی جاب سلام پھیر رہا تھا یا اس سہو ہونا یاد نہ تھا اس لیے وہ بہ نیت قطع داہنی جانب بھول کر سلام پھیرنے کے بعد بائیں جانب کے سلام میں مصروف تھا پھر کوئی فعل منافی نماز کرنے سے پہلے سجدہ کر لیا تو ان دنوں صورتوں میں سلام پھیرنے کے وقت آنے والا جماعت میں شریک ہوگا۔

تو اس کا اقتدا صحیح ہو جائے گی۔

درمختار مع شامی جلد اول ص ۵۰۲ میں ہے۔ "سلام من علیہ سجود سھو یخرجہ، من

الصلوٰۃ خروجا موقوفان سجد عاد الیھا والالا وعلی ھذا فیصح الاقتداء بہ۔

اور اگر سجدہ سہو واجب نہ تھا مگر نماز کی تکمیل کے بعد سلام پھیر رہا تھا اور سہو نہیں تھا تو ان صورتوں میں سلام پھیرنے کے وقت آنے والا اگر جماعت میں شریک ہوگا تو اس کی اقتدا صحیح نہ ہوگی۔اس لیے کہ سلام میں مشغول ہوتے ہیں وہ نماز سے خارج ہوگیا۔اور اس صورت میں ظاہر یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ دوبارہ کہے گا۔

﴿۱۱۱﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ مکبر جب اقامۃ کہے تو حی علی الفلاح کے وقت کھڑا ہونا چاہیے یا اول اقامۃ میں کھڑا ہوجائے۔فقہ اور حدیث میں اس کا کیا حکم ہے۔بینوا توجروا۔سائل ملک دوست محمد محلہ میانہ میانوالی۔

الجواب: مستحب امر ہے کہ مکبر جب اقامۃ حی علی الصلوۃ تک کہے مقتدی کھڑے ہوں لیکن صفیں درست کرنا پہلے ضروری ہے۔حضور نبی کریم ﷺ سے یہی ثابت ہے۔اس مسئلہ کی دو صورتیں ہیں۔

پہلی صورت: امام صاحب موجود نہ ہوں مقتدی موجود ہیں اور اقامت شروع ہوجائے۔تو سنت یہ کہ مقتدی بیٹھے رہیں۔اور امام کے مصلے کی طرف آنے پر کھڑے ہوں۔چنانچہ بخاری اور مسلم میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے۔" اذا اقیمت للصلوۃ فلا تقوموحی ترونی " جب نماز کی اقامت کہی جائے تو مت کھڑے ہوجایا کرو جب تک مجھے اپنی طرف آتا نا دیکھو۔

دوسری صورت: یہ کہ امام اور مقتدی دونوں موجود ہوں۔اس صورت میں قد قامت الصلوۃ پر یا ذرا پہلے یعنی حی علی الصلوۃ یا حی علی الفلاح پر کھڑے ہونا سنت ہے۔اور اقامت کے شروع میں

کھڑے ہو جانا جیسا کہ آج کل رواج بن گیا ہے۔ خلاف سنت اور مکروہ ہے۔

چنانچہ امام بیہقی اور دیگر محدثین نے حضرت عبداللہ ابن ابی اوفی سے روایت کی ہے کہ آپ فرماتے ہیں۔ ''حضرت بلال ؓ جب قد قامت الصلوۃ کہنے لگے تو رسول اللہ ﷺ اٹھ کھڑے ہوتے اور تکبیر کہتے۔''

امام بخاری کے دادشیخ محدث عبدالرزاق اپنے مصنف میں روایت کرتے ہیں کہ حضرت عطیہ تابعی فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عبداللہ ابن عمر ؓ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو جونہی اقامت شروع ہوئی تو ہم اٹھ کھڑے ہوئے۔ تو حضرت عبداللہ نے فرمایا بیٹھ جاؤ۔ جب قد قامت الصلوۃ کہنے لگے تو کھڑے ہونا۔

فقہ کا متفقہ فیصلہ فتاویٰ عالمگیری جلد ا ص ۱۱۲، عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ ص ۱۳۶، شامی جلد ا ص ۲۶۸، فیض الرسول، فتاویٰ امجدیہ، فتاویٰ رضویہ، فتاویٰ نوریہ، بہار شریعت،

ردالمحتار میں ہے،'' اذا دخل الرجل عند الاقامة یکرہ له الا نتظار قائما ولکن یقعد ثم یقوم اذا بلغ المؤذن قوله حی علی الفلاح۔''

﴿۱۱۳﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ اقامت جب پڑھی جائے تو حی علی الفلاح کے بعد کھڑا ہونا سنت ہے یا کہ مستحب۔؟ اس کا جواب بحوالہ کتب فقہ معہ عبارت مرحمت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔ سائل عبدالرحمٰن خان میانوالی

الجواب: اسی قسم کے سوال کا جواب دیتے ہوئے علامہ شاہ محمد اجمل قادری فتاویٰ اجملیہ میں تحریر فرماتے ہیں آج کل اکثر جگہ یہ رواج پڑ گیا ہے کہ بوقت تکبیر لوگ کھڑے ہو جاتے ہیں۔ بلکہ بعض جگہ تو یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ جب تک امام مصلی پر کھڑا نہ ہو جائے اس وقت تک

الصلوۃ والسلام علیک یا حبیب اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

تکبیر ہی نہیں کہتے تو یہ بات مکروہ اور خلاف سنت ہے اور تصریحات کتب فقہ اور اقوال فقہاء احناف بلکہ خود قول امام الائمہ سراج الامۃ حضرت امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کے خلاف ہے بلکہ عمل صحابہ کرام وحدیث خیر الانام علیہ التحیۃ والسلام کے بھی خلاف ہے۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ ایسے غلط فعل اور بلا دلیل عمل سے پرہیز کریں۔ مکروہ اور خلاف سنت رواج سے بچیں اور شروع تکبیر سے کھڑے نہ ہوں۔ کتب فقہ مین تو یہاں تک تاکید موجود ہے کہ اگر کوئی شخص ایسے وقت مسجد میں آیا کہ تکبیر ہو رہی تھی تو وہ فوراً بیٹھ جائے اور جب تکبیر کہنے والا حی علی الفلاح کہے تو یہ شخص کھڑا ہو۔

(۱) چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے، "اذا دخل الرجل عند الاقامة يكره له الانتظار قائما ولكن يقعد ثم يقوم اذا بلغ المؤذن قوله حي على الفلاح۔ كذافي المضمرات۔ (ص ٤٠) "جب کوئی شخص تکبیر کے وقت آئے تو اسے کھڑے ہو کر انتظار کرنا مکروہ ہے بلکہ وہ بیٹھ جائے پھر جب تکبیر کہنے والا حی علی الفلاح پر پہنچے تو کھڑا ہو ایسے ہی مضمرات میں ہے۔

(۲) جامع الرموز میں ہے، "لو دخل المسجد احد عند الاقامة يقعد لكراهة القيام والانتظار (ج ١ ص ٧٢) "اگر کوئی شخص تکبیر کے وقت مسجد میں داخل ہو تو قیام اور انتظار کے مکروہ ہونے کی وجہ سے بیٹھ جائے۔

(۳) ردالمحتار میں ہے، "يكره له الانتظار قائما ولكن يقعد ثم يقوم اذا بلغ المؤذن حي علىٰ الفلاح۔ (ردالمحتار ص ٢٨٠) "(تکبیر کے وقت آنے والے کو) کھڑے ہو کر انتظار کرنا مکروہ ہے بلکہ وہ بیٹھ جائے پھر تکبیر کہنے والا حی علی الفلاح پر پہنچے تو وہ کھڑا ہو۔

(۴) طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے، "واذا خذ المؤذن فی الاقامة و دخل رجل المسجد فانه يقعد ولا ينتظر قائما فانه مكروه كما فی المضمرات وقهستانی ويفهم منه كراهة القيام ابتداء الاقامة والناس عنه غافلون۔ (طحطاوی مصری ص ۱۲۱)

جب تکبیر کہنے والا تکبیر شروع کرے اور کوئی شخص مسجد میں آئے تو وہ بیٹھ جائے اور کھڑے ہو کر انتظار نہ کرے کہ یہ مکروہ ہے۔ جیسا کہ مضمرات اور قہستانی میں ہے اور اس سے شروع تکبیر سے کھڑے ہونے کی کراہت معلوم ہوئی اور لوگ اس سے غافل ہیں۔

ان عبارات سے ثابت ہوا کہ جب تکبیر میں آنے والے کو تھوڑی دیر کے لیے کھڑے ہو کر انتظار کرنا مکروہ ہے تو شروع تکبیر سے کھڑے ہو کر انتظار کرنا تو بدرجہ اولیٰ مکروہ ہوا۔ اب باقی رہا یہ امر کہ مقتدیوں کو تکبیر میں کس وقت کھڑا ہونا چاہیے اس کی چند صورتیں فقہاء نے لکھی ہیں۔ جنہیں بہ تفصیل ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) امام محراب کے قریب نہیں ہے اور تکبیر ہو رہی تھی کہ مسجد میں صفوں کے آگے سے داخل ہوا تو سب مقتدی امام کو دیکھتے ہی کھڑے ہو جائیں۔ بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، دارمی، طبرانی وغیرہا کتب احادیث میں یہ حدیث مروی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا،

(۱) اذا اقيمت الصلوٰة فلا تقوموا حتى ترونی۔ (بخاری شریف ص ۸۸)

جب نماز کے لیے تکبیر کہی جائے تو تم کھڑے نہ ہونا یہاں تک کہ تم مجھے دیکھ لینا۔

(۲) درمختار میں ہے " وان دخل من قدام قاموا حين يقع بصرهم عليه"

اگر امام صفوں کے آگے سے آئے تو اسے مقتدی جس وقت دیکھیں کھڑے ہو جائیں۔

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(۳) طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے، "وان دخل من قدامهم قاموا حين راوه (طحطاوی ص ١٦١)" اگر امام صفوں کے سامنے داخل ہو تو مقتدی اسے دیکھتے ہی کھڑا ہو جائیں۔ (۴) عینی شرح کنز الدقائق میں ہے، وان دخل من قدام يقومون حين يقع بصرهم عليه (عين ص ٣١)"

اور اگر امام سامنے سے آئے تو مقتدیوں کی اس پر جب نگاہ پڑے کھڑے ہو جائیں۔

(۵) بدائع میں ہے، ان دخل الامام من قدام الصفوف فكما رواه قامو الانه كما دخل المسجد قام مقام الامامة۔ (بدائع ص ٤٠٠)

اگر امام صفوں کے آگے سے آیا تو اس کو جب مقتدی دیکھیں کھڑے ہو جائیں اس لیے کہ وہ مسجد میں داخل ہوا تو امامت کی جگہ پر قائم ہو گیا۔

(۶) امام محراب کے قریب نہ ہو اور مسجد میں صفوں کے پیچھے سے داخل ہوا تو امام جس صف پر گذرتا جائے وہی صف کھڑی ہوتی جائے۔ یہ مضمون اس حدیث شریف سے مستفاد ہوتا ہے اور بکثرت کتب فقہ سے ثابت ہے۔

مراقی الفلاح اور طحطاوی میں ہے، وان لم يكن حاضرا يقوم كل صف حين ينتهى اليه الامام فى الاظهر وفى عبارة بعضهم فلما جاوز صفا قام ذلك الصف

(طحطاوی ص ١٦١)

"وان لم يكن حاضر الايقوم القوم كل صف حين ينتهى اليه الامام فى الاظهر وفى عبارة بعضهم فكلما جاوز صفا قام ذلك الصف۔ (طحطاوی مصری ١٦١)

اگر امام مسجد میں موجود نہ ہو تو وہ امام جس صف تک پہنچے وہی صف کھڑی ہوتی جائے اور یہ قول ظاہر تر ہے اور بعض فقہا کی یہ عبارت ہے کہ امام جس صف پر گذرے وہی صف کھڑی ہو جائے۔

عینی شرح کنز الدقائق میں ہے، "وان لم یکن امام بقریب المحراب بان کان فی موضع آخر فی المسجد وخارجه ودخل من خلف فیقوم کل صف ینتهی الیه الامام علی الاظهر ملخصا۔ (ردالمحتار ص ۳۳)

اگر امام محراب کے قریب نہ ہو اور مسجد کی کسی دوسرے جگہ میں ہو یا مسجد سے باہر ہو اور صفوں کے پیچھے سے داخل ہو تو امام جس صف تک پہنچے وہی صف کھڑی ہوتی جائے بنا بر قول ظاہر تر ہے۔

ہدایہ میں ہے، "وان کان خارج المسجد لا یقومون مالم یحضر لقول النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم لا تقوموا فی الصف حتی ترونی خرجت (وفیه ایضا) وان دخل من وراء لصفوف فالصحیح انه کلما جاز فصار فی حقهم کانه اخذ مکان۔

(بدائع ج ۱ ص ۲۰۰)"

اگر امام مسجد سے باہر ہو تو مقتدی اس کے آنے تک کھڑے نہ ہوں جیسا کہ فرمان نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے، تم صف میں کھڑے نہ ہو یہاں تک کہ مجھ کو نکلتا ہوا دیکھو۔ (اور اسی میں ہے) اگر امام صفوں کے پیچھے سے آیا تو صحیح قول یہ ہے کہ جب وہ کسی صف سے گذر گیا تو ان کے حق میں ایسا ہو گیا کہ گویا کہ وہ اپنی جگہ پہنچ گیا۔

امام مسجد میں محراب کے قریب موجود ہے تو امام و مقتدی اس وقت کھڑے ہوں جب تکبیر کہنے والا حی علی الفلاح تک پہنچے۔ علامہ قاری علی علیہ رحمۃ الباری مرقات میں اس حدیث شریف

کے تحت میں فرماتے ہیں جو کہ نمبر ا پر منقول ہے، "ولعله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان يخرج من الحجرة بعد شروع المؤذن فى الاقامة و يدخل فى محراب المسجد عند قوله حى على الصلاة ولذاقال ائمتنا و يقوم الامام والقوم عند حى على الصلاة (حاشيه مشكوة شريف ص ٦٤)"

شاید کے حضور ﷺ حجرے شریف سے تکبیر کہنے والے کی تکبیر شروع کرنے کے بعد نکلتے تھے اور محراب مسجد میں حی علی الصلوٰۃ کہنے کے وقت تشریف لاتے اس لیے ہمارے ائمہ نے فرمایا کہ امام ار مقتدی حی علی الصلوٰۃ کے وقت کھڑے ہوں۔

نووی شرح مسلم میں: "كان انس رحمة الله تعالىٰ يقوم اذا قال المئوذن قد قامت الصلاة و به قال احمد رحمه الله تعالى عليهٗ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ اس وقت کھڑے ہوتے جب تکبیر کہنے والا قد قامت الصلاۃ کہتا اور یہی امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کتاب الآثار میں ہے، "عن الامام الاعظم عن طلحة عن مطرف عن ابراهيم انه قال اذ ا قال المئوذن حى على الفلاح فينبغى للقوم ان يقوموا للصلوة قال محمد و به ناخذ وهو قول ابى حنيفة۔

(صحيح البهارى ص ٤٦٩)"

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابراہیم نے فرمایا کہ جب تکبیر کہنے والا حی علی الفلاح کہے تو قوم کے لیے کھڑا ہونا مناسب ہے۔امام محمد نے فرمایا کہ ہم اسی کو دلیل بناتے ہیں اور یہی امام اعظم ابو حنیفہ کا قول ہے۔

شرح وقایہ میں ہے،" ویقوم الامام و القوم عند حی علی الفلاح" (شرح وقایہ ص ۱۶۸)

امام اور مقتدی حی علی الفلاح کے وقت کھڑے ہوں۔

ملتقی الابحر میں ہے، "واذ قال حی علی الصلاۃ قام الامام و الجماعۃ۔

(شرح وقایہ فارسی ص ۶۸)

جب تکبیر کہنے والا حی علی الصلوۃ کہے تو امام اور جماعت کھڑی ہو۔

کنز الدقائق میں ہے،" القیام حین قیل حی علی الفلاح (کنز قیومی ص ۱۳)

اور کھڑا ہونا جس وقت حی علی الفلاح کہی جائے

نور الایضاح میں ہے:" والقیام حین قیل حی علی الفلاح۔ (نور الایضاح مطبوعہ قاسمی ص ۲۸)

اور کھڑا ہونا جب حی علی الفلاح کہی جائے

تنویر الابصار میں ہے،" والقیام حین قیل حی علی الفلاح ان کان الامام یقرب "

مراقی الفلاح میں ہے،:" ومن الادب القیام ای قیام القوم والامام ان کان حاضراً یقرب المحراب حین قیل ای وقت قول المکبر حی علی الفلاح لانہ امر لہ فیجاب۔ (طحطاوی ص ۱۶۱)

اگر امام محراب کے قریب موجود ہو تو تکبیر کہنے والے حی علی الفلاح کے وقت امام اور مقتدیوں کا کھڑا ہونا مستحب ہے۔ اس لیے کہ اس نے حی علی الفلاح سے قیام کا حکم کیا تو اس کی اجابت کی جائے۔ درمختار میں ہے:" والقیام للامام والموتم حین قبل حی علی الفلاح خلافاً لزفر فعندہ عند حی علی الفلاح۔ (حاشیہ ردالمحتار ص ۳۳۶)

اور امام اور مقتدی کو حی علی الفلاح کے وقت کھڑا ہونا چاہیے اور امام زفر سے اس کی مخالفت مروی ہے ان کے نزدیک حی علی الصلوٰۃ پر۔

تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق میں ہے، "قولہ والقیام حین قیل حی علی الفلاح لانہ امر بہ فیستحب المسارعۃ الیہ۔" (ص ۱۰۸)

صاحب کنز کا یہ قول کہ حی علی الفلاح کے وقت کھڑا ہونا چاہیے اس کی علت یہ ہے مکبر حی علی الفلاح کہہ کر حکم دیتا ہے تو قیام کی طرف مسارعت مستحب ہے۔

بحرالرائق شرح کنزلدقائق میں ہے، "قولہ والقیام حین قیل حی علی الفلاح لانہ امر بہ فیستحب المسارعۃ الیہ اطلقہ فشمل الامام والماموم ان کان الامام یقرب المحراب"۔ (ص ۳۲۱)

طحطاوی المراقی الفلاح صفحہ ۱۶۱ میں ہے، صاحب کنز کا یہ قول کہ حی علی الفلاح پر قیام ہو اس کی علت یہ ہے کہ مکبر نے حی علی الفلاح سے قیام کا حکم کیا تو قیام کی جانب عجلت مستحب ہے اور صاحب کنز نے قیام کو مطلق کہا تو یہ حکم امام اور مقتدی کو شامل ہے جب کہ امام محراب کے قریب موجود ہو۔ اگر مکبر امام کے علاوہ ہو اور قوم امام کے ساتھ مسجد میں موجود ہو تو ہمارے تینوں اماموں کے نزدیک جب تکبیر کہنے والا حی علی الفلاح کہے اس وقت امام اور قوم کھڑے ہوں۔ مفتی بہ صحیح مذہب یہی ہے۔ ان عبارات اور احادیث جو ابتداء میں نقل ہوئی سے نہایت واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ حی علی الفلاح پر کھڑے ہونا مستحب ہے۔ اور یہ خود امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان سے ثابت ہے۔ بلکہ جب مکبر حی علی الصلوۃ کو تمام کر کے حی علی الفلاح پر پہنچے تو کھڑے ہو جائیں۔

بالجملہ اس تفصیل سے ظاہر ہو گیا کہ مقتدیوں کو شروع سے کھڑا ہونا یقیناً مکروہ ہے اور حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا مستحب ہے۔

﴿۱۱۳﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ محمد انور کی عمر ۲۰ سال کی ہے جو بالغ حافظ قرآن خوش آواز صحت کے ساتھ پڑھنے والا ہے۔ البتہ اس کے ابھی تک داڑھی نہیں نکلی ہے۔ مونچھیں نمودار ہیں اور سوا اس کے اور کوئی صحت سے پڑھنے والا بھی نہیں ہے۔ تو ایسی صورت میں از روئے شرع شریف محمد انور کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں، اس کی وضاحت کی جائے؟ بینوا توجروا۔ سائل والد محمد انور میانوالی

الجواب: شخص مذکور کی جب اٹھارہ (۱۸) سال کی عمر ہے تو وہ بلا شبہ یقیناً بالغ ہے کہ شرح میں پندرہ برس کا بالغ قرار دیا گیا ہے۔

کنز الدقائق میں ہے، " ویفتی بالبلوغ فقھا بخمس عشرۃ سنۃ۔"

درمختار و تنویر الابصار میں ہے، " فان لم یوجد فیھا شیٔ فحتی یتم لکل منھما خمس عشرۃ سنۃ وبه یفتی۔ " ان عبارات سے واضح ہو گیا کہ قول مفتٰی بہ یہی ہے کہ جب پندرہ برس کی عمر ہو جائے تو وہ شرعاً بالغ ہے اور سوال میں اسکی عمر ۲۰ برس کی ظاہر کی گئی ہے لہٰذا اس کے بالغ ہونے میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں۔ اب باقی رہا یہ کہ وہ بے ریش ہے کی امامت تو فقہاء نے اس کے مکروہ تنزیہی ہونے کی یہ علت لکھی کہ وہ ایسا خوبصورت ہو کہ محل فتنہ اور شہوت بن جائے۔

شامی میں ہے، " تکرہ خلف امرد الظاھر انھا تنزیھۃ ایضا والظاھر کما قال الرحمتی ان المراد الصبیح الواجه لانه محل الفتنه۔"

اورسائل نے اپنے بیٹے کوفتویٰ طلب کرتے وقت پیش کیا تو وہ ایسا خوبصورت نہیں ہے جومحل شہوت اورفتنہ ہو۔لہٰذا اس کی امامت مکروہ تنزیہی بھی نہیں ہے۔

حاصل جواب یہ ہے کہ شخص مذکور یقیناً بالغ ہےاوراس کی امامت صحیح ہے۔

﴿۱۱٤﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں،

کہ امام کے لئے تنخواہ لینا جائز رکھا گیا ہے۔اگرقرآن شریف پڑھ کراس کا ثواب بخش دینے کے بدلے میں کچھ لینا جائز ہوتو فبہااوراگرنا جائز ہےتوامام کے لیے تنخواہ دینا جائزقرار دیا گیا۔وہ بھی نا جائز ہونا چاہیے۔کیونکہ ادھرقرآن شریف پڑھنے کا عوض ہے اور ادھرنماز پڑھانے کا عوض ہے۔بینواتوجروا۔اسلم خان میانوالی۔

الجواب: امامت،اذان،تعلیم القرآن پرتنخواہ لینا متاخرین نے ضرورۃً جائزقرار دیا۔چنانچہ فقہ کی مشہورکتاب ہدایہ میں،''وبعض مشائخنا رحمهم الله تعالىٰ استحسنو االا ستيجار على تعليم القرآن اليوم لظهور التوانى فى الامور الدينية ففى الامتناع تضيع حفظ القرآن وعليه الفتوىٰ وزاد متن المجمع الامامة وبعضهم الاذان والاقامة والوعظ۔''(ہمارے بعض مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس وقت تعلیم قرآن پر اجرت لینا اچھا سمجھا کہ امور دینیہ میں سستی ظاہر ہے۔تو منع کرنے میں حفظ قرآن کا ضائع ہونے کا خطرہ ہے۔اسی پرفتویٰ ہے اورمتن مجمع میں امامت کواوربعض فقہا نے اذان اور تکبیراوروعظ کو بھی شامل کیا)اورحضرت صدرالشریعہ رحمۃ اللہ علیہ نے بہارشریعت حصہ ۱۴ میں یہی لکھا ہے:اورمیت کے ایصال ثواب کی غرض سے تلاوت پراجرت وتنخواہ کوئی ضروری چیزنہیں۔

چنانچہ ردالمحتار میں ہے،"وقد ذکرنا مسئلة تعلیم القرآن علی الاستحسان یعنی للضرورة۔ ولا ضرورة فی الاستیجار علی القراة علی القبر۔

(ردالمحتار ص٣٦ ج٥)"

ہم نے مسئلہ تعلیم قرآن بضرورت استحسان کا ذکر کیا اور قبر پر پڑھنے کی اجرت لینے میں کوئی ضرورت نہیں۔تو میت کے ایصال ثواب کی غرض سے تلاوت کا امامت وغیرہ پر قیاس مع الفارق ہے کہ یہاں ضرورت داعی الی الجواز اور وہاں ضرورت ہی نہیں پائی جاتی تو اس کو امامت وغیرہ پر قیاس نہیں کر سکتے۔

﴿١١٥﴾فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ کسی آدمی کے پیر کے انگوٹھے اور انگلی زمین سے نہیں جمتے یعنی انگوٹھہ اور انگلیاں پیر کی ان کا پیٹ نہیں بھرتا۔ایسے شخص کیلیے کیا حکم ہے کہ نماز پڑھائے یا نہیں؟۔وہ شخص اپنی معذوری بتلاتے ہیں تو کیا ان کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟۔بینوا توجروا۔محمد رفاقت علی میانوالی

الجواب: نماز میں بحالت سجدہ پاؤں کے انگوٹھوں اور انگلیوں کے پیٹ کا زمین پر لگانا بلکہ جمانا شرعا ضروری شرط ہے۔صرف انگلی کی نوک زمین سے لگ جانا کافی نہیں۔اگر شخص مذکور فی الواقع معذور ومجبور ہے تو اس کی نماز تو ہو جائے گی لیکن وہ غیر معذور لوگوں کا امام نہیں بن سکتا۔ کہ ایسے معذور امام کے پیچھے غیر معذور مقتدیوں کی نماز درست نہیں۔لہٰذا نہ ایسے معذور شخص کو امام نہ بنایا جائے نہ غیر معذور مقتدی ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھیں۔

واللہ اعلم بالصواب

﴿۱۱۶﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ آیت سجدہ فرض نماز میں پڑھنی چاہیے یا نہیں؟۔اگر پڑھی جائے تو سجدہ کیا جائے یا نہیں؟۔اگر سجدہ کیا جائے تو فرض نماز میں کیا نقص ہوتا ہے؟۔بینوا توجروا۔سائل محمد سلیم اللہ مسلم کالونی میانوالی

الجواب: آیت سجدہ کو امام کا پڑھنا مکروہ ہے۔درمختار میں ہے " ویکرہ للامام ان یقرأھا فی مخافتہ ونھو جمعۃ وعید الا ان تکون بحیث تودی برکوع الصلوٰۃ اوسجودھا"۔(درمختار مصری ص ۵٤۷)

اور امام کو آیت سجدہ کا آہستہ پڑھنا یا جمعہ وعیدین جیسے مجمع میں اس آیت کی تلاوت کرنا مکروہ ہے۔ہاں اگر وہ رکوع یا سجدہ میں ادا ہو سکے تو آیت سجدہ کا پڑھنا مکروہ نہیں۔

تو امام اگر آیت سجدہ پڑھ کے سجدۂ تلاوت نہیں کرتا ہے تو اس مین ترک واجب لازم آتا ہے او اگر سجدۂ تلاوت کرتا ہے تو مقتدی اشتباہ میں پڑ جائیں گے۔ہاں اگر آیت سجدہ آخر آیت تھی اور اس نے فوراً بعد رکوع وسجدہ کر لیا تو اس میں کوئی نقص لازم نہیں آتا۔

﴿۱۱۷﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ نماز کے واسطے اگر دوھرا یعنی دو جا نماز بچھائے تو نماز میں کوئی کراہت نہ ہوگی۔لوگوں کا کہنا ہے کہ نماز نہیں ہوتی ہے۔بینوا توجروا۔امجد خان میانوالی

الجواب: دو جا نمازوں کے بچھا لینے سے کسی طرح کی کراہت پیدا نہیں ہوتی۔اور جب کراہت ہی نہیں تو نماز کے نہ ہونے کا خطرہ ہی پیدا نہ ہوا۔جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس سے نماز نہیں ہوتی انکا یہ حکم غلط ہے۔

﴿۱۱۸﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ ایک امام صاحب نے رمضان المبارک نماز تراویح کے وتروں کی رکعت میں بغیر دعائے قنوت پڑھے رکوع میں جھک گئے۔ لیکن امام صاحب کو فوراً خیال آ گیا۔ اور کھڑے ہو کر دعائے قنوت پڑھ لی اور سجدہ سہوا ادا کر لیا بعدہ سلام پھیر دیا۔ سوال یہ ہے کہ وتر ہو گئے یا نہیں؟۔ **بینوا توجروا۔**

(احمد سعید متعلم جامعہ اکبریہ میانوالی)

الجواب: درت مسئولہ میں امام کو رکوع میں پہنچ جانے کے بعد قیام کی طرف نہ لوٹنا تھا وہ آخر میں سجدہ سہو کر لیتا تو ترک دعائے قنوت کا نقصان پورا ہو جاتا وتر ادا ہو جاتے۔ لیکن جب امام غلطی سے قیام کی طرف لوٹ ہی گیا اور آخر میں اس نے سجدہ سہو کر لیا تو وتر بلا شک ادا ہوئے۔ کہ سجدہ سہو کی غرض ہی اسی قسم کی غلطیوں کی اصلاح کرنا ہے۔ درالمختار میں ہے، "لانہ لا صلاح مافات ای ترک من الواجبات فی محلہ۔"

﴿۱۱۹﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ اگر کوئی مسجد میں آیا۔ جماعت ہو رہی ہے لیکن اس نے علیحدہ نماز پڑھنا شروع کر دی۔ کیا اس کی نماز ہوگئی یا نہیں؟ **بینوا و توجروا۔** سائل محمد مصعب نیازی میانوالی

الجواب: نماز ہوگئی مگر وہ شخص گنہگار و فاسق ہوا۔ جماعت کی حاضری واجب تھی اس کا ترک لازم ایا۔" الجماعته سنة متوكدة للرجال قال الزاهدى ارادو ابالتا كيد الواجب (درمختار) ان هذا يقتضى الاتفاق على ان تركها مرة بلا عذر يوجب اثما وقال فى شرح السُّنة والاحكام تدل على الوجوب من ان تاركها بلا عذر يعزرو نردشها دته ويا

صلی اللہ علیہ و سلم ... اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ثم الجیران بالسکوت عنه (ردالمحتار ص ٥١٦ ج ١)۔

﴿۱۲۰﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ میں صبح نماز پڑھنے کو اٹھا۔ پاخانہ کی حاجت تھی۔ لیکن اگر میں بیت الخلا جاتا تو میری جماعت قضاء ہو جاتی۔ کیا میں پاخانہ سے فارغ ہوتا یا پہلے جماعت میں شامل ہو جاتا؟ بینوا توجروا۔

(سائل محمد ظفر مظہری میانوالی)

الجواب: پہلے قضاء حاجت کرے پھر قضاء نماز پڑھے۔ اسی طرح فتاویٰ جات میں مذکور ہے۔

﴿۱۲۱﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ بوجہ حفاظت گھر اگر کوئی جماعت سے نماز نہ پڑھ سکے تو گناہ ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(سائل محمد طارق بلوخیل میانوالی۔)

الجواب: اعت کا ترک کرنا اور علی الدوام تارک جماعت ہونا کبائر میں سے ہے اور فسق و معصیت ہے۔ جماعت کا ضرور اہتمام کرنا چاہئے۔ و الجماعة سنة مئوكدة الرجال ۔ ۔قويل واجبة و عليه العامة ۔ قال فى البحر و هو الراجح عند اهل المذهب ۔ ۔ ثمرته تظهر فى الاثم بتر كها مرة ۔ ۔ (الدالمحتار ص ٥٢٠)

والله تعالیٰ اعلم بالصواب

الصلوٰۃ والسلام علیک یا حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

باب الامامة

(امامت کا بیان)

﴿۱۲۲﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں،

(۱) کہ داڑھی منڈانے والے کے پیچھے داڑھی منڈانے والوں کی نماز ہوسکتی ہے۔؟

(۲) نماز جمعہ کے لیے اگر باشرع آدمی نہ ملے تو کیا فاسق امامت کراسکتا ہے۔؟

(۳) کیا داڑھی فرض ہے یا سنت۔؟ بینوا توجروا۔

سائل حافظ خلیل الرحمٰن متعلم جامعہ اکبریہ میانوالی۔

الجواب: داڑھی منڈانا حرام ہے جیسا کہ درمختار میں ہے، یحرم علی الرجل قطع لحیتہ یعنی مرد کو داڑھی منڈانا حرام ہے اور فتح القدیر جلد ثانی ص ۲۷ درمختار مع شامی جلد ثانی ص ۱۱۶ ردالمحتار جلد ثانی ص ۱۱۷ بحرالرائق جلد ثانی ص ۲۸۰ اور طحطاوی علی مراقی ص ۴۱۱ میں ہے، واللفظ للطحطاوی الاخذ من اللحیۃ وھو دون ذلک (ای بقدر المسنون وھو القبضہ) کما یفعلہ بعض المغاربۃ و مخنثۃ الرجال لم یبحہ احد واخذ کلھا فعل یھود الھند و مجوس الاعجم۔

یعنی داڑھی جب کہ ایک مشت سے کم ہو تو اس کا کاٹنا جس طرح کہ بعض مغربی اور زنانے زنخے کرتے ہیں کسی کے نزدیک جائز نہیں اور کل داڑھی کا صفایا کرنا یہ کام تو ہندوستان کے یہودیوں اور ایران کے مجوسیوں کا ہے۔ اور حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں، داڑھی کترانا منڈانا حرام ہے فتاوی رضویہ جلد سوم ص ۳۷۲۔ اور حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں داڑھی بڑھانا سنن انبیائے سابقین سے ہے منڈانا یا ایک مشت سے کم رکھنا حرام ہے بہار شریعت حصہ ۱۶ ص ۱۹۷۔

اور محدث کبیر حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں،

حلق کردن لحیہ حرام ست وروش افرنج وہنوود وجوالقیان ست کہ ایشان راقلندریہ گویند و گذاشتن آن بقدر قبضہ واجب است وآنکہ آنراسنت گویند بمعنی طریقہ مسلوک دردیں ست یا بحبہت آن کہ ثبوت آں بسنت ست چنانکہ نماز عید راسنت گفتہ اند۔

ترجمہ داڑھی منڈانا حرام ہے انگریزوں، ہندوؤں اور قلندریوں کا طریقہ ہے اور داڑھی کی ایک مشت تک چھوڑ دینا واجب ہے جن فقہا نے ایک مشت داڑھی رکھنے کو سنت قرار دیا تو وہ اس وجہ سے نہیں کہ ان کے نزدیک واجب نہیں بلکہ اس وجہ سے کہا) تو سنت سے مراد دین کا چالو راستہ ہے یا اس وجہ سے کہ ایک مشت کا وجوب حدیث شریف سے ثابت ہے۔ جس طرح نماز عید واجب ہے اشعۃ اللمعات جلد اول ص ۲۲۲ لہٰذا بار بار داڑھی منڈانے والا مرتکب حرام اور فاسق ہے اسے امام بنانا گناہ اور اس کے پیچھے نماز پڑھنی مکروہ تحریمی۔ غنیۃ شرح منیہ میں ہے

لو قدموا فاسقا یثون بناء علی ان کراھۃ تقدیمہ تحریم لعدم اعتنائہ باموردینہ وتساھل فی الاتیان بلوانز مہ فلا یبعد منہ الاخلال ببعض شروط الصلاۃ و فعل ما ینا فیھا بل ھو الغالب بالنظر الیٰ فسقہ **ترجمہ** اگر فاسق کو امامت کے لیے آگے بڑھائیں تو گنہگار رہوں گے کہ اس کو مقدم کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ اس لیے کہ وہ دینی امور کا لحاظ نہیں کرتا اور ان کی ادائیگی میں سستی برتتا ہے۔ لہٰذا وہ نماز کی بعض شرطوں کو چھوڑے یا کوئی فعل منافی نماز کرے تو بعید نہیں بلکہ فاسق کا ایسا کرنا بہت ممکن ہے۔ لہٰذا داڑھی منڈانے والے فاسق معلن کے

الحلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

پیچھے داڑھی منڈانے والوں کی نفس نماز تو ہو جائے گی مگر پڑھنے والے گنہگار رہوں گے۔ اور نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوگی۔ ایسی نماز اگر دوبارہ نہ پڑھیں گے تو گنہگار رہوں گے۔

طحطاوی علی مراقی میں ہے الکراھة فی الفاسق تحریمیة یعنی فاسق میں کراہت تحریمی ہے۔

درمختار میں ہے کل صلاۃ ادیت مع کراھة التحریم تجب اعادتھا

یعنی ہر وہ نماز جو مکروہ تحریمی ہو جائے اس کا اعادہ واجب ہے۔ اور فاسق کے پیچھے جمعہ کی نماز پڑھنے کا حکم صرف اس صورت میں ہے جب کہ دوسری جگہ صالح امامت متقی کے پیچھے جمعہ نہ پا سکے۔ ورنہ جمعہ کی نماز پڑھنا بھی جائز نہیں۔

ردالمختار جلد اول ص ۳۷۶ میں ہے، فی المعراج قال اصحابنا لا ینبغی ان یقتدی بالفاسق الافی الجمعة لانه فی غیر ھا یجد اماما غیره قال فی الفتح وعلیه فیکره فی الجمعة اذا تعد دت اقامتھا فی المصر علی قول محمد المفتی به -

معراج میں ہے ہمارے اصحاب نے فرمایا کہ جمعہ کے علاوہ کسی دوسری نماز میں فاسق کی اقتداء مناسب نہیں۔ اس لیے کہ دوسری نمازوں کیلئے دوسرا امام مل جائے گا۔ اسی پر فتح القدیر میں فرمایا کہ امام محمد رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول مفتیٰ بہ پر جب کہ شہر میں متعدد جگہ جمعہ قائم ہو تو اس صورت میں فاسق کے پیچھے جمعہ پڑھنا بھی مکروہ ہے۔ اور صالح متقی امام نہ ملنے کی صورت میں فاسق کے پیچھے جمعہ پڑھنے کا حکم اس لیے ہوا کہ اس کی اقتداء مکروہ تحریمی او جمعہ فرض ہے۔ جس کے لیے جماعت شرط۔ تو مکروہ تحریمی کے سبب فرض کو ترک نہ کیا جائے گا۔ اور جماعت فرض نہیں ہے۔ بلکہ عام مشائخ کے قول پر واجب ہے۔

فتاویٰ عالمگیر جلد اول مصری ص ۷۷ میں ہے، الجماعة سنة موكدة كذا في المتون والخلاصة والمحيط ومحيط السرخسي و في الغية قال عمة مشايخنا انها واجبة وفي المفيد و تسميتها سنة لو جوبها بالسنة ۔ یعنی جماعت سنت مؤکدہ ہے ایسا ہی متون میں ہے۔ **خلاصہ** : محیط سرخسی اور غایہ میں ہے کہ ہمارے عام مشائخ نے یہی فرمایا ہے جماعت واجب ہے اس کا نام سنت اس لیے رکھا گیا کہ اس کا وجوب سنت سے ثابت ہے۔ اور داڑھی رکھنا سنت نہیں بلکہ واجب ہے جس کا ترک فسق و حرام ہے اور فاسق جس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے اور جماعت واجب۔ لہٰذا واجب کے لیے مکروہ تحریمی کا ارتکاب نہ کیا جائے گا کہ مکروہ تحریمی کا اجتناب واجب سے اہم و اعظم ہیا لاشباہ النظائر ص ۹۹ میں ہے

اعتناء الشرع بالمنهيات اشد من اعتنائه بلما مورات ۔

اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمتہ والرضوان تحریر فرماتے ہیں "جب مبتدعی یا فاسق معلن کے سوا کوئی امام نہ مل سکے تو منفرداً تنہا، تنہا پڑھیں کہ جماعت واجب ہے اور اسکی تقدیم ممنوع بکراہت تحریم اور واجب و مکروہ تحریمی دونوں ایک مرتبہ میں ہیں۔ ودرء المفاسد اهم من جلب المصالح ہاں اگر جمعہ میں دوسرا امام نہ مل سکے تو جمعہ پڑھیں گے کہ وہ فرض ہے اور فرض اہم ہے" (فتاویٰ رضویہ جلد ثالث ص ۲۷۳)۔

﴿۱۳۳﴾ **فتویٰ شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ ایک امام صاحب نے صبح کی نماز پہلی رکعت میں سورۃ البقرہ کا آخری رکوع پڑھ کر اس کے متصل دوسری سورۃ آل عمران کا پہلا پورا رکوع پڑھا۔ ایسا

کرنے سے لوگوں کی نماز ہو جاتی ہے یا کہ نہیں اور کیا نماز میں نقص واقع ہوتے ہیں؟ ۔ مع فقہ کی کتاب یا حدیث سے جواب بتائیں ۔بینواتوجروا۔ سائل ساجد اقبال میانوالی

الجواب: صورت مسئولہ میں بلا شک نماز ہو جائے گی لیکن یہ خلاف اولیٰ ہے۔

اذا جمع بین سورتین فی رکعة رایت فی موضع انه لا باس به وذکر شیخ الامام لا ینبغی له ان یفعل علی ما هو ظاهر الروایة (ردالمحتار مصری ج ۱ ص ۳۸۳)

شرح المنیہ میں ہے، الاولی ان لا یفعل فی الفرض ولو فعل لا یکره ۔(غنیته مطبوعه فکر المطابع لکهنو ص ٤٦٢) لہٰذا اس صورت میں صرف اولویت کا خلاف لازم آتا ہے اور کوئی نقص واقع نہیں ہوتا۔

﴿۱۲۴﴾فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ پیش امام جو امامت کی خدمت انجام دے رہا ہے اور جو کچھ نذرانہ ان کو ملتا ہے وہ اس کو تنخواہ تصور کرلے اور یہ کہے میری تنخواہ کئی ماہ سے نہیں ملی تو اگر امامت کے نذرانہ کو تنخواہ کہہ کر لیتا ہے تو اس کی امامت جائز ہے یا نہیں؟۔　　　　بینواتوجروا۔ خرم شہزاد میانوالی

الجواب: امام اپنی امامت پر تنخواہ طے کر کے ماہ بعد مطالبہ کرسکتا ہے۔

درمختار میں ہے، و یفتسی الیوم بصحتها لتعلیم القرآن والفقه والا مامة والاذان (شامی مصری ج ٥ ص ٣٦) فتاویٰ خیریہ میں ہے، و اخذ الاجرة علی الامامة لا یقول به المتقدمون اصلا واستحسنه المتاخرون لا شتغال الناس بمعا شهم و قلة من یعمل حسنة لوجه الله تعالیٰ۔

صاحب مجمع الانہر ذخیرہ وروضہ سے ناقل ہیں، یجوز الاستیجار علی التعلیم والفقہ والامامۃ۔ (مجمع النہر مصری ج ۲ ص ۳۸۵)

ان عبارات سے ثابت ہو گیا کہ امامت کی اجرت اور تنخواہ لینا جائز ہے۔ متاخرین فقہاء کرام نے اس کو مستحسن قرار دے کر فتویٰ جواز دیا۔ تو جب امامت کی تنخواہ لینا جائز ثابت ہوئی تو اب اس امام مذکور کا یہ مطالبہ تنخواہ کوئی فعل ناجائز نہیں ہوا۔ لہٰذا اس بنا پر اس کی امامت جائز ثابت ہوگی۔

﴿۱۲۵﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ میرے بھائی حافظ محمد اکرم ایک مسجد میں امامت کراتا ہے، لیکن اکثر میں نے دیکھا طلوع سورج بجے کے قریب اٹھتا ہے صبح کی نماز نہیں پڑھاتا۔ کیا ایسا شخص امامت کے قابل ہے؟۔ سائل محمد انور بھائی محمد اکرم

الجواب: علانیہ اور عمداً ترک نماز و جماعت کے سبب محمد اکرم فاسق معلن ہے۔ اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے کہ پڑھی جائے تو اس کا اعادہ واجب۔ لما صرحوبہ من کراھۃ الصلوٰۃ خلف الفاسق المعلن وان کل صلوٰۃ ادیت مع کراھۃ تحریمۃ فانھا تعادو جوبا۔ لہٰذا مذکورہ عبارت سے ثابت ہوا کہ آپ کے بھائی محمد اکرم امامت جیسے اہم عہدہ کے قابل نہیں ہیں۔

﴿۱۲۶﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ ایک امام مسجد نے ایک ایسی عورت کا نکاح پڑھایا جس کو اغواء کر کے لایا گیا تھا۔ مغوی نے امام مسجد کو کہا کہ میری بیٹی کا نکاح پڑھانا ہے۔ نکاح پڑھیں۔ نکاح خواں نے نکاح پڑھا دیا۔ اب لوگوں نے اس کے پیچھے نماز پڑھنی ترک کر دی ہے۔ شرعی مسئلہ سے آگاہ کریں کہ ایسے امام کی امامت میں شرعاً نماز درست ہے۔　　　　بینوا توجروا۔ سائل محمد یوسف خان

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

الجواب: نکاح پڑھنے میں شرعاً حرج نہیں ہے۔ جب تک کوئی مدعی نکاح سابق سامنے نہ آئے۔ عورت کا بیان حلفی کافی ہے۔ کہ میرا نکاح پہلے نہیں پڑھایا گیا۔ امام مسجد کے پیچھے نماز جائز ہوگی۔ کیونکہ نکاح کرانے میں عاقلہ بالغہ خود مختار ہے۔

﴿۱۲۷﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ داڑھی شرعی کتنی ہونی چاہیے۔ داڑھی منڈانا کترانا اور حد شرعی سے کم رکھنا کیسا ہے۔ ایسا آدمی فاسق ہے یا نہیں اور اس کی اذان واقامت اور امامت کا کیا حکم ہے۔ نیز محشر کے دن ایسا آدمی کس گروہ میں ہو۔ جواب مع دستخط و مہر تحریر فرمائیں۔ سائل محمد اشفاق جلالی جامعہ جلالیہ رضویہ مظہر السلام (داروغہ والا لاہور)

الجواب: صورۃ مسئولہ میں احقر کا نظریہ یہ ہے کہ داڑھی میں قبضہ طولاً عرضاً ہو۔ جو سینہ کے بلائی حصہ کو ڈھانپے۔ منڈانا، کترانا حد شرعی سے کم کرنا یہ فسق اعلانیہ ہے۔ اذان اقامت میں تو شرعاً جائز ہے۔ البتہ امامت فاسق کی مکروہ تحریمہ ہے۔ بروز محشر فاسق مجرم ہے۔ تو وامتازوا الیوم ایھا المجرمون میں شامل ہوگا۔ اس مسئلہ کا پورا مالھا یا ما علیھا۔ فتاویٰ رضویہ صفحہ ۵۸۴، ۵۸۷ ج نمبر ۳ میں ملاحظہ فرمائیں۔ اور شرح صحیح مسلم علامہ سعیدی میں ایک فنی بحث کی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

﴿۱۲۸﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ ایسی حالت میں داڑھی منڈانے والا نماز پڑھا سکتا ہے جب کہ جماعت بھر میں کوئی شخص قرآن مجید نہیں پڑھا ہوا صرف داڑھی منڈا قرآن مجید بھی پڑھا ہوا ہے۔ بینوا توجروا۔ سائل حافظ محمد رفیق میانوالی۔

الجواب: بہارِ شریعت جلد ۱۶ ص ۱۹۷ میں ہے داڑھی بڑھانا سنن انبیائے سابقین سے ہے۔ مونڈانا یا ایک مشت سے کم کرنا حرام ہے۔ لہٰذا داڑھی منڈانے والا نماز نہیں پڑھا سکتا۔ اگر کوئی دوسرا نماز پڑھانے والا نہ مل سکے تو سب لوگ تنہا تنہا پڑھیں۔ فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۲۵۴ میں ہے، اگر اعلانیہ فسق و فجور کرتا ہے اور دوسرا کوئی امامت کے قابل نہ مل سکے تو تنہا نماز پڑھیں۔ فان تقديم الفاسق اثم والصلوة خلفه مكروهة تحريما والجماعة واجبة فهما فی درجة واحدة ودرع المفاسد اهم من جلب المصالح۔

﴿۱۲۹﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ میرے بیٹے عزیز الرحمٰن بالغ ہے۔ نماز کے مسائل جانتا ہے مگر ابھی داڑھی نہیں نکلی کیا اس کے پیچھے نماز جائز ہے۔ بینوا توجروا۔ سائل والد حافظ عزیز الرحمٰن میانوالی۔

الجواب: اگر عزیز الرحمٰن بالغ صحیح العقیدہ صحیح الطہارۃ صحیح القرآت ہے اور اس میں کوئی اور وجہ مانع امامت نہیں تو اس کے پیچھے نماز ہو جائے گی اگرچہ ابھی داڑھی نہیں نکلی ہے۔ ہاں اگر آپ کا بیٹا حسین و جمیل اور خوبصورت ہو کہ فساق کے لیئے محلِ شہوت ہو تو اس کی امامت خلاف اولیٰ ہے۔ (کما فی الفتاوی الرضوية ج ۳ ص ۲۲۰۔)

﴿۱۳۰﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ ہمارے گاؤں کے مولانا صاحب جو کہ سند یافتہ ہیں۔ آپنے آپکو علامہ و مفتی کہتے ہیں۔ لیکن صبح کی نماز قضاء پڑھتے ہیں کیا ان کے پیچھے نماز پڑھنی چاہیے یا نہیں؟۔ سائل چوہدری حفظ الرحمٰن کندیاں ضلع میانوالی۔

الجواب: جس مولوی کی فجر کی نماز اکثر بغیر عذر شرعی قضا ہو جاتی ہے وہ فاسق ہے اس

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے۔ فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۲۵۳ میں ہے تقدیم الفاسق اثم والصلوٰۃ خلفه مکروهة تحریما والجماعة واجبة فهیما درجة واحدة ودرء المفاسد اهم من جلب المصاله۔ اور غنیة شرح منیه میں ہے لو قد مو افاسقا یاثمون ۔ لہٰذا ایسے مولوی کے پیچھے نماز نہ پڑھیں جب تک کہ وہ صبح کی نماز کی پابندی نہ کرے۔ اور جان بوجھ کر قضاء کر دے۔

﴿۱۳۱﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ داڑھی کی شرعی حد کیا ہے اور جو شرع سے کم یا زیادہ رکھنے والوں پر عندالشرع کیا حکم ہے؟۔ بینوا توجروا۔ سائل قاری ابرار احمد تونسوی میانوالی

الجواب: بخاری اور مسلم کی حدیث ہے سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

انهکو االشوارب واعفوا اللحیٰ۔ یعنی مونچھوں کو خوب کم کرو اور داڑھیوں کو بڑھاؤ

اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بخاری رحمتہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں

که گذاشتن آن بقدر قبضه واجب ست و آنکه آں راسنت گونید بمعنیٰ طریقه مسلوك دردین ست یا بجهت آن که ثبوت آن بسنت ست چنانکه نماز عید را سنت گفته اند

یعنی داڑھی کو ایک مشت تک چھوڑ دینا واجب ہے اور جن فقہا نے ایک مشت داڑھی رکھنے کو سنت قرار دیا (تو وہ اس وجہ سے نہیں کہ ان کے نزدیک واجب نہیں بلکہ اس وجہ سے کہ) یا تو یہاں سنت سے مراد دین کا چالو راستہ ہے یا اس وجہ سے کہ ایک مشت کا وجوب حدیث شریف سے ثابت ہے۔

جیسا کہ نماز عید کو مسنون فرمایا (حالانکہ نماز عید واجب ہے اشعۃ اللمعات جلد اول ص ۲۱۲) اور فقیہ اعظم حضرت صدر الشریعت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں، "داڑھی بڑھانا سنن انبیائے سابقین سے ہے مونڈانا یا ایک مشت سے کم کرنا حرام ہے (بہار شریعت حصہ سولہ ص ۱۹۷) لہٰذا ایک مشت داڑھی رکھنا واجب ہے مونڈانے یا ایک مشت سے کم کرانے والا سخت گنہگار فاسق معلن مردود الشہادۃ ہے ایسے شخص کے پیچھے نماز ہرگز درست نہیں۔ اگر پڑھ لی تو اعادہ واجب ہے۔

مراقی الفلاح میں ہے کرہ امامۃ الفاسق لعدم اہتمامہ بالدین فتجب اہانتہ شرعا فلا یعظم بتقدیمہ للامامۃ واذا تعذر منعہ ینتقل عنہ الیٰ غیر مسجدہ للجمعۃ و غیرھا۔ طحطاوی میں ہے۔ تبع فیہ الزیلعی ومفادہ کون الکراھۃ فی الفاسق تحرمیۃ۔ حد شرع یعنی ایک مشت سے کچھ زائد داڑھی رکھنا جائز ہے۔ لیکن ہمارے ائمہ اور جمہور علماء کے نزدیک اس کا طول فاحش کہ بیحد بڑھایا جائے جو حد تناسب سے خارج اور باعث انگشت نمائی ہو مکروہ وناپسندیدہ ہے۔

﴿۱۳۳﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ داڑھی کتروانے والے حافظ کے پیچھے نماز وتراویح پڑھنا کیسا ہے؟۔ بینواتوجروا

سائل قاری نور احمد چشتی متعلم جامعہ اکبریہ میانوالی۔

الجواب: ایک مشت داڑھی رکھنا واجب ہے ایک مرتبہ بھی کٹوا کر ایک مشت سے کم کرنے والا گنہگار ہے۔ اور اسے کٹوا کر ایک مشت سے کم رکھنے کی عادت کر لینے والا فاسق معلن ہے۔ لہٰذا حافظ مذکور جب کہ داڑھی کٹوا کر ایک مشت سے کم رکھنے کا عادی ہے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے۔ تراویح سنت مؤکدہ

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ہے لیکن ایسے شخص کے پیچھے پڑھنے کے بعد دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔ ماخذ خلاصة ما فی الکتب الفقه۔

﴿۱۳۳﴾فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ ہمارے امام صاحب کی زبان لقوہ کے سبب ماری گئی اور صحیح حروف ادا نہیں کر سکتے کیا اس کے پیچھے نماز جائز ہوگی یا نہیں۔؟　　　**بینوا توجروا**۔ سائل سرفراز احمد خان نیازی میانوالی۔

الجواب: اس امام کی زبان لقوہ سے ماری گئی ہے اگر پڑھنے میں ان کے حروف صحیح نہیں ادا ہوتے تو صحیح پڑھنے والوں کی نماز ان کے پیچھے نہیں ہوگی۔ ایسے لوگوں کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں۔ درمختار میں توتلے کے پیچھے فساد نماز کا حکم لکھ کر فرماتے ہیں هذا هو الصحیح المختار فی حکم الالثغ و کذا من لا یقدر علی التلفظ بحرف من الحروف۔

﴿۱۳۴﴾فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ ہمارے محلہ میں اکثریت سنیوں کی ہے لیکن وہابی وشیعہ لوگ بھی آباد ہیں۔ جو بھی پہلے مسجد میں آتا ہے جماعت کرا دیتا ہے۔ کیا ہم سنیوں کی نماز شیعہ و وہابی امام کے پیچھے ہو جاتی ہے یا نہیں؟۔

بینوا توجروا۔ سائل محمد عثمان آف شادیہ ضلع میانوالی۔

الجواب: سنی مسجد کے لیے امام کا ہونا ضروری ہے کہ اہل سنت و جماعت کے علاوہ دوسرے فرقہ باطلہ کے پیچھے نماز پڑھنا باطل محض ہے۔ اور گمراہ یعنی جن کی بد مذہبی حد کفر کو پہنچی ہو اسے امام بنانا گناہ اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے۔

بحر الرائق جلد اول ص ۳۴۹ میں ہے، لا تجوز الصلاة خلف من ینکر شفاعة النبی صلی الله علیه وسلم او ینکر الکراما لکاتبین او ینکر الرویة لا نه کافر۔ والرافضی ان

فضل علیا علی غیرہ فھو مبتدع وان انکر خلافۃ الصدیق فھو کافر۔

اور غنیتہ ص ۴۷۹ میں ہے، یکرہ تقدم المبتدع لانہ فاسق من حیث الاعتقاد وھو اشد من الفسق من حیث العمل۔ والمراد بالمبتدع من یعتقد شیاً علی خلاف ما یعتقدہ اھل السنۃ والجماعہ ۔ وانما یجوز الاقتداء بہ مع الکراھہ اذالم یکن ما یعتقدہ یودی الی الکفر عند اھل السنۃ امالو کان مودیا الی الکفر فلا یجوز اصلا کالغلاۃ من الروافض الذین یدعون الالوھیۃ لعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اوان النبوۃ کانت لہ فغلط جبرئیل و نحوذالک مما ھو کفر اہ تلخیصا۔

اور درمختار مع شامی جلد اول ص ۳۰۷ میں ہے، کل صلاۃ ادیت مع کراھۃ التحریم تجب اعادتھا ۔ اور بہار شریعت حصہ سوم ص ۱۱۱ میں ہے ،وہ بد مذہب کہ جس کی بد مذہبی حد کفر کو پہنچ گئی ہو جیسے رافضی اگر چہ صرف صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت یا صحابیت سے انکار کرتا ہو یا شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شان اقدس میں تبرا کہتا ہو، جو قرآن کو مخلوق بتاتا ہے اور وہ جو شفاعت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا دیدار الٰہی یا عذاب قبر یا کراماً کاتبین کا انکار کرتا ہے ان کے پیچھے نماز نہیں ہوسکتی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے، ان مرضو افلا تعود وھم و ان ما توا فلا تشھد و ھم وان لقیمتوھم فلا تسلمو علیھم ولا تجالسوھم ولا تشار بوھم ولا تواکلوھم ولا تناکحووھم ولا تصلوا علیھم ولا تصلو امعھم۔ شفا شریف جلد دوم یعنی بد مذہب اگر بیمار پڑیں تو پوچھنے مت جاؤ اور اگر وہ مر جائیں تو جنازہ پر حاضر نہ ہوں اور جب ان سے ملو تو

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سلام نہ کرو اور ان کے پاس نہ بیٹھو، ان کے ساتھ پانی نہ پیو، کھانا نہ کھاؤ ان سے شادی بیاہ نہ کرو، او
ان کے جنازے کی نماز نہ پڑھو اور ان کے ساتھ نماز نہ پڑھو۔ حضور اکرم ﷺ سے لے کر آج تک
تمام اہل اسلام کا ہر دور میں اتفاق رہا ہے کہ رافضی کافر ہیں۔ فتح القدیر میں ہے، تمام ائمہ کا اتفاق
ہے کہ حضرات شیخین کو سب کرنے والا کافر ہے اور یہی بات امام اہلسنت نے فتاویٰ رضویہ جلد ششم
میں لکھی ہے۔ لہٰذا سنیوں کی نماز رافضی یا وہابی امام کے پیچھے نہیں ہوتی۔

﴿۱۳۵﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ
ہماری مسجد کے امام سجدہ کرتے وقت پیر کی انگلیوں کے پیٹ زمین پر نہیں لگاتے۔ ان سے کہا گیا وہ
کہتے ہیں انگلیوں کے پیٹ زمین پر لگانا کوئی ضروری ہے؟۔ وضاحت فرما کر ہماری پریشانی دور
فرمائیں۔　　　بینوا توجروا۔ سائل محمد اسلم خان ولد خلاص خان ضلع میانوالی۔

الجواب: ہدایہ جلد اول زیر بیان سجدہ ص ۷۶ میں ہے، یوجه اصابع رجليه نحو
القبلة یعنی نمازی سجدہ کرتے وقت اپنے دونوں پاؤں کی سب انگلیوں کا رخ قبلہ کی جانب کر دے
اور یہ بالکل واضح مطابق مشاہدہ ہے کہ جب تک سب انگلیوں کا پیٹ زمین سے نہ لگا دیا جائے اس
وقت تک انگلیوں کو رخ قبلہ کی طرف نہ ہوگا۔ اعلحضرت شیخ الاسلام شاہ احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ
فتاویٰ رضویہ جلد اول کتاب الطہارات باب المیاہ ص ۵۵۶ میں تحریر
فرماتے ہیں، سجدہ میں فرض ہے کہ کم از کم پاؤں کی ایک انگلی کا پیٹ زمین پر لگا ہو۔ اور ہر پاؤں کی
اکثر انگلیوں کا پیٹ زمین پر جما ہونا واجب ہے۔ سجدہ میں دونوں پاؤں کی دسوں انگلیوں کے پیٹ
زمین پر لگنا سنت ہے اور ہر پاؤں کی تین تین انگلیوں کے پیٹ زمین پر لگنا واجب اور دسوں کا قبلہ

رو ہونا سنت۔ ان حوالہ جات کی روشنی میں ثابت ہو گیا کہ امام صاحب جس کا یہ کہنا کہ سجدہ میں پیر کی صرف انگلی زمین پر لگی رہے تو کافی ہے نماز ہو جائے گی۔ صحیح نہیں ہے۔ سائل امام صاحب کے سامنے ان حوالوں کو پیش کرے۔ امید یہی ہے کہ امام صاحب جب صحیح مسئلہ سے آگاہ ہو جائیں گے تو اس پر ضرور عمل کریں گے۔ اگر امام صاحب اس مسئلہ کو تسلیم کر کے سجدہ میں اپنے ہر پاؤں کی کم از کم تین تین انگلیوں کا پیٹ زمین پر جماتے رہیں تو ان کی اقتدا میں نماز ہو جائے گی۔ اگر معاذ اللہ امام صاحب اس مسئلہ پر عمل کرنے کو تیار نہ ہوں تو ان کی اقتدا میں نماز پڑھنا جائز نہیں۔

﴿۱۳۶﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ ہمارے دیہات کے امام میں چند بری عادتیں ہیں جو درج ذیل ہیں۔ کیا انکے ہوتے ہوئے ان کی اقتداء میں نماز صحیح ہے۔؟

(۱) انگریزی تعلیم حاصل کرتا ہے اور بازار میں آواروں لڑکوں کے ساتھ گھومتا ہے۔

(۲) جیل میں قید بھی رہ چکا ہے کسی جرم میں اور کبائر سے اجتناب نہیں کرتا۔

(۳) قوم لوط (علیہ السلام) والا کام کرتا ہے۔

(۴) داڑھی منڈواتا ہے بعض اوقات کترواتا ہے۔

(۵) سینما میں جاتا ہے۔

(۶) تارک الصلوٰۃ و شارب الخمر میں مبتلا ہے۔ بینوا توجروا۔

سائل عبدالشکور دستی میانوالی۔

الجواب: داڑھی منڈانا، نمازوں کا قضا کرنا، فلمیں دیکھنا، زنا کرنا، اور جرم کی وجہ سے

جیل بھی رہنا یہ بہت بڑے عیب ہیں۔ ورنہ انگریزی تعلیم حاصل کرنا کوئی عیب نہیں ہے۔

اگر مندرجات سوال صحیح اور واقعی ہیں تو شخص مذکور اپنے عادات شنیعہ اور حرکات قبیحہ کے سبب وبدکار و فاسق ہے۔ امامت نماز کے منصب رفیع کا سزاوار نہیں اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمہ ہے اس کا امام بنانا گناہ ہے۔ امام بنانا تعظیم ہے اور وہ شرعاً تعظیم کا مستحق نہیں بلکہ واجب الاہانتہ ہے

فتاویٰ رضویہ، تبیین الحقائق ص ۱۳۴ جلد ۱، مراقی الفلاح ص ۱۸۱، شامی ص ۵۲۳ جلد ۱ میں ہے

والنظم للزیلعی لان فی تقدیمہ للامامتہ تعظیمہ وقدوجب ولیھم ھانتہ شرعاً ۔ اور شامی ص ۵۲۳ جلد ۱ میں ہے، والنظم للطحطاوی ومفادہ کون الکراھۃ فی الفاسق تحریمیۃ)

غنیہ میں اضافہ فرمایا وفیہ اشارۃ الی انھم لو قدموا فاسقا یثمون،

ایسے بدکار کو مسلمان برا جانتے ہیں۔ اور حدیث پاک میں ہے کہ اس شخص کی نماز بارگاہ الٰہی میں مقبول نہیں جو قوم کا امام ہے وہ اسے برا جانتے ہیں۔ سب گنہگار ہیں "ان رسول اللہ صولی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان یقول ثلثۃ لا یقبل اللہ منھم صلوۃ من تقدم قوما وھم لہ کارھون۔ (الحدیث) رواہ ابوداؤد ص ۸۸ جلد ۱ عن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنھما وسکت علیہ و کذاابن ماجۃ ص ۶۹ "

سنن ترمذی ص ۵۷ جلد ۱ میں حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ حضرت رسول صلی اللہ علیہ سلم نے فرمایا کہ تین شخصوں کی نماز ان کے کانوں سے نہیں گزرتی (یعنی قبول نہیں ہوتی) ان تینوں سے ایک یہ بیان فرمایا، امام قوم وھم لہ کارھون ۔ لہٰذا ایسا بدکار آدمی امامت کے قابل نہیں جس کو لوگ ناپسند کریں۔

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

﴿۱۳۷﴾فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ اگر امام جلدی سے سجدہ یا رکوع کرتا کہ مقتدی کو وقت نہیں ملتا کہ وہ تین مرتبہ تسبیح پڑھے تو کیا مقتدی کی نماز ہو جائے گی؟　　　　بینوا توجروا۔ غضنفر خان میانوالی

الجواب: امام کو ایسی جلدی نہیں کرنی چاہیے کہ جس سے مقتدیوں کی تسبیح رہ جائے۔ اگر مقتدیوں کی تین بار تسبیح پوری نہ ہوئی تب بھی مقتدیوں کی نماز جائیگی اس میں کچھ نقصان نہیں ہوا۔ جیسا کہ درمختار جلد اص ۴۴۳ میں ہے، لورفع الامام راسه من الركوع والسجود قبل ان يتم الماموم التسبيحات الثلاث وجب متابعته (درمختار) يسبح فيه ثلاثا فانه سنة على المعتمد المشهور فى المذهب لا فرض ولا واجب كما مرفلا يترك المتبعة الواجبة لا جلها۔

﴿۱۳۸﴾فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ امام صاحب کے ایک رکعت میں دوسورتوں کے پڑھنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

سائل جعفر اعوان چٹہ وٹہ میانوالی

الجواب: ایک رکعت میں دوسورتیں پڑھنا خلاف اولیٰ ہے۔ نماز ہو جاتی ہے۔ اور خلاف اولیٰ سے مراد کراہت تنزیہی ہے۔ قال فى الشامى و ذكر شيخ الاسلام لا ينبغى له ان يفعل على ما هو ظاهر الرواية و فى شرح المنية الاولىٰ ان لا يفعل فى الفروض ولو فعل لا يكره اى لا يكره تحريما۔ اس عبارت سے پہلے یہ ہے، اذا جمع بين سورتين فى ركعتة رايت فى موضع انه لا باس به(درالمحتار ص ۵۱۰ جلد اول)۔

خلاصہ تحریر یہ ہے کہ ایک رکعت میں دو سورتیں. علیحدہ علیحدہ جگہ سے پڑھنا خلاف اولیٰ ہے لیکن نماز ہو جاتی ہے۔

﴿۱۳۹﴾ فتویٰ شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ مستقل امام کی موجودگی میں دوسرے امام کی اقتداء میں نماز پڑھنا کیسا ہے۔ جبکہ مستقل امام اجازت نہ دے۔ وضاحت فرمادیں؟　　　بینوا توجروا۔ سائل عبدالرؤف خان میانوالی

الجواب: امام مسجد کی موجودگی مین دوسرے کو امام بنانا بلا ضرورت اور بلا وجہ شرعی اچھا نہیں ہے۔ لیکن جس شخص کو اہل مسجد نے امام بنادیا اس کے پیچھے بھی نماز صحیح ہے۔

جیسا کہ درمختار میں ہے، واعلم ان صاحب البیت و مثله امام المسجد الراتب اولی بالامامة من غیرہ مطلقاً و قال قبیله والخیار الی القوم فان اختلفوا اعتبرا اکثر همن ولو قدموا غیر الاولیٰ اوائو ابلا اثم۔ (الدرالمحتار ص ۵۲۲، ج ۱)

﴿۱۴۰﴾ فتویٰ شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، ہمارے محلہ کی مسجد میں امام کی وجہ سے بہت جھگڑا چل رہا ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہمارا مقرر کیا ہوا امام ہو گا اور دوسرا گروہ کہتا ہے کہ ہمارا مقرر کیا ہوا امام ہوگا۔ آپ اس کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔

(سائل عبدالتواب داؤد خیل میانوالی)

الجواب: جس کو جماعت کے اکثر اشخاص امام مقرر کریں وہی امام رہے گا۔

او الخیارالی القوم فان اختلفو اعتبا کثر هم ایضاً۔ (درمختار ص ۵۲۲ ج ۱)

واللہ اعلم بالصواب

﴿۱۴۱﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ اگر کسی مسجد میں امام موجود ہو اور نماز وغیرہ پڑھاتا ہو۔ لیکن اس کی موجودگی میں کوئی اور امام آئے اور کچھ اشخاص اس کو امام مقرر کر دیں اور اس کو جماعت کرنے کا کہیں بغیر اجازت لیے پہلے امام سے تو کیا یہ درست ہوگا یا نہیں؟　　**بینوا توجروا**۔ سائل عبدالرحمٰن مظہری میانوالی

الجواب: مسجد کا جو امام ہو اور اس میں امامت کی اہلیت بھی ہو تو وہ امام مقرر ہی دوسرے شخص کی نسبت امامت کا زیادہ مستحق ہے۔

اگرچہ دوسرا شخص افضل و اعلم اور اقراء ہو۔ لیکن اگر چند مقتدیوں نے اس دوسرے شخص کو امام بنا دیا تو اس میں بھی کچھ حرج نہیں ہے۔ درمختار مع شامی میں ہے،

واعلم ان صاحب البیت و مثله امام المسجد الراتب اولی بالا مامة من غیره مطلقا۔ قال الشامی قوله مطلقا ای وان کان غیره من الحاضرین من هوا اعلم واقرامنه و فی التاتر خانیه جماعة اضیاف فی دار یرید ان یتقدم احد هم ینبغی ان یتقدم المالك فان قدم واحد امنهم لعلمه و کبره فهو افضل۔ (ردالمحتار ص ۵۲۲ ج ۱)

درج کردہ عبارت سے معلوم ہوا کہ اگر زیادہ فضیلت والے کو کسی مقتدی نے امام بنا دیا تو مضائقہ نہیں ہے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ بغیر اجازت امام معین کے امامت نہ کی جائے۔

﴿۱۴۲﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ امام صاحب کو اگر تنخواہ دی جاتی ہو اور وہ کبھی کبھی ناغہ کر دیتے ہوں تو اس کے بارے میں کیا حکم

الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ہے؟بینوا توجروا۔ سائل قاری غلام یٰسین میانوالی۔

الجواب: اسی قسم کے سوال کا جواب دیتے ہوئے شامی جلد ثالث کتاب الوقف میں ہے،اما یترك الامامة لزيارة اقربائه في الراسا تيق اسبوعا او نحوه او لمصيبة اولا ستواهة لا باس و مثله عفو فى العادة والشرع۔ ا(ردالمحتار ص ٥٦٤ ج٣)

اس کا حاصل یہ ہے کہ امام کو اپنی ضروریات یا راحت کے لیے ایک ہفتہ یا اس سے کم تک عادتاً، غیر حاضری معاف وشرعاً جائز ہے۔آگے تصریح کی ہے کہ سال بھر میں ہفتہ دو ہفتہ غیر حاضر ہو تو معاف ہے۔پس صورت مسئولہ کا مطلب بھی اس سے سمجھ لینا چاہیے کہ گاہے گاہے کی غیر حاضری امام کی معاف ہوگی۔لیکن متبادل انتظام کرے۔

﴿١٤٣﴾فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں،امامت اور اذان کے فرائض ایک شخص انجام دے سکتا ہے؟۔سائل حافظ حمید الرحمٰن چک نمبر 36 میانوالی۔

الجواب: برادرم حافظ حمید الرحمٰن آپ کے امام صاحب درست کہتے ہیں یہ طریقہ شریعت میں درست ہے۔بلکہ اس میں ثواب زیادہ ہے،کہ اذان و امامت ایک مقررہ شخص سرانجام دے۔الافضل كون الامام هوا لمئوذن و في الضياء انه عليه السلام اذن في سفر بنفسه و اقام و صلى الظهر و قد حققناه (الدرالمحتار ص ٣٧٣ ج١)

﴿١٤٤﴾فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ نابینا امام کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟بینوا توجروا۔ سائل خالقداد خان نیازی میانوالی

الجواب: اگر نجاست سے محفوظ رہتا ہو اور مسائل صلوٰۃ سے واقف ہے تو امامت اس

کی درست ہے۔ بشرطیکہ علم وتقویٰ میں اس سے بہتر امام میسر نہ ہو۔

درمختار جلد اول صفحہ۱۸ میں ہے، قید کراھة امامة الاعمی فی المحیط و غیرہ بان لا یکون افضل القوم فان کان افضلھم فھو اولیٰ ورد فی الاعمی نص خاص ھو استخلافہ صلے اللہ علیہ و سلم لا بن مکتوم و عتبان علی المدینة و کان اعمیین لانہ لم یبق من الرجال من ھوا صلح منھما ۔ (ردالمحتار ص۵۳۳ ج۱)

﴿۱٤٥﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، اگر کوئی امام شطرنج وتاش وغیرہ جیسے کھیل کھیلتا ہو اس کی امامت کیسی ہے؟ بینوا توجروا۔ سائل محمد نصر خان میانوالی

الجواب: تاش وشطرنج کے ساتھ کھیلنا امام ابوحنیفہ کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے۔ پس اگر اس کی عادت ہے تو وہ امام بنانے کے لائق نہیں ہے۔

﴿۱٤٦﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، اگر کسی امام کو بواسیر کی بیماری ہو۔ اس کی امامت میں کیا کوئی حرج پیدا ہو جائے گا یا نہیں؟ اس کو ہر وقت خون کے جاری ہونے کا خوف بھی رہتا ہے۔ بینوا توجروا۔ سائل عظمت اللہ خان سوانس میانوالی۔

الجواب: خون جاری ہونے کے خوف سے وہ شخص معذور شرعاً نہیں ہوسکتا ہے۔ معذور شرعاً اس وقت ہوتا ہے کہ اس کو تمام وقت نماز میں اتنا موقع نہ ملے کہ وضو کر کے بدون اس حدث کے نماز پڑھا سکے۔ جب کہ وہ ابھی معذور نہیں ہوا۔ امامت اس کی درست ہے۔

اس وجہ سے اس کو امامت میں دقت نہ۔ اور جس وقت وہ معذور ہوگا اس وقت وہ امام تندرستوں کا نہیں ہوسکتا۔ اس کی امامت بوقت عذر بالکل ناجائز ہے۔

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

قال فی الدرالمحتار وصاحب عذر من به سلس البول ان استوعب عذره تامام وقت صلوٰة مفروضة بان لا یحد فی جمعی اقتها زمناً یتو ضاً و یصلی فیه خالیاً عن الحد ث وهذا شرط العذر فی حق الایداء و فی حق البقاء کفی وجوده فی جزء من الوقت و لو مرة (درمختار۔ شامی جلد اول ص۲۰۳ وفی باب الامامت منه ولا طاهر مبعذور هذا ان قارن الوضوء الحدث ۔۔ و صح لو توضا علی الانقطاع و صلی کذلك کا قتداء بمفتصد من خروج الدم ۔۔ شامی جلد اول ص۳۸۹)

﴿۱۴۷﴾فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے مین، کہ امام مسجد اگر حنفی لڑکے کا نکاح رافضی لڑکی سے پڑھوائے تو کیا اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟　　بینوا توجروا۔ سائل محمد یوسف نقشبندی میانوالی

الجواب: رافضیہ لڑکی جو تبرا گو ہے اس سے مسلمان لڑکے کا نکاح درست نہیں ہے اور اگر نکاح ہو گیا ہے تو علیحدگی کردی جائے۔ اور جو امام مسجد باوجود علم کے ایسا کرے وہ امام بنانے کے لائق نہیں ہے۔ اگرچہ نماز اس کے پیچھے ہو جاتی ہے مگر مکروہ ہوتی ہے۔ اور اگر ایسا امام توبہ نہ کرے تو لائق معزول کرنے کے ہے، ویکره امامة عبد ۔ ۔ و فاسق (درمختار) بل مشی فی شرح المنية ان کراهة نقديمه کراهة تحريم (ردالمحتار ص۵۲۳ ج۱)

﴿۱۴۸﴾فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، ہمارے محلّہ کے امام مسجد دوکاندار ہے اور لوگ اکثر اس سے کم تولنے کی وجہ سے جھگڑا کرتے ہیں کیا وہ امامت کے قابل ہیں یا نہیں؟ نیز جھوٹ بھی بولتا ہے اور کبھی کبھی نماز بھی قضاء کردیتا ہے

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اورسودی دستاویز بھی لکھتا ہے۔ بینوا توجروا۔ سائل محمد افضل نارومیانوالی

الجواب: ایسا شخص امام بنانے کے لائق نہیں ہے۔اور نماز اس کے پیچھے بحالت مذکورہ مکروہ تحریمی ہے۔ وان کراھۃ تحریمۃ ای لفسق کراھۃ تحریم(ردالمحتار ص۵۲۳ ج۱) پس اہل محلہ واہل مسجد کو چاہئے کہ اس کو معزول کر کے کسی لائق بالا مامتہ کو امام بنادیں۔

نعم اخرج لاحاکم فی مسند مرفوعا ان سرکم ان یقبل اللہ صلوٰتکم۔ فلیومکم خیارکم فانھم و فد کم فیما بینکم و بین ربکم (ردالمحتار ص۵۲۵ ج۱)

﴿۱۴۹﴾فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، اگر کوئی امام کسی مقتدیوں کو منافق بتائے اورالزام تراشی کرے کیا ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ سائل محمد بخش کالاباغ میانوالی۔

الجواب: اس امام کی بڑی جہالت ہے اور وہ سخت عاصی ہے۔ ایسے امام کو معزول کر دینا چاہیے۔اس کی پیچھے نماز مکروہ ہے۔

ویکرہ تقدیم العبد والاعرابی ۔۔ والفاسق (ھدیہ ص ۱۱۰ ج۱)۔

﴿۱۵۰﴾فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ ہمارے امام مسجد کی قرأت درست نہیں ہے۔اور ہر جمعہ کو خطبہ دیکھ کر پڑھنے کے باوجود بھول جاتے ہیں۔(۲) نمازی لوگوں کو فصلی بٹیرے کہہ کر پکارتے ہیں۔

(۳) مسجد کمیٹی کے دس ممبروں میں سے پانچ کو کتا کہتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ مجھے خواب آیا ہے کہ میں مسجد میں کھڑا ہوں اور پانچ کتے مجھے کاٹ رہے ہیں اور پھر

مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف اے الہام ہوا ہے کہ یہ پانچ کتے تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

(۴) اہل محلہ کو کنجر کے بچے اور سور کہہ کر پکارتے ہیں کیا ایسا امام امامت کے لائق ہے۔ یا برطرف کرنے کے لائق ہے۔ سائل عمر خان میانوالی عبدالقدوس، رحمت گل، بشیر احمد، نعیم احمد، ظہور احمد۔

الجواب: حدیث شریف میں ہے کہ بہت سے قاری ایسے ہوتے ہیں کہ قرأت کے وقت قرآن ان پر لعنت کر رہا ہوتا ہے۔

حدیث شریف ہے ''جو شخص قرآن تجوید (صحت لفظی) سے نہ پڑھے وہ گناہ گار ہے۔''

صورۃ مسئولہ میں شق نمبر (۱) اس کا جواب مندرجہ ذیل چند سطور پر مشتمل ہے۔ یعنی جس امام کی قرات درست نہ ہو وہ قابل امامت نہ ہے۔

صورۃ مسئولہ میں شق نمبر (۲) اس کا جواب یہ ہے کہ نمازیوں کو فصلی بٹیرا کہنا یہ گالی گلوچ کے مترادف ہے اور حدیث میں ہے سب المسلم فسوق کہ مسلمان (پھر نمازی بھی ہو) کو گالی دینا بدعملی ہے۔ اور ایسا شخص قابل امامت نہیں ہے۔

صورۃ مسئولہ میں شق نمبر (۳) اس کا جواب یہ ہے کہ مسلمان، نمازی جو اشرف المخلوقات سے ہے۔ کتا ارذل المخلوقات سے کہنا بدترین عمل ہے تو ایسا امام کا مقتدیوں کے لئے اللہ کی بارگاہ میں نمائندہ بنانا ظلم ہے۔ خواب شرعاً اپنے لیے بھی حجت نہ ہے۔ چہ جائیکہ دوسرے کے لیے حجت ہو۔ البتہ خواب / الہام بیان کر کے مسلمان نمازیوں کی دل آزاری کر رہا ہے جو کہ کینہ کی ایک شاخ ہے۔ اور کینہ دار قابل امامت نہیں ہو سکتا اسے خود برطرف ہو جانا چاہیے یا بزور بازو برطرف کر دیا

جائے۔ کسی بھی مسلمان بھائی سے کینہ نہ رکھے جس کے دل میں حسد ہو، کینہ ہو، یا بغض ہو اس کو امام نہ بنایا جائے وہ کسی کے عیب کی تلاش میں نہ ہو اور فتنہ پرور شخص امامت کے لائق نہیں ہے۔

صورۃ مسئولہ میں شق نمبر (۴) ایسے لوگوں کی امامت نہ کرے جو اس کو پسند نہیں کرتے اگر مقتدیوں میں کچھ لوگ اس کی امامت کو پسند اور کچھ نہ پسند کرتے ہیں تو ناپسند کرنے والوں کی تعداد اگر زیادہ ہے تو امام کو خود بخود محراب و ممبر چھوڑ دینا چاہیے۔ بشرطیکہ مقتدیوں کی ناپسندیدگی حقانیت اور علم و آگہی پر مبنی ہو۔ امام جھگڑنے والا زیادہ قسمیں کھانے والا اور لعنت کرنے والا نہ ہو۔ اگر کوئی دوسرا اسے جان بوجھ کر اٹھانا چاہتا ہے تو اس نے اس معاملہ میں جھگڑا نہ کرے۔ امام (گالی گلوچ دینے والا نہ ہو)

﴿۱۵۱﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، امامت کے لیے قاری افضل ہے یا عالم؟ بینوا توجروا۔ سائل انجم خان میانوالی

الجواب: ''حنفی مسلک کے مطابق ترجیح فقہی عالم کو ہے صرف قاری کو نہیں ہے''

ھدایہ میں ہے، اولی الناس بالا مامة اعلمھم بالسنة۔

اگر صرف قاری کو عالم پر ترجیح ہوتی تو نبی اکرم ﷺ حضرت ابی بن کعبؓ کو امام مقرر فرماتے جو صحابہ کرام میں سب سے اچھے قاری تھے۔

جن کے بارے خود حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے

''واقرئھم ابی'' کہ صحابہ میں سب سے اچھے قاری حضرت اُبَیّ بن کعب ہیں عالم کے اقتداء میں

نماز کی فضیلت۔ طبرانی شریف میں ایک مرفوع حدیث موجود ہے ان سرکم ان تقبل صلاتکم فلیئومکم اعلم کم کانھم وفدکم ما بینکم و بین ربکم "

یعنی اگر تمہیں یہ بات بھلی لگتی ہو کہ تمھاری نمازیں قبول ہوں تو تمھارے علماء تمھارے امام ہوں۔ کیونکہ وہ تمھارے اور تمھارے رب کے درمیان تمھارے نمائندے ہوتے ہیں۔

صورۃ مسئولہ میں چند ابتدائی باتوں پر غور وخوض کرنا یا کرالینا ضروری سمجھتا ہوں۔

منصب امامت اسلامی مناصب میں سے ہے۔ بلکہ اہم ترین منصب ہے۔ امام اللہ اور بندوں کے مابین ایک رابطہ کا ذریعہ ہوتا ہے۔ وہ لوگوں کے وکیل، نمائندہ، سفیر کی حیثیت سے بارگاہ الہٰی میں میں سرگوشیاں کرتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ذیشان ہے۔" اجعلوا ائمتکم خیارکم فانھم وفدکم فیما بینکم و بین ربکم (کنز العمال)" یعنی تم میں جو اچھے اور بہتر ہوں ان کو اپنا امام بناؤ۔ کیونکہ وہ امام تمھارے اور تمھارے رب کے درمیان نمائندے ہوتے ہیں۔ دیلمی کی روایت کے الفاظ بھی اس سلسلہ میں قابل توجہ ہیں کہ یعنی مسجد میں سب سے اچھی وہ جگہ ہے جو امام کے پیچھے ہے۔ اور اللہ کی رحمت جب نازل ہوتی ہے تو اس کی ابتداء امام سے ہوتی ہے۔ پھر وہ رحمت اس شخص پر نازل ہوتی ہے جو امام کے پیچھے ہوتی ہے پھر اس پر جو دائیں جانب ہوں اور پھر بائیں جانب والوں پر پھر پوری مسجد والوں پر پہنچ جاتی ہے۔ صحیح مسلم میں ہے " انما الامام جنة" امام ڈھال ہوتا ہے الامام ضمناء یعنی امام ضامن ہوتے ہیں۔

حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ امام کے اوصاف میں ذکر فرماتے ہیں،

(۱) اس شخص کو امام بناؤ جو خود امامت کی خواہش نہ رکھتا ہو۔

(۲) جب اس سے افضل موجود ہو تو امامت سے خود بخود علیحدہ ہو۔

(۳) امام قاری ہو۔ دین کی باتیں سمجھتا ہو۔ سنت سے خوب آگاہ ہو۔ حدیث شریف میں ہے۔

اپنا دینی معاملہ تم اپنے علماء کے سپرد کرد و اور قاریوں کو اپنا امام بناؤ۔

(۴) امام لوگوں کو عیب جوئی اور غیبت سے اپنی زبان کو روکے

(۵) امام کو لازم ہے کہ بیکار گفتگو نہ کرے۔

﴿۱۵۲﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں،

کہ موضع پھاتھی پٹھانوالی کی جامع مسجد میں 4 یا 5 سال قبل سے ایک امام مقرر ہے۔ 14 رمضان المبارک کو نماز ظہر کے وقت وہ اپنے گھر جو بالکل ملحقہ مسجد ہے میں موجود تھے۔ ایک ایسا شخص جو اپنے والدین کا گستاخ اور علانیہ بے ادب ہے۔ مقرر امام صاحب کی موجودگی کا علم ہوتے ہوئے بے اجازت جماعت شروع کر دی۔ ابھی تکبیر تحریمہ ہوئی اور امام صاحب بھی آ گئے۔ باقی مقتدی جنہوں نے اس کے پیچھے اقتداء نہ کی تھی باآواز بلند کہا استاد جی صاحب آ گئے ہیں کچھ نے یہ کہا نماز آپ پڑھائیں۔ اور کچھ نے سلام پھیر کر اقتداء توڑ دی۔ امام صاحب نے کہا ابھی رکوع سجود نہیں ہوا۔ سلام پھیر سکتے ہو۔ بعد میں خود متفقہ طور پر جماعت کروائی۔

(۱) جناب عالی قابل طلب امر یہ ہے کہ کیا مذکورہ شخص بے اجازت امام مقرر کے جماعت کروا سکتا ہے۔

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(۲) کیا مقتدی سلام پھیر کر نماز توڑ سکتے تھے اور امام مقرر کی اقتدا میں متفقہ نماز پڑھ سکتے ہیں۔

(۳) کیا امام کہہ سکتا تھا کہ سلام پھیر دو۔ بینوا توجروا۔ سائل حافظ محمد انور موضع پھاتھی پٹھانوالی۔

الجواب: صورۃ مسئولہ کا جواب باصواب یہ ہے کہ امام مقرر کی اجازت کے بغیر کوئی شخص بھی جماعت کرانے کا مجاز نہیں ہے۔ جب دوسرا شخص امام مقرر کی اجازت کے بغیر جماعت کرائے تو اس کے پیچھے مقتدیوں کی اقتداء صحیح نہیں ہے۔ اگر امام مقرر آ جائے تو اسے جماعت کرانے کا حق ہے اور پہلی جماعت کو چھوڑنا اور اصل امام کی اقتداء میں باجماعت ادا کرنا ضروری ہے۔ اگر امام مقرر نماز توڑنے کا نہ کہے پھر بھی نماز توڑنا ضروری ہے۔ اگر امام مقرر نماز توڑنے کا کہہ دے تو پھر بطریق اولیٰ سابقہ جماعت کو چھوڑنا ضروری ہے۔ امام مقرر کا توڑنے کا اعلان کرنا اس میں کچھ قباحت نہ ہے۔ خصوصاً یہ امور اس وقت امام مقرر کو لازم ہیں جب کہ بے اجازت امام مقرر جماعت کرانے والا فاسق معلن ہو چکا ہے جیسا کہ صورت مسئولہ میں مذکور ہے کہ امام بننے والا بے ادب اور گستاخ والدین ہے کہ مقتدیوں پر اصل امام کا انتظار لازم ہے اور امام مقرر کی طرف سے یہ واضح ہو کہ اگر میں اتنے وقت تک نہ پہنچوں تو آئے فلاں تم جماعت کروا دیا کرو تا کہ لوگ انتشار کا شکار نہ ہوں۔

﴿۱۵۴﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ اگر ایک گاؤں کی اغلب آبادی گاؤں کے مولوی صاحب کے خلاف ہو اور گاؤں کے زیادہ لوگوں کی باجماعت نماز صرف مذکورہ مولوی صاحب کی وجہ سے چھوٹ جاتی ہو۔ کچھ لوگ گھر میں نماز پڑھ لیتے ہوں اور کچھ جماعت کے بعد مسجد میں تو مذکورہ مولوی صاحب کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟

الصلوٰۃ والسلام علیک یا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

بینوا توجروا۔ سائل فصیح اللہ میانوالی۔

الجواب: اگر کسی مسجد کی آبادی کی اکثریت مولوی (امام) صاحب کے خلاف ہو جائے تو اس کی نماز مقبول نہیں۔

حدیث شریف میں ہے "عن ابن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ ثلاثۃ لا تقبل منھم صلاتھم من تقدم قوما وھم لہ کارھون (الحدیث رواہ ابوداؤد و ابن ماجہ)"

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تین آدمیوں کی نماز مقبول نہیں ان میں سے ایک وہ شخص جو کسی قوم کی امامت کرواتا ہو حالانکہ وہ اسے ناپسند کرتے ہوں۔

فتاویٰ قاضی خان کی عبارت ملاحضہ ہو، **ترجمہ:** حضرت حسن بصریؒ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حوالے سے لکھتے ہیں، کہ انہوں نے فرمایا جو شخص کسی قوم کی امامت کراتا ہے اور وہ اسے ناپسند کرتے ہوں تو اس کی نماز ہنسلی سے آگے تجاوز نہیں کرتی۔

﴿۱۰۴﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں،

محلّہ کے کچھ لوگوں نے امام مسجد پر زنا کی تہمت لگائی ہے اور وہ لوگ امام مسجد سے صفائی مانگتے ہیں ورنہ نماز وغیرہ اس کے پیچھے پڑھنے کو تیار نہیں شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(سائل مسعود خان میانوالی۔)

الجواب: شرعاً زنا کی تہمت کے لیے چار گواہ ضروری ہیں اگر گواہ موجود نہ ہوں تو امام مسجد پر کوئی حلف نہیں بلکہ تہمت لگانے والے جھوٹے متصور ہوں گے۔ اور عندالشریعہ حد قذف کے مستحق ہوں گے۔ قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے، "قال اللہ تعالیٰ، " لو لا جاؤ علیہ باربعۃ

شہداء فاذ لم یا توا بالشہداء فاؤلئک عند اللہ ھم الکاذبون۔ ‘‘

(سورۃ نور آیت نمبر ۱۲ پارہ ۱۸)

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کتاب الصلوٰۃ

(نماز کا بیان)

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

﴿۱۵۵﴾فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ اگر ٹیلی ویژن پر نماز پڑھائی جارہی ہو اور یہ نشریات Live آرہی ہوں تو کیا ایسے امام کے پیچھے جماعت ہو جائے گی؟ **بینوا توجروا۔** سائل خان زمان خان میانوالی

الجواب: نماز کوئی مشینی عمل نہیں ہے بلکہ ایک عبادت ہے جس میں انسان اپنے پورے وجود، ظاہری اور باطنی کیفیت، قلب و روح، دل و دماغ، زبان، اعضاء و جوارح اور حرکات و سکنات کے ساتھ خدا کے حضور بچھ جاتا ہے۔ یہ خدا سے ہمکلامی (مناجات) اور قلب کے خوف و عاجزی سے لبریز ہونے (خشوع) کا اظہار اور نشان ہوتا ہے۔ امام جو کچھ بولتا ہے وہ گویا غایت درجہ احترام وادب اور خوف و محبت کے ساتھ اپنے مقتدیوں کی بات خدا تک پہنچانے کا کام کرتا ہے۔ ٹیلی ویژن کی امامت میں جو نماز ہوگی وہ محض ایک مشینی حرکت ہوگی۔ اس میں وہ خوف وخشیت، تواضع و انکسار، ادب و شائستگی اور خوف و رجاء کہاں ہو سکتا ہے۔ اس لیے فقہی نقطہ نظر سے ہٹ کر عبادت و بندگی کی روح اور اس کی شان و کیفیت بھی اس کے مغائر ہے کہ انسان ان مصنوعی کل پرزوں کی اقتداء میں نماز ادا کرنے لگے۔

فقہی اعتبار سے اقتداء صحیح ہونے کے لیے ضروری ہے کہ امام اور مقتدی کے درمیان شارع عام بڑی نہر یا کسی پل وغیرہ فاصل نہ ہو، اتنے فاصلہ کی موجودگی میں اقتداء درست نہ ہوگی۔

(الفتاویٰ الہندیہ ج ا ص ۴۵)

یہی حکم ٹیلی ویژن میں بھی ہے کہ اگر اصل امام اور مقتدیوں کے درمیان صفوں کے تسلسل کے بغیر اس قدر فصل ہو تو اقتداء درست نہ ہوگی۔ اور اگر بڑا مجمع ہو، صفوں کا تسلسل بھی قائم ہو۔ البتہ نماز گاہ

میں آسانی اور نقل وحرکت کے اندازہ کے لیے مختلف جگہ ٹیلی ویژن لگا دیئے جائیں تو نماز ہو جائے گی۔لیکن یہ عمل کراہت سے خالی نہ ہوگا۔اس لیے کہ ٹی وی کی فقہی حیثیت سے قطع نظر نماز کے سامنے اس طرح صورتوں کا آنا بجائے خود بھی مکروہ ہے اور اس لیے بھی کہ اس سے خشوع متاثر ہو گا۔جہاں تک نقل وحرکت کی اطلاع کا مسئلہ ہے تو وہ لاؤڈ سپیکر سے بھی ممکن ہے۔

﴿۱۵۶﴾فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ کیا مصورہ کپڑوں میں نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟ **بینوا وتوجروا**۔سائل اختر خان میانوالی

الجواب: اس زمانے میں تصویر کشی اور فوٹو گرافی کے رجحان میں جو اضافہ ہوا ہے۔اس کا ایک مظہر یہ ہے کہ مصور کپڑے بھی تیار ہونے لگے ہیں۔ان کپڑوں کا استعمال بجائے خود تو مکروہ ہے ہی نمازوں میں ان کا استعمال کچھ زیادہ ہی ناپسندیدہ ہے۔پہلے زمانے میں ایسے کپڑے پہننے کا رواج تو نہ تھا لیکن ازراہ زینت بچھانے اور لٹکانے کا رواج تھا۔فقہاء نے اس صورت کو صراحۃً مکروہ قرار دیا ہے۔

علامہ علاء الدین حصکفی نماز میں مکروہ باتوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں، ان یکون فوق راسه او بین یدیه او بحذائه یمنة او یسرة او محل سجوده تمثال۔ مکروہات نماز میں سے یہ بھی ہے کہ سر کے اوپر یا سامنے یا دائیں یا بائیں جانب یا اس کے سجدہ کی جگہ تصویر ہو۔

لہٰذا جب مصورہ فرش اور پردوں کا یہ حکم ہے تو اس کا پہننا بھی مکروہ قرار پائے گا۔

﴿۱۵۷﴾فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ ننگے سر نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟ **بینوا وتوجروا**۔سائل اشرف میانوالی

الصلوۃ والسلام علیک یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

الجواب: آج کل ننگے سر نماز پڑھنے کا رواج بڑھتا جا رہا ہے۔ اسلام میں ٹوپی یا عمامہ وغیرہ کی حیثیت ایک طرح اہل تقویٰ کے شعار کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحابؓ کا عام معمول عمامہ پہننے کا تھا۔ گو بعض روایتیں ایسی موجود ہیں کہ آپ ﷺ نے صرف ایک کپڑے میں نماز ادا فرمائی ہے۔ لیکن آپ کے عام معمول کو دیکھ کر یہی کہا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ کا یہ عمل کسی عذر کی بنا پر ہوگا۔ علامہ آلوسی، روح المعانی ج ۸ ص ۱۰۹ پر لکھتے ہیں، "و کان نبی صلی الله علیہ وآلہ وسلم بامر بستر الراس فی الصلوٰۃ بالعمامۃ او انقلنسوۃ و ینھی عن کشف الراس فی الصلوۃ۔" نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز میں عمامہ یا ٹوپی کے ساتھ سر ڈھانپنے کا حکم دیتے تھے اور ننگے سر نماز پڑھنے سے منع فرماتے تھے۔

یہی بات شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے شرح سفر السعادۃ ص ۴۳۶ میں نقل فرمائی ہے۔

ایک سوال کے جواب میں امام اہلسنت لکھتے ہیں کہ حضور ﷺ کی سنت کریمہ نماز مع کلاہ وعمامہ ہے اور فقہاء کرام نے ننگے سر نماز پڑھنے کو تین قسم کیا ہے،

۱۔ اگر یہ بہ نیت تواضع وعاجزی ہو تو جائز

۲۔ بوجہ کسل (سستی) ہو تو مکروہ

۳۔ اگر معاذ اللہ نماز کو بقدر اور ہلکا سمجھ کر ہو تو کفر

بلا عذر کھلے سر نماز پڑھنا مکروہ ہوگا۔ (درمختار ص ۸۷)

چنانچہ فقہاء لکھتے ہیں؛ "و صلوٰتہ حاسرا ای کا شفا رأسہ للتکاسل ولا باس للتذلل و اما للا ھانۃ بھا فکفرو لو سقطۃ قلنسوتہ فاعادتھا افضل الا اذا احتاجت لتکریر

او عمل کثیر۔" ازراہ سستی کھلے سر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ ہاں اگر تواضع مقصود ہو تو مضائقہ نہیں اور اگر توہین نماز مقصود تھی تب تو کفر ہے۔ نیز اگر نماز میں ٹوپی گر جائے تو اگر عمل کثیر وغیرہ کے بغیر پہن لینا ممکن ہو تو نماز ہی میں دوبارہ ٹوپی پہن لینی چاہیے۔

ننگے سر نماز پڑھنے میں غیر مقلدین کا موقف: مجلہ اہل حدیث جلد ۱۵ شمارہ ۲۲ میں لکھتے ہیں، ننگے سر نماز ہو جاتی ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جواز ملتا ہے مگر بطور فیشن لاپرواہی اور تعصب کی بنا پر مستقل اور ابدالا آباد کے لیے یہ عادت بنا لینا جیسا کہ آج کل دھڑلے سے کیا جارہا ہے، ہمارے نزدیک صحیح نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود یہ عمل نہ کیا ہے۔

قرآن پاک میں ہے، یبنی آدم خذو از ینتکم عند کل مسجد (اعراف)

ترجمہ: اے اولاد آدم تم ہر نماز کے وقت زینت (خوبصورت لباس) پہن لیا کرو۔

روایت ہے کہ جب حضرت امام حسنؓ نماز پڑھنے جاتے تو نہایت عمدہ لباس پہنتے، ان سے کہا گیا ابن رسول ﷺ آپ اس قدر عمدہ لباس کیوں پہنتے ہیں، "اللہ جمیل و یحب الجمال "فرمایا اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے تو میں اپنے رب کے لیے جمال اختیار کرتا ہوں۔

(ہفت روزہ الاعتصام جلد ۱۱ شمارہ ۱۸)

﴿۱۵۸﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ سفر شرعی کی مسافت کیا ہے؟　　　　بینوا توجروا۔ سائل امجد خان میانوالی

الجواب: سفر شرعی کے سلسلہ میں امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور اکثر فقہاء کی رائے ہے کہ کم از کم چار برید کی مسافت ہونی چاہیے۔　　　(جواہر الفقہ ص ۳۳۸)

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اور امام اہلسنت صاحب کی رائے ہے کہ ایک برید ۱۲ میل کے مساوی ہے۔ اس طرح مسافت سفر ۴۸ میل ہوئی۔ امام ابوحنیفہ کے یہاں اس معاملہ میں مسافت کا اعتبار نہیں ہے۔ بلکہ وقت کا ہے کہ اتنا طویل راستہ جسے تین دونوں میں اونٹ یا اس رفتار کی سواری سے طے کیا جا سکے اور وہ بھی اس طرح کہ صرف دن میں معمول کے مطابق ٹھہرتے ہوئے چلا جائے اور رات میں چلنا موقوف کر دیا جائے۔ (فتاویٰ رضویہ، فتاویٰ ہندیہ) احناف نے ایک متعین مسافت کی بجائے اوقات کے ذریعہ مسافت سفر کا تعین اس لیے کیا ہے کہ راستہ کے لحاظ سے ایک ہی مسافت اپنی دشواری کے لحاظ سے یکساں برقرار نہیں رہتی۔ مثلاً ۴۸ میل کا سفر پہاڑی علاقوں میں اور ہموار خطوں میں رفتار کے اعتبار سے بڑا فرق رکھتا ہے۔

تین دنوں کے سفر کی مسافت کا تعین ہر آدمی کے کے لیے دشوار ہے دوسرے ہندو پاک میں اور موجودہ سڑکوں کے نظام میں راستوں کا یہ فرق نہیں یا بہت کم رہ گیا ہے۔ اس لیے علماء ہند نے اسے ۴۸ میل کی مسافت پر فیصلہ کیا ہے۔ ۴۸ میل سے کم مسافت پر سفر شمار نہیں ہوگا اور نہ قصر کی گنجائش ہوگی۔ یہ مسافت نہ صرف عام سواریوں میں ہے بلکہ تیز رفتار ذرائع مواصلات ٹرینوں، ہوائی جہازوں اور سمندری جہازوں کے سلسلہ میں بھی ہے۔ چاہے یہ مسافت ان کے ذریعہ کتنے ہی کم وقت میں کیوں نہ طے پا جائے۔ سفر ہوگا۔ نماز میں قصر کیا جائے گا۔ روزہ نہ رکھنا درست ہوگا اور تمام احکام مسافروں کے ہوں گے۔

﴿۱۵۹﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ خصوصاً گرمیوں کے موسم میں لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ باریک کپڑے پہن کر نماز پڑھتے ہیں نیز

عورتیں بھی باریک کپڑے زیب تن کر کے نماز پڑھتی ہیں کیاان کپڑوں میں نماز ہوجاتی ہے۔؟

بینوا توجروا۔ سائل محمد سلیم اللہ خان میانوالی

الجواب: مرد کو ناف سے گھٹنوں تک بدن چھپانا فرض ہے۔ لہٰذا اتنی باریک دھوتی یا لنگی پہن کر نماز پڑھی کہ جس سے بدن کی رنگت جھلکتی ہے تو نماز بالکل نہیں ہوتی۔ اور بعض لوگ جو دھوتی اور لنگی کے نیچے جانگھیا پہنتے ہیں تو اس سے ران کا کچھ حصہ تو چھپ جاتا ہے مگر پورا گھٹنا اور ران کا کچھ حصہ باریک دھوتی اور لنگی کے نیچے سے جھلکتا ہے تو اس صورت میں بھی نماز نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ گھٹنے کا چھپانا بھی فرض ہے۔

حدیث شریف میں ہے الرکبة من العورة اور فتاویٰ عالمگیری جلداول مطبوعہ مصر ص ۵۴ میں ہے، العورة للرجل من تحت السرة حتی تجاوز رکبتیه فسرته لیست بعورة عند علمائنا الثلاثة ورکبته عورة عند علمائنا جمیعا هکذا فی المحیط۔

پھراسی کتاب کے اسی صفحہ پر ہے الثوب الرقیق الذی یصف ما تحته لا یجوز الصلاة فیه کذا فی التبیین اور اتنا باریک دوپٹہ اوڑھ کر عورتوں کی نماز نہیں ہوتی کہ جس سے بال کا رنگ جھلکے۔ اس لیے کہ عورتوں کے لیے بالوں کا چھپانا فرض ہے۔ بلکہ منہ، ہتھیلی اور پاؤں کے تلوؤں کے علاوہ پورے جسم کا چھپانا ضروری ہے۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اول مصری ص ۵۴ میں ہے۔ بدن الحرة عورة الا وجهها و کفیها و قدمیها کذا فی المتون و شعر المراة ما علی راسها عورة واما المسترسل ففیه روایتان الاصح انه عورة کذا فی الخلاصة وهو الصحیح وبه احسن الفقیه ابو اللیث و علیه الفتویٰ کذا فی معراج

الــــــدرایۃ۔ اور بہار شریعت حصہ سوم ص ۴۳ پر ہے اتنا باریک دوپٹہ جس سے بال کی سیاہی چمکے عورت نے اوڑھ کر نماز پڑھی نہ ہوگی جب تک کہ اس پر کوئی ایسی چیز نہ اوڑھے جس سے بال وغیرہ کا رنگ چھپ جائے۔

﴿۱۶۰﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ ہمارے امام صاحب محراب میں کھڑے ہوکر نماز پڑھاتے ہیں۔ ہمارے محلّہ کے یہ نے کہا گرامام صاحب کے پاؤں محراب کے اندر ہوں تو نماز مکروہ ہوگی کیا یہ درست کہتے ہیں۔؟ بینوا توجروا۔
(سائل غلام قادر خان ولد غلام حسن خان میانوالی)

الجواب: امام کو بلاضرورت محراب میں اس طرح کھڑا ہونا کہ پاؤں محراب کے اندر ہوں مکروہ ہے۔ ہاں اگر پاؤں باہر اور سجدہ محراب کے اندر ہو تو کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح امام کا در میں کھڑا ہونا بھی مکروہ ہے۔ لیکن پاؤں باہر اور سجدہ در میں ہو تو کوئی قباحت نہیں بشرطیکہ در کی کرسی بلند نہ ہو اس لیے کہ اگر سجدہ کی جگہ پاؤں کی جگہ سے چار گرہ زیادہ اونچی ہو تو نماز بالکل نہ ہوگی۔ اور اگر چار گرہ یا اس سے کم بقدر ممتاز بلند ہے تو بھی کراہت سے خالی نہیں۔ اور بے ضرورت مقتدیوں کا در مین صف قائم کرنا سخت مکروہ ہے و باعث قطع صف ہے اور قطع صف نا جائز ہے۔ ہاں اگر کثرت جماعت کے سبب جگہ میں تنگی ہو اس لیے مقتدی در میں اور امام محراب میں کھڑے ہوں تو کراہت نہیں۔ اسی طرح اگر بارش کے سبب پچھلی صف کے لوگ دروں میں کھڑے ہوں تو کوئی حرج نہیں کہ یہ ضرورت ہے اور " الـضــرورات تبیـح المحظورات " رہا تنہا نماز پڑھنے والا تو وہ بلاضرورت بھی محراب و در میں کھڑے ہوکر نماز پڑھ سکتا

ہے۔(فتاوی رضویہ جلد سوم ص ۴۲)

﴿۱۶۱﴾فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ امام نے نماز پڑھائی، مقتدی نے اپنے غلط خیال سے یا بھول سے لقمہ دیا لیکن امام نے اپنے صحیح خیال کے مطابق مقتدی کا لقمہ رد کرتے ہوئے نماز ختم کی۔ تو اس لقمہ دینے سے مقتدی کی نماز میں نقص ہوا یا نہیں؟۔ اگر نقص ہو تو نماز کے اعادہ کی ضرورت ہے یا نہیں۔؟۔(بینوا توجروا۔سائل محمد شفقت اللہ خان میانوالی۔)

الجواب: اپنے امام کو بوقت حاجت لقمہ دینے سے مقتدی کی نماز میں کوئی نقص نہیں آتا اگرچہ لقمہ دینے میں اس سے سہواً غلطی ہوگئی ہو۔اس کو نماز کے اعادے کی بھی حاجت نہیں۔

﴿۱۶۲﴾فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے میں ایڑی کو رکوع میں سرین سے علیحدہ کرنا چاہیے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ سائل قمر الزمان میانوالی

الجواب: رکوع میں بیٹھ کر نماز پڑھنے کی حالت میں جھکنے کی انتہا تصریحات کتب فقہ سے اس قدر ثابت ہے۔ طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے۔فان ركع جالسا ينبغي ان تحاذى جبهته ركبتين ليحصل الركوع ولعل مراده انحناء الظهر عملا بالحقيقة لا انه يبالغ فيه حتى يكون قريبا من السجود له۔　(طحطاوی مصری ص ۱۳۳ ج ۱)

اگر بیٹھ کر رکوع کیا تو لائق یہ ہے کہ اپنی پیشانی کو اپنے دونوں گھٹنوں کے مقابل کرے تاکہ رکوع حاصل ہو۔اس سے مراد پشت کا جھکانا ہے۔حقیقت پر عمل کرتے ہوئے نہ یہ بات کہ رکوع میں اتنا مبالغہ کرے کہ سجدہ کے قریب ہو جائے۔

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

علامہ ابن عابدین برجندی سے ردالمحتار میں ناقل ہیں (ردالمحتار مصری ص ۳۱۳ ج ۱)

اگر بیٹھ کر رکوع کیا تو لائق یہ ہے کہ اپنی پیشانی کو اپنے دونوں گھٹنوں کے مقابل کرے تا کہ رکوع حاصل ہو۔ میں کہتا ہوں شاید کہ اسے تمام رکوع پر عمل کیا جائے ورنہ تو نے جان لیا کہ رکوع کا حصول پشت کے جھکانے اور سر کے نیچے کرنے سے ہو جاتا ہے۔

میری نظر میں ایڑی کو سرین سے جدا کرنے کی کوئی تصریح نہیں ہے۔ لیکن ان عبارات پر غور کرنے کے بعد یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بیٹھنے کی حالت میں رکوع کی فرضیت تو صرف پشت کے جھکا دینے سے ادا ہو جائے گی اور اس جھکنے کی انتہا یہ ہے کہ پیشانی کو گھٹنوں کے مقابل کر دیا جائے اور یہ تقابل سرین کو ایڑی سے جدا کئے ہوئے بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ تو پھر سرین کو ایڑی سے علیحدہ کرنے کی کونسی ضرورت داعی ہے۔ نیز اگر سرین کو ایڑی سے جدا کر کے پیشانی کو گھٹنے کے مقابل کیا جاتا ہے تو اقرب من السجود ہو جاتا ہے اور اس کی ممانعت عبارت طحطاوی سے گزری۔ اور سرین کو ایڑی سے بغیر جدا کئے ہوئے جب پیشانی کو گھٹنوں کے مقابل کیا جاتا ہے تو ہیئت سجدہ سے بالکل امتیاز ہو جاتا ہے اور رکوع سجود کا امتیاز شرعاً مطلوب ہے۔

طحطاوی میں ہے، وجعل ایمائہ للسجود اخفض من ایمائہ للرکوع تمیزا بینھما۔

تو مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ سرین کو ایڑی سے جدا نہ کیا جائے۔ اس میں کسی حکم شرعی کی مخالفت بھی لازم نہیں آتی ہے۔ تو بلا کسی تصریح کے کس طرح سرین کو ایڑی سے جدا کرنے کا حکم دیا جائے۔

لہٰذا خلاصہ عبارت یہ ہے کہ ایڑھی کو سرین سے جدا نہ کیا جائے۔ جھکنا پایا جائے رکوع ہو جائے گا۔

واللہ اعلم بالصواب

﴿۱۶۳﴾**فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ قرآن پاک کو آہستہ پڑھنے کی مقدار کیا ہے۔ کیا صرف ہونٹ ہلانے سے نماز ہوگی یا نہ؟۔

(بینوا توجروا۔ ظفر اللہ خان نیازی میانوالی)

الجواب: قرآن آہستہ پڑھنے کا ادنی درجہ یہ ہے کہ خود سنے۔ اگر صرف ہونٹ ہلائے یا اس قدر آہستہ پڑھے کہ خود نہ سنے تو نماز نہ ہوگی۔ بہار شریعت حصہ سوم ص ۶۹ میں ہے'' آہستہ پڑھنے میں بھی اتنا ضروری ہے کہ خود سنے۔ اگر حروف کی تصحیح تو کی مگر اس قدر آہستہ کہ خود نہ سنا اور کوئی مانع مثلاً شور وغل یا ثقل سماعت بھی نہیں تو نماز نہ ہوئی۔

فتاویٰ عالمگیری جلد اول مصری ص ۶۵ میں ہے ان صحح الحروف بلسانه ولم يسمع نفسه لا يجوز وبه اخذ عامة المشائخ هكذا في المحيط وهو المختار هكذا في السراجية وهو الصحيح هكذا في النقاية۔

﴿۱۶۴﴾**فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، ایک ضروری مسئلہ کی وضاحت کر دیں کہ کیا عورتیں بیٹھ کر نماز پڑھ سکتی ہیں۔ اکثر عورتیں بیٹھ کر فرض اور نوافل ادا کرتی ہیں۔ کیا ان کی نماز ہو جاتی ہے؟ بینوا توجروا۔ سائل ظفر اللہ خان ولد دلدار خان میانوالی

الجواب: فرض، وتر، عیدین اور سنتِ فجر میں قیام فرض ہے یعنی بلا عذرِ صحیح یہ نمازیں بیٹھ کر پڑھی گئیں تو نہ ہوں گی۔ بحر الرائق ص ۲۹۲ میں ہے،'' وهو فرض في الصلاة للقادر عليه في الفرض وما هو ملحق به۔'' فتاویٰ عالمگیری ص ۶۴ جلد اول میں ہے'' وهو فرض في صلاة الفرض والوتر هكذا في الجوهرة النيرة والسراج الوهاج۔''

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

شامی جلد اول ص ۲۹۹ میں ہے "وسنة الفجر لا تجوز قاعدا من غير عذر باجماعهم كما هو رواية الحسن عن ابي حنيفة كما صرح به في الخلاصة ۔"

اور بہار شریعت حصہ سوم ص ۶۹ میں غنیتہ سے ہے اگر عصا یا خادم یا دیوار پر ٹیک لگا کر کھڑا ہو سکتا ہے تو فرض ہے کہ کھڑا ہو کر پڑھے ۔ اگر کچھ دیر بھی کھڑا ہو سکتا ہے اگر چہ اتنا ہی کہ کھڑا ہو کر اللہ اکبر کہہ لے پھر بیٹھ جائے ۔ جس طرح نماز میں قیام مردوں کے لیے فرض ہے اسی طرح عورتوں کے لیے بھی فرض ہے ۔ لہٰذا فرض و واجب تمام نمازیں جن میں قیام ضروری ہے بغیر عذر صحیح بیٹھ کر نہیں ہو سکتیں ۔ جتنی نمازیں باوجود قدرت قیام بیٹھ کر پڑھی گئیں ان سب کی قضا پڑھنا اور توبہ کرنا فرض ہے ۔ اگر قضاء نہیں پڑھیں گی اور توبہ نہیں کریں گی تو سخت گنہگار اور مستحق عذاب نار ہوں گی ۔ ہاں نفل نمازیں بیٹھ کر پڑھی جا سکتی ہیں مگر کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ہے ۔ اس لیے کہ کھڑے ہو کر پڑھنے میں بیٹھ کر پڑھنے سے دگنا ثواب ہے اور وتر کے بعد جو دو رکعت پڑھی جاتی ہے اس کا بھی یہی حکم ہے کہ کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ہے ۔

﴿۱۶۵﴾ فتویٰ شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ نماز پڑھتے وقت خیال کس طرف ہونا چاہے اور نگاہ کس مقام پر ہونی چاہے اور آنکھیں بند کر کے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ ۔ اور اگر ضروری ہے تو کس طریقے سے آنکھیں کھول کر پڑھنے سے کیا تصور کریں؟ ۔ (بینوا توجروا ۔ سائل کریم نواز خان میانوالی)

الجواب: نماز میں آنکھیں کھلی ہوئی رکھی جائیں ۔ اور نگاہ قیام میں سجدہ کی جگہ کی طرف اور رکوع میں قدم کی پشت کی طرف اور سجدہ میں ناک کی طرف اور قاعدہ میں گود کی طرف ۔ اور

پہلے سلام میں داہنے کندھے اور دوسرے سلام میں بائیں کندھے کی طرف رکھے۔ اور آنکھوں کو بند رکھنا مکروہ ہے۔ مگر جب آنکھیں کھلی ہوئی رکھنے میں خیالات منتشر ہوتے ہوں اور خشوع نہ ہوتا ہوتو بند رکھ سکتا ہے بلکہ ایسے شخص کے لیے اولی یہ ہے کہ انہیں بند ہی رکھے۔

اب باقی رہا خیال تو اس کی پوری توجہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رہے۔ اور ارکان نماز ادا کرنے مین حضور ﷺ کے افعال کی مطابقت کا پورا خیال کرے۔ اور قرآت وتشہد اور درود شریف میں حضور ﷺ کی جانب توجہ کرے کہ وہ درگاہِ النبی کا واسطہ ہیں۔ اور حضور ﷺ کی طرف خیال کا لے جانا اللہ تعالیٰ کی طرف خیال لے جانے کے منافی نہیں۔ جیسے حضور کی اطاعت اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا ذکر قرآن کریم میں ہے۔ ومن یطع الرسول فقد اطاع الله حدیث شریف میں ہے، جعلت ذکرامن ذکری فمن ذکرك ذکرنی نقله القاضی فی شفائه۔

﴿۱۶۶﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ میرے گھر میں گھڑی ہے۔ جب میں نماز پڑھتی ہوں تو بعض اوقات اچانک نظر پڑ جاتی ہے بعض اوقات خود اس کی طرف نظر کر کے ٹائم دیکھ لیتی ہوں۔ کیا ایسا کرنے سے میری نماز ٹوٹ جاتی ہے، نیز نماز میں تحریر پڑھ لینے کا کیا حکم ہے؟　　　(بینوا توجروا۔ سائلہ پروین اختر میانوالی۔)

الجواب: نماز دراصل اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی اور مخاطبت کا وقت ہے اس قت کسی اور طرف توجہ کرنا بالکل اس طرح ہے کہ ایک شخص کو آپ اپنی طرف متوجہ کریں اور پھر آپ کسی اور کام میں مشغول اور اس کی طرف سے بے توجہ ہو جائیں۔ اسی لیے نماز جیسی عبادت کا صحیح تقاضہ تو یہ ہے کہ اس وقت آدمی اپنے آپ کو کلیتہً خدا کی طرف یکسو کر لے اور قصداً وقت وغیرہ نہ دیکھے۔

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

لیکن اگر کوئی شخص وقت دیکھ ہی لے اور سمجھ لے، البتہ زبان سے اس کا تلفظ نہ کرے تو نماز فاسد نہ ہو گی۔ چانچہ فتاویٰ عالمگیری جلد اول ص ۵۳ میں ہے، "لو نظر فی کتاب من الفقه فی صلوٰة وفهم لا تفسد صلوته بالا جماع کذافی التا تار خانیه و اذا کان المکتوب علی المحراب غیر القرآن فنظر المصلی الی ذالك وتامل وفهم فعلی قول ابی یوسف لا تفسد و به اخذ مشائخنا۔"

اگر کوئی شخص دوران نماز فقہ کی کسی کتاب میں سے کچھ حصہ دیکھ لے اور سمجھ لے تو بالا جماع نماز فاسد نہیں ہوگی۔ فتویٰ تا تار خانیہ میں ایسے ہی لکھا ہے اور جب محراب پر قرآن کے علاوہ کوئی دوسرے چیز لکھی ہو نمازی اسے دیکھے اس پر غور کرے اور پھر سمجھ لے تو امام ابو یوسفؒ کی رائے ہے کہ نماز فاسد نہیں ہوگی۔ اور مشائخ احناف نے اسی رائے کو قبول کیا ہے۔

﴿۱۶۷﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کیا نماز میں الحمد امام کے پیچھے پڑھنی چاہیے یا نہیں؟۔ کچھ لوگ احادیث کا حوالہ دیکر یہ بات ثابت کرتے ہیں۔ وضاحت سے جواب عنایت فرمائیں (بینوا توجروا۔ سائل بشیر احمد میانوالی)

الجواب: ہمارے ملک میں امام کے پیچھے بھی الحمد پڑھنے والے بالعموم غیر مقلدین ہیں۔ قرآت خلف الامام کا مسئلہ لیجئے اس میں جس قدر احادیث وارد ہیں اور جو حکم قرآنی موجود ہیں سب پر نظر رکھ کر فیصلہ کرنا آج تک نہ کسی غیر مقلد کو نہ میسر آسکا۔ بغیر تطبیق احادیث پر عمل ممکن نہیں۔ مشکوۃ شریف میں بروایت مسلم لائے ہیں، "عن ابی هریره و قتادة قالا قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم اذا قرء فانصتوا۔" ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ وقتادہ سے

مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا جب امام قرات کرے تو خاموش رہو۔

حضرت شیخ محقق اس کی شرح میں فرماتے ہیں۔ "ھذا دلیل علی مذھب ابی حنیفۃ فی مع قراۃ الفاتحۃ علیہ سواء کانت الصلوۃ جھریۃ او سریۃ۔"

یعنی یہ حدیث دلیل ہے مذہب ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مقتدی کو امام کے پیچھے قرات سے منع کرنے اور اس پر فاتحہ قرأت کے واجب نہ ہونے میں۔ ابوداؤد و نسائی، ابن ماجہ، احمد، بزار، ابن عدی وغیرہ محدثین روایت کرتے ہیں، "عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انما جعل الامام لیوتم بہ فاذا اکبر فکبر و افاذا قرأنا نصتوا (نسائی جلد اول صفحہ ١٤٦)" حضور اکرم ﷺ نے فرمایا امام اس لیے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے تو وہ جب تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو اور جب قرأت کرے تم خاموش رہو۔ مرقات المفاتیح اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں، یعنی الاہتمام فی القرأۃ اقتدا اور امام کی پیروی قرأت میں خاموش رہنے سے ہوسکتی ہے نہ کہ پڑھنے میں۔

مؤطا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ میں ہے، "عن جابر بن عبداللہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من صلی خلف امام فان قراءۃ الامام لہ قرأۃ۔"

ترجمہ: جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ فرمایا حضور علیہ ﷺ نے جس شخص نے امام کے پیچھے نماز پڑھی تو بیشک امام کا قرأت کرنا اس کا قرأت کرنا ہے۔ "و فیہ ایضا عن وائل قال سئل عبداللہ ابن مسعود عن القرأۃ خلف الامام قال انصت فان فی الصلوۃ شغلا سیکفیک ذالک الامام۔" ترجمہ: ابووائل سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود سے

الصلوٰۃ والسلام علیک یا سیدی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

قرأۃ خلف الامام کا مسئلہ پوچھا گیا فرمایا خاموش رہو (یعنی امام کے پیچھے قرأۃ نہ کر) بیشک نماز میں ایک شغل ہے امام کا قرأۃ کرنا تیرے لیے کافی وافی ہے۔

"ایضاً حدیث ۔ان عبدا للہ ابن مسعود کان لا یقرأ خلف الامام فی ما یجھر فیہ و فیما یخافت فیہ فی الاولین ولا فی الاخرین۔"

ترجمہ: یعنی عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے قرأت نہیں کرتے تھے۔ جہری نماز میں نہ سری نماز میں نہ پہلی دو رکعتوں میں نہ پچھلی دو رکعتوں میں۔

طحاوی نے بروایت علقمہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔"قال لیت الذی یقرأ خلف الامام ملئی فماہ ترابا ۔"ترجمہ: جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرے کاش کے اس کا منہ خاک سے بھر دیا جائے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے،"قال لیت فی فم الذي یقرأ خلف الامام حجر ۔"ترجمہ: کاش کہ امام کے پیچھے پڑھنے والے کے منہ میں پتھر بھر دیئے جاتے۔ان تمام احادیث سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ امام کے پیچھے قرأت نہیں کرنی چاہیے بلکہ خاموش رہنا چاہیے۔ صحابہ کرام کا عمل یہی تھا۔

﴿۱۶۸﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ رمضان المبارک میں تراویح کے اندر ختم کلام پاک کے وقت تین مرتبہ سورۃ اخلاص پڑھی جاتی ہے تو آیا یہ تین مرتبہ پڑھنا شرع شریف سے ثابت ہے یا محض حفاظ کا طریقہ؟۔

(بینوا توجروا۔ سائل عبدالرزاق متعلم جامعہ اکبریہ میانوالی)

الجواب: قل ھو اللہ شریف کا ختم تراویح میں تین مرتبہ پڑھنا محض حفاظ کا طریقہ نہیں

بلکہ متاخرین نے امر مستحب قرار دیا ہے۔

چنانچہ فقہ کی مشہور کتاب غنیۃ میں ہے "وقرلۃ قل ھو اللہ احد ثلث مرات لم یستحسنھا بعض المشائخ وقال الفقیۃ ابو الیث ھذا شی استحسنہ اھل القرآن وائمۃ الامصار فلاباس بہ۔"

﴿۱۶۹﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ سجدہ میں اگر ناک زمین پر نہ لگے تو نماز ہوگی یا نہیں۔ بینوا توجروا۔ سائل حافظ محمد سلیمان میانوالی

الجواب: سجدہ میں ناک زمین پر لگا کر ہڈی تک دبانا واجب ہے تو اگر کسی نے اس طرح سجدہ کیا کہ اسکی ناک زمین پر نہ لگی یا زمین پر تو لگی مگر ناک کی ہڈی تک نہ دبی و نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوئی۔ اسی طرح فتاوی رضویہ جلد اول ص ۵۵۶ اور بہار شریعت حصہ سوم ص ۷۱ میں ہے۔

﴿۱۷۰﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ سجدہ میں دونوں پاؤں زمین سے اٹھے رہے یا صرف انگلیوں کا سر زمین سے لگا رہا اور ان کا پیٹ نہ لگا تو کیا نماز ہوگی یا نہ؟۔ (بینوا توجروا۔ سائل قاری افضل احمد متعلم جامعہ اکبریہ)

الجواب: اگر سجدہ میں دونوں پاؤں زمین سے اٹھے رہے یا صرف انگلیوں کے سرے زمین سے لگے اور کسی انگلی کا پیٹ بچھا نہیں تو اس صورت مین نماز بالکل نہیں ہوگی۔ اور اگر ایک دو انگلیوں کے پیٹ زمین سے لگے اور اکثر کے پیٹ نہیں لگے تو اس صورت میں نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ ہوگی۔ اشعۃ اللمعات جلد اول ص ۳۹۴ میں ہے۔" اگر ہر دو پائے بردار د

نماز فاسد ست و اگر یک پائے بردار و مکروہ ست۔"

درمختار مع ردالمحتار جلد اول ص ۳۱۲ میں ہے "وضع اصبع واحدۃ منھما شرط۔"

اسی جلد کے ص ۳۵۱ پر ہے "فیہ یفترض وضع اصابع القدم ولو واحدۃ نحو القبلۃ لم تجزوا الناس عنہ غافلون۔"

فتاویٰ رضویہ جلد اول ص ۵۵۶ پر ہے، سجدے میں فرض ہے کہ کم از کم پاؤں کی ایک انگلی کا پیٹ زمین پر لگا ہو اور ہر پاؤں کی اکثر انگلیوں کا پیٹ زمین پر جما ہونا واجب ہے۔

اور حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ الرحمان تحریر فرماتے ہیں، پیشانی کا زمین پر جمنا سجدہ کی حقیقت ہے۔ اور پاؤں کی ایک انگلی کا پیٹ لگنا شرط۔ تو اگر کسی نے اس طرح سجدہ کیا کہ دونوں پاؤں زمین سے اٹھے رہے نماز نہ ہوئی بلکہ اگر صرف انگلی کی نوک زمین سے لگی جب بھی نہ ہوئی، اس مسئلہ سے بہت لوگ غافل ہیں۔

﴿۱۷۱﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ ہمارے امام مسجد بھول کر نماز میں آواز تراویح میں جہاں لفظ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آتا ہے وہاں صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیتے ہیں۔ کیا نماز صحیح ہوتی ہے۔؟ سائل حاجی عبدالرؤف خان محلہ نور پورہ میانوالی۔)

الجواب: بلا شک وشبہ نماز صحیح ہوئی کہ درود شریف ایسا کلام نہیں کہ نماز کا نقصان کر دے۔ بدائع صنائع ص ۱۶۴ جلد ۱ بحر الرائق ص ۹۷ میں ہے۔ "والنظم من البدائع ولا یعقل تمکن النقصان فی الصلوٰۃ بالصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم"

غنیہ ص ۴۲۰، شامی ص ۵۸۱ جلد ۱ میں ہے "لان نفس تعظیم اللہ تعالیٰ والصلوۃ علی

النبی علیہ السلام لا ینفی الصلوٰۃ فلا یفسدھا ''

بلکہ آیۂ کریمہ صلوا علیہ و سلموا کا اطلاق مجوز ہے اور رعایت ترتیب کلمات قرآن کریم کا تقاضا ہے کہ یہاں نہ پڑھا جائے تو نہ پڑھنا افضل ہوا۔

تو امام مسجد صاحب کا یہ درود شریف پڑھنا ارادہ سے ہوتا تب بھی حرام یا مکروہ تحریمیہ نہیں بنتا بلکہ صرف خلاف اولیٰ ہی ہوتا چہ جائکہ بلا قصد ہی پڑھا گیا۔ بہر حال یہ نماز بالاتفاق ائمہ دین صحیح ہوئی۔

﴿۱۷۲﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، فرض نمازوں میں امام مسجد لمبی دعائیں مانگتا ہے اور بعد فرض بھی جس سے ضعیف اور کمزور نمازیوں کو بہت زیادہ تکلیف ہوتی ہے شرعاً کیا کرنا چاہے۔ (بینوا توجروا۔ سائل سلیمان آرائیں میانوالی)

الجواب: ارے پیارے رؤف الرحیم رحمۃ للعالمین ﷺ نماز میں مقتدیوں کی رعایت فرمایا کرتے تھے حتی کہ رونے والے بچے کی ماں کی رعایت سے اور زیادہ تخفیف فرما دیتے تھے۔ صحیح بخاری ص ۹۸ جلد ۱ صحیح مسلم ص ۱۸۸ جلد ۱ کی حدیث حضرت انس پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

'' والنظم من البخاری ما صلیت وراء امام قط اخف صلوٰۃ ولا اتم من النبی صلی اللہ علیہ وسلم وان کان یسمع بکاء الصبی فیخفف مخافتہ ان تفتن امہ۔ ''

ایک اور حدیث میں ہے کہ، **ترجمہ:** میں نے نہیں دیکھا کہ نبی کریم ﷺ کو کسی وعظ میں اس دن سے زیادہ غضب فرمایا ہو پس فرمایا اے لوگو! بے شک بعض تمہارے لوگوں کو نفرت دلانے والے یا بھگانے والے ہیں تم سے لوگوں کا جو امام بنے پس چاہے کہ اختصار کرے۔ اس لیے کہ بے

شک اس کے پیچھے بوڑھے، کمزور اور ضرورت مند ہوتے ہیں۔

﴿۱۷۳﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ مسافر مئوکدہ سنتیں ادا کرسکتا ہے یا نہیں؟ بعض لوگ ادا کرتے ہیں۔ بینوا تو جروا۔ سائل حافظ محمد علی اعظمی میانوالی

الجواب: سفر میں ادائے سنن بلاشبہ مستحسن ومسنون ہے۔ اس پر جمہور علمائے کرام اور ائمہ عظام کا اتفاق ہے۔ پہلے ہم حضور اکرم ﷺ کے فرامین نقل کرتے ہیں۔

حضرت سیدتنا ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت فرماتی ہیں مسلم شریف ص ۲۵۱ جلد ۱ ترمذی شریف ص ۶۶ جلد ۱، نسائی ص ۲۵۶ جلد ۱، صحیح مستدرک ص ۳۱۱ جلد ۱، سنن ابی داؤد ص ۱۷۸ جلد ۱، مسند ابی داؤد طیالسی ص ۲۲۲، ابن ماجہ ص ۸۱، سنن بیہقی ص ۴۷۲ جلد ۲ کنز العمال ص ۱۶۶ جلد ۴ اور ایسے ہی حضرت سیدتنا ام المومنین صدیقہ بنت الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ترمذی ص ۶۵ جلد ۱، سنن نسائی ص ۲۵۶، سنن ابن ماجہ ص ۸۱، کنز العمال ص ۱۶۶ جلد ۴ میں ہے،

"والنظر من الترمذی عن الصديقة رضى الله تعالىٰ عنها قال رسول الله صلى الله عليه و سلم من ثابر على ثنتى عشرة ركعة من السنة بنى الله له بيتافى النحنةاربع ركعات قبل الظهر و ركعتين بدها و ركعتين بعد المغرب و ركعتين بعد العشائو ركعتين قبل الفحر و نحوه عن ام المومنين ام حبيبه رضى الله تعالىٰ عنها و فى بعض روايتهم ركعتيں قبل اعصر بدل ركعتيں بعد العشاء وفى بعض الروايت ركعتين بعد اعشاء نحو الرواية المازة وفى صدر رو اياتها ما من عبد يصلى عند مسلم فمن صلى ايضاً عن مسلم وغيره و فى بعض الروايات من ركع"

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ترجمہ : فرمایا! یارسول اللہ ﷺ نے وہ شخص جو پابندی کرے بارہ رکعتوں پر سنت سے بناتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے لئے بہشت میں مکان، چار رکعتیں ظہر سے پہلے اور دو اس کے پیچھے اور دو مغرب کے پیچھے اور دو عشاء کے پیچھے اور دو فجر سے پہلے صرف بعض احادیث قولیہ مثبتہ جمیع سنن رواتب پر ہی اختصاراً اقتصار کیا جاتا ہے ورنہ وہ احادیث جلیلہ بکثرت صحاح ستہ وغیرہا میں ہیں جن سے سنن رواتب فعلاً عموماً اور قولاً وفعلاً فردائی فراڈی روز روشن کی طرح واضح طور پر ثابت ہیں بلکہ فجر ومغرب کی سنتیں بالخصوص قرآن کریم سے ثابت ہیں۔

معالم تنزیل ص ۱۹۹ جلد ۶" و سبحد بحمد ربك قبل طلوع الشمس و قبل الغروب ومن الليل فسبحه وادبار السجود ۔"

بہر حال احادیث مبارکہ کا اطلاق وعموم حاضر ومسافر دونوں کو شامل اور احادیث دونوں کے لیے وعدہ ثواب کی حامل اور عمومات قطعاً یقیناً بلا گنجائش شکوک وشبہات استدلال واثبت کے لیے وافی وکافی ہیں۔ سیدنا براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ترمذی ص ۸۳ جلد سنن ابوداؤد ص ۱۷۲ جلد ا، صحیح مستدرک ص ۳۱۵ جلد ا، سنن بیہقی ص ۱۵۸، کنز العمال ص ۱۸۹ جلد ۴ میں ہے۔

"صحبت رسول الله صلى الله عليه وسلم ثمانيته عشر سفرا فما رايته ترك الركعتين اذازاغت الشمس قبل الظهر"

یعنی میں حضور پرنور ﷺ کی خدمت میں اٹھارہ سفروں میں حاضر رہا تو میں نے نہ دیکھا کہ آپ ﷺ نے ظہر سے پہلی دو رکعتوں کو ترک فرمایا ہو۔ حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے بحوالہ سنن ترمذی ص ۸۳ (ترجمہ) یعنی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنا چشم دید بیان فرماتے ہیں کہ

الصلوٰۃ والسلام علیک یا سیدی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت محمد ﷺ نے سفر میں ظہر کے بعد دو رکعتیں ادا فرمائیں اور ایسے ہی مغرب کے بعد دو رکعتیں ادا فرمائیں اور خود اپنا بھی ادا کرنا بیان فرماتے ہیں۔ اور حضرت ابو عیسیٰ ترمذی اس حدیث کی تحسین فرماتے ہیں اور امام بخاری سے نقل کرتے ہیں کہ انہیں امام ابن ابی لیلیٰ کی سب حدیثوں سے یہ حدیث زیادہ پسندیدہ ہے اور امام طحاوی نے اسی روایت میں عشا کے بعد دو رکعتیں ادا فرمانا بھی زیادہ کیا ہے۔ اس حدیث سے ظہر اور مغرب اور عشاء کے بعد سنن کا ادا فرمانا صراحۃً ثابت ہوا اور سنت فجر کا سفر میں ادا فرمانا تو "احادیث کثیرہ لیلۃ التعریس" سے ثابت ہے۔

حضرت ابو قتادہ سے صحیح مسلم ص ۲۳۹ جلد ۱، سنن بیہقی ص ۲۱۶ جلد ۲، طحاوی شریف ص ۲۳۳ جلد ۱ میں بالفاظ متقاربہ ہے،" فلما ارتفعت الشمس صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکعتین الفجر ثم صلی الفجر۔" حضرت عمران بن حسین سے سنن ابی داؤد ص ۶۴ جلد ۱، صحیح مستدرک ص ۲۷۴ جلد میں ہے۔"فصلوا رکعتین قبل الفجر ثم اقام ثم صلی الفجر۔"

ان تمام روایات کا حاصل یہی ہے کہ آپ ﷺ نے سفر میں فجر کی سنتیں پڑھی ہیں نیز حضرت ابو قتادہ سے سنن ابوداؤد ص ۶۳ جلد میں ہے،" فصلو رکعتی الفجر ثم صلوا الفجر۔"

ان تمام فرامین کا خلاصہ یہ ہے کہ مسافر کو سنتوں کے ترک کرنے کی رخصت نہیں۔ مسافر سنتوں کو ادا کرے اور بلا عذر ترک نہ کرے اور مختار یہ ہے کہ مسافر اگر امن و قرار کے حال میں ہے تو سنتیں ادا کرے اس لیے کہ فرائض کے لیے تکمیل کرنے والی بنائی گئی ہیں۔ اور مسافر تکمیل کا محتاج ہے اور اگر حالتِ خوف میں ہو تو ترک کر سکتا ہے۔ یہ ترک عذر سے ہے۔ سبحان اللہ ہمارے مشائخ کرام کا نظریہ کس قدر بلند ہے۔ مزید تفصیل کے لیے فتاویٰ نوریہ جلد اول ص ۶۰۶ پر دیکھئے۔

﴿۱۷۴﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ نماز فجر رمضان میں صبح سویرے پڑھی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں آپ اس کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟۔ (بینوا توجروا۔ سائل عرفان خان میانوالی)

الجواب: کچھ حرج نہیں ہے، ”وقت صلوۃ الفجر من اول طلوع الفجر الثانی الخ الی قبیل طلوع ذکاء الدر المختار علی ھامش ردالمحتار کتاب الصلوۃ ص ۳۳۱ ج ۱ وعن قتادة عن انس ان النبی صلی اللہ وعلیہ وسلم رزید بن ثابت تسحرا فلما فرغا من سحورھما تام نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی الصلو-ۃ فصلی قلنا لانس کم کان بین فراغھما من سحورھما ودخولھما فی الصلوۃ قال قدر ما یقرء الرجل خمسین ایۃ رواہ البخاری۔

(مشکوۃ باب تحیل الصلوٰۃ فصل اول ص ۶۰)

﴿۱۷۵﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ مذہب حنفی مین غروب آفتاب یعنی مغرب کی نماز کے بعد اور اول وقت عشاء میں کسفا صلہ ہونا ضروری ہے۔؟ (بینوا توجروا۔ سائل منصب خان میانوالی)

الجواب: عشاء کا وقت غیوبیۃ شفق کے بعد سے شروع ہوتا ہے۔ اور شفق کے بارہ میں امام اعظم رضی اللہ عنہ اور صاحبین کا اختلاف ہے۔ صاحبین کے نزدیک شفق احمر کے چھپ جانے پر عشاء کا وقت ہوتا ہے اور امام اعظمؒ کے نزدیگ شفق ابیض کی غائب ہونے پر عشاء کا وقت شروع ہوتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ قول امام اعظم ابوحنیفہ پر عمل کرنا زیادہ مناسب ہے یہ ٹائم کے لحاظ سے

مختلف ہوتا ہے کم از کم ایک گھنٹہ 5 منٹ دیکھا گیا ہے۔

فتاویٰ شامی کتاب الصلوٰۃ جلد اول ص ۳۳۵، ہدایہ شریف جلد اول ص ۸۷، اسی پر جمہور علماء کا اتفاق وعمل ہے۔

﴿۱۷۶﴾فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ نوافل اور تحیۃ المسجد صبح صادق کے بعد پڑھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔ سائل عبدالحمید انصاری میانوالی

الجواب: طلوع صبح صادق کے بعد کوئی نفل نماز سوائے دو سنت صبح کے جائز نہیں ہے۔ حنفیہ کے نزدیک اس وقت میں تحیۃ المسجد کی نفلیں بھی جائز نہیں ہیں، "وکذا الحکم من کراھۃ نفل وواجب لغیرہ لا فرض و واجب لعینہ بعد طلوع فجر سوی سنتۃ لشغل الوقت بہ تقدیرا (الدرالمختار ص ۳۴۹، ج ۱)"

﴿۱۷۷﴾فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ عصر کی نماز کے بعد نوافل پڑھنا کیسا ہے کیا یہ بھی فجر کی نماز کی طرح منع ہیں؟ بینوا توجروا۔ سائل ظفراللہ چشمہ میانوالی

الجواب: عصر کی نماز کے بعد نوافل پڑھنا درست نہیں جیسا کہ فجر کی نماز کے بعد پڑھنا مکروہ ہیں۔ درمختار میں ہے، "وکرہ نفل الخ ولو سنۃالفجر بعد صلوٰۃ فجر و صلوٰۃ عصر ولا یکرہ قضاء فائتۃ ولو وترًا" اور اس کراہت سے کراہت تحریمی مراد ہے۔ "قال فی الشامی والکرھۃ ھھنا تحیرمیۃ ۔ ایضاً۔ کما صرح بہ فی الحلیۃ ولذاقال فی الخانیۃ والخلاصۃ بعدم الجواز والمراد عدم الحل لاعدم الصحہ کما لا یخفی۔

(ردالمحتار ص ۳۴۸ ج ۱)"

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

﴿۱۷۸﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، ایک امام صاحب ہر فرض نماز کے بعد دعا مانگتے ہیں مگر سنت اور نفل کے بعد دعا مانگنے کو منع کرتے ہیں۔اس کی وضاحت کریں؟ بینوا توجروا۔ سائل غلام مرتضی انصاری واٹڈھاشاؤخیل میانوالی

الجواب: جن فرض نمازوں کے بعد سنن ونوافل ہیں ان فرائض کے بعد صرف وہ دعا مانگ کر جو حدیث شریف میں مروی ہے سنن ونوافل کو فرائض سے متصل کر دینا چاہیے۔

مراقی الفلاح میں ہے،"کل صلوۃ بعدھا سنۃ یکرہ القعود بعد ھا والدعاء بل یشتغل بالسنۃ کی لا یفعل بین السنۃ والمکتوبۃ۔ وعن عائشۃ ان انبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان یعقد مقدار مایقول:الھم انت السلالم ومنک السلام کما تقدم فلا یزید علیہ اوعلی قدرہ۔" ہر نماز جس کے بعد سنت ہو تو اس کے بعد دعا اور بیٹھنا مکروہ تنزیہی ہے بلکہ سنت پڑھنے میں مشغول ہو جائے تا کہ سنت اور فرض میں فصل نہ ہو۔

اور حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضور ﷺ مقدار۔

"الھم انت السلالم ومنک السلام والیک یرجع السلام تبارکت یا ذالجلال والاکرام۔" پڑھنے کے لئے بیٹھتے تھے۔تو اس پر یا اس مقدار پر زیادہ نہ کرے۔لہٰذا اب اس حدیث اور عبارات فقہ کی بنا پر ظہر اور مغرب اور عشاء کی نمازوں میں طویل دعا بعد سنت ونفل نہیں ہونی چاہیے کہ سنت کا فرض سے متصل کرنا مستحق ہے۔نورالایضاح میں ہے،" القیام الی السنتۃ متصلا بالفرض مسنون"یعنی فرض سے سنت کی طرف متصل کھڑا ہونا مسنون ہے۔

تو سنن ونوافل سے بعد دعا کا انکار سخت جہالت ہے

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اولاً یہ دعا جو سنن ونوافل کے بعد کی جائے گی وہ حقیقۃً فرض ہی کے بعد ہے

شامی میں ہے،" ورد من الاحادیث فی الاذکار عقیب الصلوة فلا دلالة فيه على الاتيان بها قبل السنة بل يحمل على اتيان بها بعدها ۔ لان السنة من لواحق الفريضه وتوابعها ومكملاتها لم تكن احنبية عنها فما يفعل بعدها يطلق عليه انه عقيب الفريضة ۔" مراقی الفلاح میں ہے،" لا يقتضى وصلها بالفرض بل كونها عقيب السنة ۔" خلاصہ مضمون ان عبارات کا یہ ہے کہ احادیث میں جن اذکار وادعیہ کا بعد فرض نماز پڑھنا وارد ہوا تو ان کو قبل سنت پڑھنے پر کوئی دلالت نہیں اور ان کو فرض سے ملانے کا حکم نہیں بلکہ ان کو پڑھنا ما بعد سنت پر محمول ہے۔ اس لیے کہ سنت فرض کے توابع اور لواحق اور مکملات سے ہے تو سنت فرض ہے سے اجنبی نہیں ہوئی۔ پس جو ذکر ودعا سنت کے بعد کیا جائے گا اس پر یہی اطلاق کیا جائے گا کہ وہ بعد فرض ہے۔

ثانیا: دعا کو فرض کے ساتھ خاص کر دینا۔ یا کسی وقت کے ساتھ ایسا معین کر دینا کہ اس کے سوا اور کسی وقت میں منع کرے یہ خود مکروہ وممنوع ہے۔

ثالثا: نوافل کے بعد دعا کرنا مستحب ہے یہ وقت اجابت ہے۔

شامی میں ہے،" اذا ابتلی المسلم بالقتل يستحب ان يصلى ركعتين يستغفر الله تعالىٰ بعدها ۔" یعنی جب کوئی مسلمان قتل میں مبتلا ہو جائے تو اسے یہ مستحب ہے کہ دو رکعت نفل پڑھ کر اس کے بعد استغفار کرے، اگرچہ فرض کے بعد کی دعا نفل کے بعد کی دعا سے ضرور افضل ہے۔

مواہب لدنیہ میں ہے" اخرج الطبرانی من رواية جعفر بن محمد لصادق۔ فالدعاء بعد المكتوبة افضل من الدعا ء بعد النافلة كفضل المكتوبة على النافلة۔"

یعنی طبرانی نے بروایت حضرت جعفر بن محمد صادق تخریج کی کہ فرض کے بعد کی دعا نفل کے بعد کی دعا سے افضل ہے جس طرح فرض کی نفل پر فضیلت ہے۔

لہٰذا یہ امام سخت ناواقف ہے۔ سنت ونوافل کے بعد کی دعا کا انکار کرتا ہے اور فرض کیساتھ دعا کو خاص کرنا شریعت کے مسائل میں اپنی رائے دخل دیتا ہے۔

﴿۱۷۹﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ اگر کوئی شخص تراویح کے اندر یا ترویحہ پر دعا مسنون "سبحٰن ذی الملك و الملكوت۔۔۔" الخ۔۔ پڑھنے کے بعد صلوٰۃ خمسہ کی طرح ہاتھ اٹھا کر دعا مانگے تو ازروئے قرآن وحدیث وفقہ جائز ودرست ہوگا یانہیں؟۔ (بینوا توجروا۔ سائل محمد اختر محلّہ میانہ میانوالی)۔

الجواب: ہرنماز فرض ونفل کے بعد دعا کرنا سنت ہے اور حدیث سے ثابت ہے۔

حافظ ابونعیم کتاب عمل الیوم واللیلۃ میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی "قال ما يفوت النبی صلی الله تعالیٰ عليه سلم فی دبر صلوة مكتوبة ولا تطوع الا سمعته يقول اللهم اغفرلی خطايا ی كلها، اللهم احد نی الصالح الاعمال والاخلاق ۔"اس حدیث سے ثابت ہوگیا کہ جس طرح فرائض کے بعد دعا سنت ہے اسی طرح سنن ونوافل کے بعد بھی سنت ہے اور آداب ومستحبات دعا سے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا ہے۔

چنانچہ حدیث شریف میں ہے۔"ان النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم كان اذا دعا فرفع

یدیہ۔(مشکوۃ شریف)"

ان احادیث سے ثابت ہو گیا کہ سنت ونوافل کے بعد بھی ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا دسنت ہے اور تراویح کا سنت ہونا کس پر پوشید ہے تو ہر ترویحہ پر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا سنت ہونا انہیں احادیث سے ثابت ہو گیا ہے۔

﴿۱۸۰﴾فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، بعد نماز فرض جماعت پنجگانہ بآواز بلند سہ مرتبہ کلمہ طیب پڑھنا کیسا ہے؟۔بعض لوگ منع کرتے ہیں۔ جواب فرمائیں تاکہ تسلی ہو۔(بینوا توجروا۔سائل محمد نصر اللہ گلمیری میانوالی۔)

الجواب: اعت فرض کے بعد بآواز بلند کلمۂ طیبہ کا ذکر کرنا سنت ہے اور یہ افضل الذکر ہے۔چنانچہ مسلم شریف میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے،

"کان رسول اللہ ﷺ اذا سلم من صلوتہ یقول بصوتہ الاعلی لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شئی قدیر الحدیث"(مشکوۃ شریف ص۸۸)

نبی کریم ﷺ جب اپنی نماز کا سلام پھیرتے تو بلند آواز سے یہ فرماتے تھے۔

"لاالہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ الخ۔"اس حدیث شریف سے ثابت ہو گیا کہ کلمہ شریف۔لا الہ الا اللہ کا بعد نماز بآواز بلند پڑھنا خود حضور اکرم ﷺ کا فعل ہے بلکہ یہ زمانہ اقدس میں جماعت فرض کے ختم ہو جانے کی علامت تھا۔چنانچہ مسلم ہی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے،"ان رفع الصوت بالذکر حین ینصرف الناس من المکتوبۃ کان علی عھد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، قال ابن عباس کنت اعلم اذا انصرفو

بذلک اذا سمعتہ۔" (مسلم شریف معہ نودی مجتبائی ص ۲۱۷ ج ۱)

زمانہ نبی کریم علیہ السلام میں جب لوگ نماز فرض سے فارغ ہوتے تو باآواز بلند ذکر کرتے تھے، حضرت ابن عباس نے فرمایا جب میں ذکر کی آواز سن لیتا تو جان لیتا تھا کہ لوگ نماز سے فارغ ہو چکے۔

اس حدیث سے معلوم ہوگیا کہ صحابہ کرام فرضون کی جماعت سے فراغت کے بعد بہ التزام باآواز بلند ذکر کیا کرتے تھے۔ جبھی تو یہ ختم جماعت کی علامت قرار پایا تھا۔

اسی بنا پر علامہ سید احمد طحطاوی نے حاشیہ مراقی الفلاح میں یہ استدلال کیا،" وتستفاد من الحدیث الاخیر جواز رفع الصوت بالذکر و التکبیر عقیب المکتوبات بل من السلف من قال باستحبابہ و جزم بہ ابن حزم (طحطاوی جلد اول ص ۱۸۱)

فرضوں کے بعد ذکر وتکبیر کے بلند آواز سے پڑھنے کا جواز اور اس کا اہتمام کرنا موجب اجر وثواب سمجھتے ہیں۔ حدیث اخیر سے مستفاد ہوا بلکہ سلف میں سے بعض نے اس کا مستحب ہونا بیان کیا اور ابن حزم نے اسی پر جزم کیا۔ ہم مسلمانوں کا عمل یہ ہے کہ کلمہ طیبہ کا بعد جماعت فرض باآواز بلند پڑھنا سنت جانتے ہیں۔ اواس کا التزام کرنا موجب اجر وثواب سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔ مولیٰ تعالیٰ ذکر کے مخالفین کو چشم بینا عطا فرمائے اور انہیں قبول حق کی توفیق دے جو ایسا کرنے سے روکتے ہیں۔

﴿۱۸۱﴾ فتــوی شــرعــی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، ہمارے محلّہ کی مسجد میں ہر سال شبینہ ہوا کرتا ہے اور اس طرح پر کہ سات، آٹھ حفاظ تراویح میں ایک ہی شب میں پورا قرآن مجید ختم کرتے ہیں۔ کیا ایسا شبینہ جائز ہے؟۔ محمد انجم تری خیل میانوالی۔

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

الجواب: ایک شب یا ایک دن میں ختم قرآن کریم کر لینا سلف کرام سے ثابت ہے۔ حضرت امام وکیع بن جراح ہر شب میں ایک قرآن ختم کرتے، ردالمحتار میں ہے،"وکیع بن الجراح بن ملیح بن عدی الکوفی شیخ الاسلام واحد الائمة الاعلا م قال یحیٰ بن اکتم کان وکیع یصوم الدهر و یختم القرآن کل لیلة۔ (ردالمحتار مصری ج ۱۷ ص ٤٢)" خود ہمارے امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ رمضان میں اکسٹھ قرآن کریم ختم فرماتے۔ ایک ہر دن میں اور ایک ہر رات میں اور ایک ختم لوگوں کیساتھ یہاں تک کہ حضرت امام نے تو صرف دو رکعتوں میں ایک ختم قرآن کریم کیا۔ مراقی الفلاح میں ہے،"عن ابی حنیفة رحمة الله انه کان یختم فی رمضان احد و ستین ختمة فی کل یوم ختمة و فی کل لیلة ختمة و فی کل التراویح ختمة و صلی بالقرآن فی الرکعتین۔ (ھامش طحطاوی مصری ص ٢٤١)" تو ایک شب میں ختم قرآن کریم کرنے کا جواب فعل سلف سے ثابت ہوا اور نوافل میں خصوصاً تراویح میں قرآن کریم کا پڑھنا مسنون بھی ہے۔ کبیری میں ہے، "و فی النوافل باللیل له ان یسرع بعد ان یقرا کم یفهم و ذلك مباح الایری ان ابا حنیفة رحمه الله کان یختم القرآن فی الیلة الواحدة۔ (کبیری ٤٦٣)

ردالمختار میں ہے،" قراءة الختم فی صلاة التراویح سنة۔ (ردالمحتار ج ۱ ص ٤٩٦)

جن فقہا نے ایک دن میں ختم قرآن پاک کو ناجائز لکھا ان کی مراد جب صحتِ لفظی کا خیال نہ ہو قرآن پاک جلدی پڑھا جائے یا نوافل پڑھنے والے کا خشوع و خضوع باقی نہ رہے تو ایسا شبینہ ناجائز ہوگا۔ ثابت ہوگیا کہ ایک شب میں قرآن کریم صرف تراویح کی جماعت میں کر لینا بلا شبہ جائز ہے۔ اسی کا

نام شبینہ ہے۔اب اس میں بجائے ایک حافظ کے چند حافظوں کے ختم کر لئے میں کوئی حرج لازم نہیں آتا۔ہاں موسم گرما کی راتیں بہت چھوٹی ہوتی ہیں ان میں صبح صادق سے قبل اگر ختم ہو سکے تو جب صبح صادق قریب ہو جائے تو اس سے پہلے بعجلت باقی رکعات تراویح کو چھوٹی سورتوں سے پوری کریں اور آخر میں وتر پڑھ لیں۔کیونکہ صبح صادق کے طلوع ہونے کے بعد نہ تراویح پڑھ سکتے ہیں اور نہ وتر پڑھ سکتے ہیں۔

﴿۱۸۲﴾فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ سجدہ شکر کرنا کیسا ہے وضاحت فرمائیں؟بینوا توجروا سائل اجمل ملک وانڈھا غیرت والا میانوالی

الجواب: وہ شکر عند تجدد النعمت مستحب ہے۔الدرالمختار جلد اص ۷۳۱ میں ہے،و سجدة الشکر مستحبة اور بعد نماز کے بلا وجہ مکروہ ہے۔کما فیه ایضا لکنها تکره بعد الصلوٰة لا ن الجهلة یعتقد و نها سنة اوواجبة و کل مباح یودی الیه فهو مکروہ ۔ خلاصہ تحریر یہ ہے کہ سجدہ شکر مستحب ہے نماز کے بعد بلا وجہ مکروہ ہے۔جب ناواقف لوگ اس کو واجب سنت کی طرح سمجھیں۔

﴿۱۸۳﴾فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ میری بیوی حافظ قرآن ہے۔اگر گھر پر میرے اور گھر والوں کے علاوہ کوئی دوسرا نہ ہو تو کیا وہ بلند آواز قرأة کیساتھ نماز پڑھ سکتی ہے یا نہیں؟بینوا توجروا۔(سائل اسماعیل ملک کوٹ بیلیاں میانوالی)

الجواب: وعورت حافظ قرآن ہو نماز میں جہر نہیں کر سکتی۔اس واسطے کہ " کلام عورت عند البعض عورت" ہے۔شامی جلد اول (ردالمحتار ص ۳۷۷ جلد اول) خلاصہ تحریر یہ

ہے کہ عورت بلند آواز سے جہر نہیں کرسکتی جس آواز کو غیر محرم مرد سماعت کریں کیونکہ عورت کی آواز کو عورت (ستر) کہا گیا ہے۔ اگر کسی کمرہ میں بلند آواز سے قرآن پڑھے کہ اس کی آواز حویلی سے باہر نہ جائے تو شرعاً کوئی مضائقہ نہیں یہی حکم نعت خوانی وتلاوت کا ہے۔

﴿۱۸۴﴾ فتویٰ شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ میرے والد کی عمر ۷۵ سال ہے اور مفلوج بھی ہوگئے تھے۔ وہ نماز کے پابند ہیں۔ لیکن قطرہ قطرہ پیشاب ہر وقت آتا رہتا ہے۔ وضاحت فرمائیں کہ وہ نماز کسطرح ادا کریں گے۔ بینوا توجروا۔ سائل غلام فرید چنڈ وٹہ میانوالی

الجواب: وہ شخص کہ جسے ہر وقت پیشاب کا قطرہ آنے کی بیماری ہے اگر نماز کا ایک وقت پورا ایسا گذر گیا کہ وضو کے ساتھ نماز فرض ادا نہ کرسکا تو وہ معذور ہے اس کا حکم یہ ہے کہ فرض نماز کا وقت ہو جانے پر تازہ وضو کرے اور آخر وقت تک جتنی نمازیں چاہے اس وضو سے پڑھے اس وقت میں پیشاب کا قطرہ آنے سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔ پھر اس فرض نماز کا وقت چلے جانے سے وضو ٹوٹ جائے گا۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اول مطبوعہ مصر ص ۳۸ میں ہے، "المستحاضة و من به سلس البول او استطلاق البطن او انفلات الريح اورعاف دائم اوجرح لا يرقأ يتوضون لوقت كل صلوٰة و يصلون بذلك الوضو فى الوقت ما شاء وامن الفرائض والنوافل هكذا فى البحر۔ ويبطل الوضئو عند خروج الوقت المفروضة بالحدث السابق هكذافى الهداية وهو الصحيح هكذا فى المحيط فى نواقض الوضو۔"

واللہ اعلم بالصواب

﴿۱۸۵﴾فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ میں نے ظہر کی نماز پڑھنی تھی لیکن غلطی سے منہ سے لفظ عصر نکل گیا تو ظہر کی نماز ہو جائے گی یا نہیں؟۔

(سائل غلام فرید گمہار میانوالی)

الجواب: دل کے ارادے کا نام نیت ہے۔لہٰذا جب دل میں ظہر کی نماز پڑھنے کا رادہ ہو اور زبان سے لفظ عصر نکل جائے تو ظہر کی نماز ہو جائے گی۔اس طرح اگر فرض پڑھنے کا ارادہ ہو مگر بھول کر سنت کہہ دے تو فرض نماز ہو جائے گی۔خلاصہ یہ کہ نیت میں زبان کا اعتبار نہیں ہوتا۔بلکہ دل میں جو ارادہ ہو اس کا اعتبار ہوتا ہے۔درمختار میں ہے، "المعتبر فیها عمل القلب اللازم للا رادة فلا عبرة للذکر باللسان ان خالف القلب لانه کلام لا نية۔ اسی کے تحت شامی جلد اول ص ۲۷۸ میں ہے، لو قصد الظهر و تلفظ بالعصر سهواً اجزائه کما فی الزاهدی قهستانی هذا ما عندی۔"

﴿۱۸۶﴾فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ ہمارے علاقہ میں کچھ لوگ اللہ اکبر کو اللہ اکبار کہتے اس سے نماز فاسد ہو گی یا نہیں؟۔

بینوا توجروا۔(سائل وقار احمد قاسمی میانوالی)

الجواب: کلمۂ جلالت یا لفظ اکبر میں ہمزہ کو مد کے ساتھ اٰللہ اکبر یا اللہ اٰکبر تکبیر تحریمہ میں کہا تو نماز شروع ہی نہیں ہوئی اور اگر درمیان نماز تکبیرات انتقالیہ میں کہیں ایسا کہہ دیا تو نماز باطل ہو گئی۔اس لیے کہ ایسا کہنے سے استفہام پیدا ہو جاتا ہے جو مفسد نماز ہے، اور اللہ اکبار کہنے کی صورت میں بھی یہی حکم ہے اس لیے کہ اکبار کبر کی جمع ہے جس کے معنی ہیں ڈھول۔اور یا تو اکبار

حیض یا شیطان کا نام ہے۔ شامی جلد اول مطبوعہ ہند ص ۳۰۴ پر درمختار کی عبارت "عن مدھمزات کے تحت ھے ای ھمزۃ اللہ و ھمزۃ اکبر اطلا قا للجمع علی ما فوق الواحد لا نہ یصیر استفھا ما و تعمدہ کفر فلا یکون ذکراً فلا یصح الشروع بہ و یبطل الصلوٰۃ بہ لو حصل فی اثنا ئھا فی تکبیرات الا نتقال۔" اور اسی سے متصل پھر درمختار کی عبارت باء با کبر کے تحت ہے، "ای و خالص عن مدباء اکبر لا نہ یکون جمع کبر وھو الطبل فیخرج عن معنی التکبیر اوھو اسم للحیض او للشیطان فتثبت الشرکۃ۔"

﴿۱۸۷﴾ فتـــوی شـــرعـــی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، ہمارے محلہ کی مسجد میں جماعت کا انتظام نہیں ہے۔ آیا ہم محلہ والے دوسرے محلہ کی مسجد میں نماز پڑھنے جا سکتے ہیں یا نہیں؟ (بینوا توجروا۔ (سائل محمد اشرف خان نیازی میانوالی۔)

الجواب: اپنے محلہ کی مسجد کا حق زیادہ ہے۔ پس آپ کو اپنے محلہ کی مسجد چھوڑ کر دوسری مسجد میں نہ جانا چاہیے۔ شامی میں خانیہ سے منقول ہے کہ اپنے محلہ کی مسجد میں اگر تنہا نماز پڑھنی پڑے تو وہیں اذان کہہ کر نماز پڑھے اور اس کو چھوڑ کر دوسرے مسجد میں نہ جاوے۔

"لان لہ حقا علیہ فھو یردیہ۔ بل فی الخانیۃ لو لم یکن لمسجد منزلہ مئوذن فانہ یذھب الیہ و یؤذن فیہ و یصلی و لو کان وحدہ لان لہ حقا بلیہ فیودیہ"

(ردالمختار ص ۶۱۷ جلد ا)

﴿۱۸۸﴾ فتـوی شـرعـی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کیا میں فرض نماز اپنی بیوی کے ساتھ پڑھ سکتا ہوں؟

اور بیوی کا فصلہ کتنا ہونا چاہیے؟ بینوا توجروا۔ (سائل محمد فاروق خان میانوالی)

الجواب: اگر اکٹھے پڑھیں تو بیوی کو پیچھے کھڑا کریں نماز ہو جائیگی چاہیے ایک قدم کی مقدار بھی پیچھے کھڑی ہو۔ جیسا کہ ردالمحتار ص ۵۳۵ ج ا میں ہے، "و قال المراة اذا صلت مع زوجها فی البیت ان کان تدمها بخداء قدم الزوج لا تجوز صلاتهما بالجماعة و ان کان قدما ها خلف قدم الزوج الخ جازت صلاتهما الخ۔ لو اقتدت به متاخرة عند قد مها صحت صلاتهما۔

﴿۱۸۹﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ اگر کوئی شخص اذان سن کر مسجد میں نماز کے لیے نہیں آتا کیا اس کی نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ (سائل محمد تنویر پائی خیل میانوالی)

الجواب: جماعت سے نماز پڑھنا واجب ہے اس کا تارک فاسق ہے۔ اہل محلہ کو چاہیے کہ اس کو جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی تاکید کریں ورنہ وہ بھی گنہگار ہوں گے۔ تارک جماعت قصداً کے لیے بہت سخت احکام ہیں۔ یہاں تک کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ بغیر کسی عذر کے تارک جماعت کو تعزیر کی جائے۔ اور اس کی شہادت معتبر نہیں، لیکن اس کی نماز ہو جاتی ہے قضا کرنے کی ضرورت نہیں۔ "فتسن او تحب ثمر ته تظهر فی الاثم بتر کها مرة علی الرجال العقلاء البالغین الاحراد القادرین علی الصلاة بالجماعته من یمر حرج ولو فاتته ندب طلبها فی مسجد اخرالا المسجد الحرام و نحوه ۔ درمختار۔ قال فی النهر الا ان هذا یقتضی الاتفاق علی ان ترکها مرة بلا عذر یوجب اثما الخ و

قال في شرح النية والاحكما تدل على الواجوب من ان تاركها بلا عذر يعزر و ترد شهادته و يا ثم الجيران بالسكوت عنه" (ردالمحتار ص ٥٢٠ ج ١)

﴿۱۹۰﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ تکبیر اولیٰ کا ثواب کب تک رہتا ہے؟ بینوا توجروا۔ (سائل محمد اکرم ملک میانوالی)

الجواب: پہلی رکعت کے رکوع تک شامل ہو جانے سے تکبیر اولیٰ کا ثواب حاصل ہو جاوے گا۔ "كما في الشامي و قيل بادراك الركعته الاولىٰ و هذا اوسع وهوا الصحيح۔" (ردالمحتار ص ٤٩١ ج ١۔)

﴿۱۹۱﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ اگر جماعت ہو رہی ہے اور شیعہ سنیوں کی جماعت میں داخل ہو گیا۔ تو نماز میں کوئی نقص تو نہیں آئے گا؟ بینوا توجروا۔ (سائل محمد اسلم محلّہ رمضان آباد میانوالی)

الجواب: سنیوں کی نماز میں اس صورت میں کچھ نقصان اور خلل نہ ہوگا لیکن آئندہ اس رافضی سے کہہ دیں کہ یا وہ اپنے مذہب سے توبہ کرے ورنہ مسلمانوں کی جماعت میں نہ آیا کرے۔ اور اس کو مسلمان اپنے قبرستان میں دفن نہ کریں کیونکہ س۔ سَبّ شیعہ کو کافر کہا گیا ہے۔

﴿۱۹۲﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، اکیلا نابالغ لڑکا اگر نماز ہو رہی ہے تو صف میں کہاں کھڑا ہو؟ بینوا توجروا۔ سائل عبدالغفار آرائیں میانوالی۔

الجواب: اکیلا لڑکا مردوں کی صف میں شریک ہو جاوے۔ جیسا کہ شامی میں ہے،

ثم "الصبیان ظاهره تعدد هم فلو واحد دخل الصف"۔

(الدارلمحتار ص ۵۳٤ ج ۱)۔

﴿۱۹۳﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں،

کہ اگر کوئی شخص پہلی قطار میں جگہ خالی چھوڑ کر پیچھے بیٹھ گیا اور کوئی شخص اس کو پھاند کر آگے آگیا کیا

یہ درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ (سائل افضال احمد میانوالی۔)

الجواب: کوئی شخص پہلی قطار میں خالی جگہ دیکھ کر آگے پھلانگ گیا اس پر کوئی گناہ نہیں

اور جس نے باوجود آگے جگہ خالی ہونے کے پیچھا بیٹھنا اختیار کیا اس نے خلاف اولیٰ کیا۔

"لوود حد فوجة فی الاول لا الثانی له مزق الثانی لتقصیر هم و فی الحدیث من

سد فرجة غفرله (درمختار) وفی الفنیة قام فی اٰخر صف و بنیه و بین الصفوف

مراضع خالیة فللداخل ان یمربین یدیه لیصل الصفوف لانه اسقط حرمة نفسه فلا

یاثم المار بین یدیه دل علیه ما فی الفردوس عن ابن عباس عنه صلی الله علیه

وسلم من نظر الی فرجة فی صف فلیسد ها بنفسه فان لم یفعل فمر مار فلیتخط

علی رقبته فانه لا حرمة له ای فلیتخط المر علی رقبة من لم یسد الفرجة"

(ردالمحتار ص ۵۳۳ ج ۱)

﴿۱۹٤﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کیا

ایسے لڑکے پہلی صف میں کھڑے ہو سکتے ہیں جن کی ابھی داڑھی نہ نکلی ہو

؟ بینوا توجروا۔ (سائل اکرام اللہ خان میانوالی)

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

الجواب: نابالغ لڑکوں کو مردوں سے پیچھے کھڑا ہونا چاہیے۔ لڑکا بالغ ہو تو اس کو مردوں کی برابر صف میں کھڑا ہونا درست ہے۔ درمختار میں ہے، "ثم الصبیان ظاهره تعددهم فلو واحدا۔ دخل الصف"۔ (الدرالمحتار ص ۵۳۴ ج ۱)۔

﴿۱۹۵﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ نماز اگر پڑھ رہے ہوں اور کوئی قہقہ سے ہنسے تو کیا اس کا وضو اور نماز دونوں فاسد ہو جائیں گی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ (سائل عظمت اللہ خان میانوالی)

الجواب: نماز میں قہقہ لگانے سے وضو اور نماز دونوں فاسد ہو جاتی ہیں۔ ردالمحتار میں ہے، "القهقهة بالغ ينقضان يصلي بطهارة صغرىٰ مستقلة في الصلوٰة كاملاة ولو عند السلام عمداً انتهىٰ ملخصاً۔" (الدارلمحتار ص ۱۳۴ ج ۱)

﴿۱۹۶﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، ایک مقتدی غلطی سے امام قیام کے وقت میں ہے وہ رکوع کرتا رہا اور جب امام رکوع سے فارغ ہو کر سجدہ کی طرف جانے لگا تو مقتدی قومہ کرتے ہوئے شریک فی السجدہ ہو گیا کیا اس کی نماز ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ (سائل محمد خالد مجددی میانوالی)

الجواب: اس قسم کی سوال کا جواب دیتے ہوئے شامی میں ہے، "ولو ركع و سجد بعده صح و كذالو قبله وادركه الامام فيهما لكنه يكره"

(ردالمحتار ص ۵۸۹ ج ۱)

اس جزئیہ سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں نماز اس کی فاسد نہ ہوگی۔ اور عمداً ایسا کرنا مکروہ ہے۔

لیکن امی معذور ہے تو معصیت سے دور ہے۔

﴿۱۹۷﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ کچھ لوگ بظاہر نماز میں مصروف ہوتے ہیں لیکن ان کا دماغ بھولی بسری اور سوسوں باتوں میں مصروف ہوتا ہے کیا ان کی نماز باطل نہیں ہوتی؟ بینوا توجروا۔ (سائل خادم بلوچ میانوالی)

الجواب: ماز فاسد و باطل نہیں ہوتی، "عن ابی هريرة قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله تجاوز عن امتي ما وسوست صدر ها مالم تعمل به اوتتكلم متفق عليه (مشكوة ص ۱۸)۔ عن عثمان ن ابي العاص قال قلت يا رسول الله ان الشيطان قد حال بيني و بين صلوتي و بين قراء تي يلبسها على فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ذالك شيطان يقال له خنزب فاذا حسسته فتعوذ بالله منه واتفل على يسارك ثلثا ففعلت ذالك ناذ هبه الله عني"

(رواه مسلم (مشكواة ص ۱۹) ۔ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے میری امت سے دل کے وساوس کو معاف فرمادیا جبکہ اس پر عمل نہ کریں۔

﴿۱۹۸﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ اگر کسی شخص کو دعائے قنوت نہ آتی ہو یا اس وقت اس کو بھول گئی ہو تو کیا وہ سورۃ اخلاص پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ (سائل محمد امیر خان نیازی میانوالی۔)

الجواب: اس قسم کا جواب فتاویٰ شامی میں ہے، کہ جس کو دعائے قنوت نہ آتی ہو تو وہ " ربنا اتنا فی الد نیا حسنة" الاية۔ پڑھے اور فقیہ ابواللیث فرماتے ہیں

"الھم اغفرلی" تین بار پڑھے۔ اور بعض علماء نے فرمایا کہ یارب تین بار کہے۔ اور چونکہ یہ قابل ادا ہے۔ لہٰذا سورۃ اخلاص اس کے قائم مقام نہ ہوگی مگر نماز ہو جاتی ہے۔

﴿۱۹۹﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، فجر کی نماز کی سنتیں کس وقت تک پڑھی جا سکتی ہیں؟ بینوا توجروا۔ (سائل محمد بلال نیازی میانوالی۔)

الجواب: اگر صبح کی جماعت ہو رہی ہو تو اگر ایک رکعت کے ملنے کی امید ہے تو سنتیں صبح کی علیحدہ ہو کر پڑھ لے پھر جماعت میں شریک ہو جاوے۔ اور اگر پہلے نہ پڑھ سکا تو بعد فرضوں کے قبل طلوع آفتاب امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسی دن زوال سے پہلے تک قضاء کر سکتا ہے۔

"واذا خاف فوت ركعتي الفجر لا شتغاله بستنها تركها لكون الجماعة اكمل والا بان رجا ادراك ركعة لا يد ركها، بل يصليها عند باب المسجد ان وجد مكانا" (الدارلمحتار ص ٦٧٠ ج ١)۔

"ولا يقضيها الا بطريق التبعية لقضاء فرضها قبل الزوال لا بعده في الصحيح (درمختار) واما اذا فاتت وحدها فلا تقضى قبل طلوع الشمس بالاجماع لكراهة النفل بعد الصبح واما بعد طلوع الشمس فكذالك عند هما و قال محمد احب الى ان يقضيها الى الزوال" (ردالمحتار ص ٢٦٧ ج ١)۔

﴿۲۰۰﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ صلوۃ اوابین کتنی رکعت پڑھنی چاہیے وضاحت فرمادیں؟ بینوا توجروا۔ (سائل منیر نیازی میانوالی۔

الجواب: صلوٰۃ اوابین چھ رکعت پڑھ سکتے ہیں اور بیس بھی پڑھ سکتے ہیں۔ دونوں امر

صحیح ہیں۔مگر اکثر علماء کا مذہب چھ رکعت پر ہے،'' وان تطوع بعد المغرب بست رکعات کتب من الاوابین (غنیته المستملی ص ٣٦٩ و بعدا لمغرب دو رکعت سنت و بعداذانں شش رکعت دیگر مستحب است آن را صلوٰۃ الاوابن گو یند و بزوایتی بعد مغرب بست رکعت آمدہ۔(مالا بدمنه ص ٦٧)

"عن عائشةؓ قالت قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من صلی بعد المغرب عشرین رکعة بنی الله له بیتا فی الجنة رواه الترمذی" (مشکوٰۃ ص ١٠٤)۔

﴿٢٠١﴾فتویٰ شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ میرے والدصاحب دو(٢) ماہ تک بیمار رہے اسی بیماری میں وفات پائی۔دو ماہ کی نمازیں رہ گئیں ۔اب کیا کروں کفارہ کے طور پر گندم دوں یا نقد دے دوں۔آگاہ فرمائیں؟بینوا توجروا۔

(سائل محمد فراز خان میانوالی)

الجواب: کفارہ نمازوں کا بعد وفات دینا چاہیے۔زندگی میں کفارہ نمازوں کا حکم نہیں ہے۔کفارہ ایک نماز کا پونے دوسیر گندم ہے۔دن رات میں چھ نمازیں وتر سمت شمار کرنی چاہیں۔

" ولو مات و علیها صلوات فائتة واوصی بالکفارة یعطی لکل صلوٰۃ نصف صاع من برکا لفطرة و کذا احکم الو تر والصوم و انما یعطی من ثلث ماله الخ ولو فدی عن صلاته فی مرضه لا یصح بخلاف الصوم"(الدرالمختار ص ٦٨٥ ج ١)۔

اس طرح ایک دن کی نماز کا کفارہ ساڑھے دس سیر گندم ہوجائیگا۔اسے اختیار ہے کہ گندم صدقہ کرے یا نقد۔نقد بہتر ہے کہ اس سب حوائج پوری ہوسکتی ہیں۔

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

"قولہ نصف صاع من برای از من دقیقه او سویقه او صاع تمر ادزبیب او مشعیر او قیمته وهی افضل عند نالا سر اعها بسد حاجة الفقیر۔(ردالمحتار ص٦٨٦ ج١)۔

اور اگر دینی کتب خرید کر دینا چاہیں تو یہ بھی درست ہے۔ پھر یہ ضروری ہوگا کہ وہ کتب مستحق طلبہ کو تقسیم کر دی جائیں۔ مدارس میں جس طرح کتب پڑھنے کے لئے وقف رہتی ہیں اس طریق سے جائز نہیں ہے۔ اس میں کفارہ ادا نہ ہوگا۔

﴿۲۰۲﴾فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ میری بیوی نے دو ماہ کی علالت کے بعد فوت ہوئی۔ مرتے وقت اس نے وصیت کی مجھے کہ میری نمازیں اتنے عرصہ کی قضاء ہوئیں اور روزہ بھی ان کا کفارہ ادا کرنا۔ میرے لیے کیا حکم ہے؟ نمازوں کا فدیہ دوں اور روزے اس کی جگہ رکھ لوں؟ بینوا توجروا۔ (سائل نسیم اللہ خان میانوالی

الجواب: نمازوں اور روزوں کا فدیہ خواہ نقد دیا جاوے یا غلہ وغیرہ درست ہے۔ ایک نماز کا فدیہ پونے دو سیر گندم یا اس کی قیمت ہے۔ اسی طرح ایک روزہ کا فدیہ بھی اسی قدر ہے۔ پس جملہ نمازوں کا مع وتر کے حساب کر لیویں۔ اور تیس روزوں کا حساب کر لیویں۔ ایک دن رات کی نماز چھ ہوئیں۔ پس ایک دن رات کی نمازوں کا فدیہ ساڑھے دس سیر گندم یا ان کی قیمت ہوئی۔ مساکین کو تقسیم کر دی جاوے اور تیس روزوں کا ایک من ساڑھے بارہ سیر گندم یا ان کی قیمت ہوئی اور اسکی طرف سے روزہ رکھنا یا نماز پڑھنا جائز نہیں۔ فدیہ ہی اسکا بدل ہے۔ "ولو مات و علیها صلوات فائتة واوصی بالکفارة یعطی لکل صلوٰة نصف صاع من بر کا لفطرة و کذا احکم الو تر والصوم و انما یعطی من ثلث ماله "(ردالمحتار ص٦٨٥ ج١)

﴿۲۰۳﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ کیا سفر کی حالت میں وتر اور سنتیں پڑھنا معاف ہوتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ سائل ملک محمد حیات کندیان میانوالی۔

الجواب: وتر واجب ہیں ان کا ترک کسی حال میں جائز نہیں ہے۔ مسافر ہو یا مقیم اور سنن کے بارہ میں افضل یہ ہے مسافر حالت امن و قرار میں پڑھے۔ اور عجلت میں ترک کر دے۔ اس میں کچھ حرج نہیں ہے۔"ویاتی المسافر بالسنن ان کان فی حال امن و قرار بان کان فی خوف وقرار لا یاتی بھا ھو المحتار (الدالمحتار ص۷۸۲ ج۱)

﴿۲۰۴﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ فرض نمازوں کے بعد ذکر بالجھر کے بارے میں قرآن و حدیث اور اقوال علماء کی روشنی میں راہنمائی فرمائیں۔ بعض دیوبند حضرات اعتراض کرتے ہیں، بینوا توجروا۔ سائل نجیب اللہ خان میانوالی

الجواب: قرآن پاک میں اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے،

"فاذکرو اللہ کذکرکم اباء کم او اشد ذکرا"(البقرہ ۲۰۰،۲) اللہ کا خوب ذکر کیا کرو جیسے تم اپنے باپ دادا کا (بڑے شوق سے) ذکر کرتے ہو یا اس سے بھی زیادہ شدت شوق سے (اللہ کا) ذکر کیا کرو۔'' دراصل کفار مکہ حج سے فراغت کے بعد مجمعوں میں اپنی قومی خوبیاں اور نسبی عظمتیں بیان کرتے تھے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے منع فرما دیا اور اس کی جگہ اللہ کا ذکر کرنے کا حکم دیا۔ وہ اپنے آباؤ اجداد کا بلند آواز سے تذکرہ کرتے تھے، اس کو چھوڑ کر ان اجتماعات میں ذکر الٰہی کرنے کا حکم دیا گیا پس یہ ذکر بالجہر کا حکم ہے،"و من اظلم ممن منع مسجد اللہ ان یذکر فیھا اسمہ و سعی فی خرابھا (البقرہ ۱۱۴،۲) اور اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ کی مسجدوں میں اس کے نام کا ذکر کئے جانے سے روک دے اور انہیں ویران کرنے کی کوشش کرے۔ ایک اور جگہ قرآن پاک میں ہے،"انما المومنون الذین اذا ذکر اللہ و جلت قلوبھم "(الانفال ۸،۲) ایمان والے (تو) صرف وہی لوگ ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے (تو) ان کے دل اس کی عظمت وجلال کے تصور سے) لرز جاتے ہیں۔

اہل علم وعقل جانتے ہیں کہ ان آیت کریمہ سے بھی ذکر بالجہر کا ثبوت ملتا ہے کہ جب کسی کے سامنے ذکر کیا جائے اور اس ذکر کا اثر اسی صورت قبول کرسکتا ہے جب ذکر بالجہر ہو کیونکہ خفی ذکر تو وہ سن نہیں سکتا اور جو ذکر سنا جاتا ہے وہ ذکر بالجہر ہی ہے۔

﴿احادیث سے ذکر بالجھر کا ثبوت﴾

"عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ قال اکثر واذکر اللہ تعالیٰ حتی یقولونا مجنون (مسند احمد بن حنبلؒ ص۶۸) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کا ذکر اتنی کثرت سے کرو کہ لوگ تمہیں دیوانہ کہیں۔

اللہ کا ذکر کثرت سے کرنے پر لوگ تبھی دیوانہ کہیں گے جب لوگ سنیں گے اور سن اسی وقت سکتے ہیں جب ذکر بالجہر ہوگا۔"عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ اذکرو اللہ ذکر یقول المنافقون انکم تراؤون ۔(تفسیر ابن کثیر ص ۴۹۰۶)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کا ذکر اس قدر کرو کہ منافق تمہیں ریاکار کہیں۔اس حدیث پاک میں بھی واضح طور پر ذکر بالجہر ہی کی بات کی گئی ہے۔ جس پر منافق ریاکار کہیں۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی بلند آواز سے ذکر کیا کرتا تھا۔ ایک آدمی نے کہا اگر یہ آدمی اپنی آواز پست رکھتا (تو بہتر ہوتا) حضور ﷺ نے فرمایا وہ مست ہے راوی کہتا ہے کہ وہ شخص انتقال کر گیا پس ایک شخص اس کی قبر میں روشنی دیکھ کر اس کے قریب آیا رسول اللہ ﷺ وہاں (پہلے سے) موجود تھے اور آپ ﷺ نے فرمایا اپنے اس ساتھی کی طرف آؤ جو بلند آواز سے ذکر کیا کرتا تھا۔ بیہقی شریف ص ۴۱۸۔

﴿اقوال علماء سے ذکر بالجہر کا ثبوت﴾

تفسیر روح البیان میں آیت: "ربنا ما خلقت هذا باطلا سبحنك فقنا عذاب النار ہے"، (الذكر برفع الصوت جائز بل مستحب اذا لم يكن عن رياء ليغتنم الناس باظهار الدين ووصول بركة الذكر الى السامعين فى الدور والبيوت و يوفق الذكر من سمع صوته و يشهد له يوم القيامة كل رطب و يابس سمع صوته۔) بلند آواز سے ذکر کرنا جائز بلکہ مستحب ہے جب کہ ریا سے نہ ہو، تاکہ دین کا اظہار ہو ذکر کی برکت گھروں میں سامعین تک پہنچے اور جو کوئی اس کی آواز سے ذکر میں مشغول ہو جاوے اور قیامت کے دن ہر خشک و تر ذاکر کے ایمان کی گواہی دے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ذکر بالجہر میں بہت سے دینی فائدے ہیں۔ شامی جلد اول "مطلب فى احكام المسجد" میں ہے کہ، "اجمع العلماء سلفا و خلفا على استحباب ذكر الجماعة فى المسجد الا ان تشوش جهرهم على نائم او مصل او قارى" متقدمین اور متاخرین علماء نے اس پر اتفاق کیا کہ مسجدوں میں جماعتوں کا بلند آواز سے ذکر مستحب ہے مگر یہ کہ ان کے جہر سے کسی سونے

والے یا نمازی کو پریشانی نہ ہو۔ شامی میں اسی جگہ مذکور ہے، "فقال بعض اھل العلم ان لاجھر افضل لانہ اکثر عملا و لتعدی فائدتہ الی المسامعین و یوقظ قلب الغافلین فیجمع ھمہ الی الذکر و یصرف سمعہ الیہ و یطرد النوم و یدید النشاط" بعض اہل علم نے فرمایا ہے کہ بلند آواز سے ذکر کرنا افضل ہے۔ کیونکہ اس میں کام زیادہ ہے اس کا فائدہ سننے والوں کو بھی پہنچتا ہے اور یہ غافلوں کے دل کو بیدار کرتا ہے، ان کے خیالات اور ان کے کاموں کو ذکر الٰہی کی طرف کھینچتا، نیند کو بھگاتا اور خوشی بڑھاتا ہے۔

قرآن وحدیث کے دلائل اور اقوال علماء کے بعد یہ ثابت ہو گیا ہے کہ ذکر بالجہر کرنا مستحب ہے اور قرآن وحدیث وعمل صحابہ سے ثابت ہے کہ اس کو بدعت کہنا ہرگز درست نہیں۔

ایسا ہی امام اہلسنت نے فتاویٰ رضویہ جلد سوم صفحہ ۶۱۹ میں لکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں زیادہ سے زیادہ اپنا ذکر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

﴿۲۰۵﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کچھ لوگ کہتے ہیں کہ نمازیں پانچ ہیں لیکن ان کا وقت تین ٹائم ہے۔ وہ قرآن مجید کا حوالہ بھی دیتے ہیں۔ قرآن وسنت کی روشنی میں ہماری راہنمائی فرمادیں؟ بینوا توجروا سائل ملک محمد حیات کندیاں میانوالی۔

الجواب: حضرت ابن عباس، قتادہ اور دیگر مفسرین کے نزدیک چار نمازیں (مغرب، صبح، عصر اور ظہر) سورہ روم کی آیتا (۱۷، ۱۸) سے ثابت ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے، "فسبحٰن اللہ حین تمسون و حین تصبحون ہ ولہ الحمد فی السموات والارض عشیا و حین تظھرون)

تمسون (مغرب)، تصبحون (فجر)، عشیا (عصر)، تظهرون (ظہر اور عشاء کی نماز کا وقت سورہ ھود کی آیت (۱۱۴) میں (زلفا من اللیل) سے ثابت ہے۔ سورہ نور کی آیت (۵۸) میں بھی نماز فجر اور عشاء کا ذکر آیا ہے۔ (قرطبی" الجامع لاحكام لقرآن" ج ۹ ص ۱۱۰، ۱۲ / ۳۰۶، ۱٤ / ۱٤، ضیاء القرآن ۳/۵٦٧)

یہاں تسبیح اور حمد سے مراد نماز ہے اور ابن عباس کی یہ تفسیر ہی سب سے زیادہ مناسب ہے اور آیت (لدلوك الشمس: اسراء / ۷۸) سے تین نمازیں ثابت کرنا درست نہیں (ضیاء القرآن) جو لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ نمازیں پانچ ہیں۔

فی الحقیقت قرآن کریم میں صرف نماز قائم کرنے کا حکم ہے۔ دیگر امور کی وضاحت احادیث مبارکہ سے ہوتی ہے۔ حدیث امامت جبرائیل میں نماز کے اوقات کا بیان ہے۔ اگر سنت کو ترک کر دیا جائے تو لفظ صلاۃ کا صحیح مفہوم سمجھنا ہی ہمارے لیے محال ہے کیونکہ لغت عرب میں یہ لفظ متعدد معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

﴿۳۰٦﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ آج کل موبائل ٹیلیفون عام ہو چکے ہیں، اگر نماز کے دوران گھنٹی بجنا شروع ہو جائے تو کیا نماز کی حالت میں موبائل بند کیا جا سکتا ہے؟ بینوا توجروا۔ سائل عزیز الرحمٰن محلہ خنکی خیل میانوالی۔

الجواب: اگر نماز میں موبائل کی گھنٹی بجنا شروع ہو جائے تو ایک ہاتھ سے بند کر دیں اس عمل سے نماز فاسد نہیں ہوتی کیونکہ یہ عمل قلیل ہے۔ فقہ کی کتب میں یہ جزی موجود ہے، "ولو حك المصلى جسده مرة او مرتين متواليتين لا تفسدو لو فعل ذالك مرارا

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

متوالیات ای فی رکن واحد تفسد صلوتہ لا نہ کثیر ۔"

نمازی نے ایک مرتبہ یا دو مرتبہ یکے بعد دیگرے کھجایا تو نماز فاسد نہیں ہوگی ۔ اگر ایسا عمل مسلسل کیا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی ۔ یعنی کسی ایک رکن میں کیونکہ یہ عمل کثیر ہے ۔

"عمل کثیر نماز را فاسد کند و عمل کثیر آنست کہ دو آں محتاج شود بھر دودست و نزد بعضے آنچہ بنیندئہ عامل اورا داند کہ در نماز نیست و بعضے گفتئہ آنچہ کہ مصلی آں را کثیر داند۔"(مالا بد، صفحہ ۳۸)

تنبیہ !　　مسجد میں داخل ہوتے ہی موبائل بند کر دیا کریں تا کہ نماز سکون سے ادا کر سکیں ۔

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

باب مفسدات الصلوٰۃ

(نماز فاسد ہونے کے مسائل)

﴿۲۰۷﴾ **فتویٰ شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ کچھ لوگوں کو دیکھا گیا ہے نماز کے اندر اپنے جسم کو بار بار کھجلاتے ہیں ایسا کرنے سے کیا نماز ہو جاتی ہے۔؟ بینوا توجروا۔(عبدالقیوم میانوالی)

الجواب: ایک قیام میں تین بار کھجلانے سے نماز جاتی رہے گی۔ اس طرح کہ کھجلا کر ہاتھ ہٹایا پھر کھجایا پھر ہٹایا اسی طرح تین بار کیا۔ یہ عمل کثیر شمار ہوگا اگر ایک مرتبہ ہاتھ رکھ کر کئی بار حرکت دی تو یہ ایک ہی مرتبہ کھجلانا ہوا اس صورت میں نماز فاسد نہ ہوگی۔

جیسا کہ فتاوئ عالمگیری جلد اول مطبوعہ مصر ص ۹۷ میں ہے، ''اذا حك ثلاثا فی رکن واحد تفسد صلاته هذا اذا رفع یده فی کل مرة۔ اما اذا لم یرفع فی کل مرة فلا تفسد کذافی الخلاصة۔

﴿۲۰۸﴾ **فتویٰ شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ ہمارے امام کی اکثر عادت ہے کہ ایک آیت کو شروع کر کے اس کو چھوڑ کر پھر دوسری جگہ سے شروع کر دیتا ہے۔ کیا ایسا کرنے سے نماز ہو جاتی ہے؟ بینوا توجروا سائل محمد سلیم اللہ خان گلمیری میانوالی

الجواب: امام صاحب نے اگر ایسا غلط پڑھا کہ جس سے معنیٰ فاسد ہو گیا تو اسے چھوڑ کر دوسری آیت کریمہ پڑھنے اور سجدہ سہو کرنے سے بھی نماز نہیں ہوئی اور اگر معنیٰ فاسد نہ ہوئے تھے تو سجدہ سہوہ کی بھی ضرورت نہیں۔ سب کی نماز ہو گئی۔ لیکن جس مقتدی کی کچھ رکعتیں چھوٹ گئی تھیں اگر وہ امام کے ساتھ سجدہ سہو میں شریک رہا حالانکہ امام پر سجدہ سہوہ واجب نہ تھا تو فعل لغو میں اتباع کے سبب اس کی نماز باطل ہو گئی۔

فتاویٰ قاضی خاں میں ہے" اذا ظن الامام ان علیه سهواً فسجد للسهو و تابعه المسبوق فی ذالك ثم علم ان الا مام لم یكن علیه سهواً لا شهر ان صلاته تفسد ۔"

﴿۲۰۹﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ پینٹ و بوشرٹ پہن کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟ ۔بینوا توجروا۔(سائل ملک محمد اسلم ارائیں ۔)

الجواب: پینٹ شرٹ اور تنگ کپڑا پہننا مکروہ ہے اس سے انتقالات میں حرج ہوتی ہے اور ستر بھی قائم نہیں رہتا ۔ ایسا کپڑا پہن کر نماز پڑھنا بھی مکروہ جو یہود و نصاری کا لباس خاص ہو۔ یہ اعانت علی المعقیت کے حکم میں ہوگا۔

فتاویٰ رضویہ جلد اول ص ۴۲۶ پر فتاویٰ قاضی خاں سے ہے" الخیاط اذااستوجر علی خیاطة شیء من ذی الفساق و یعطی له فی ذلك كثیر اجر لا یستحب له ان یعمل لا نه اعانة علی المعصیة ۔"

﴿۲۱۰﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ ہمارے امام صاحب کہتے ہیں اگر حالت نماز میں مقتدی کا پاؤں امام سے آگے ہو جائے تو نماز فاسد ہوتی ہے؟ نیز امام سے آگے بڑھنے کی مقدار کیا ہے۔؟ ۔ بینوا توجروا سائل محمد نسیم اللہ خان یارو خیل میانوالی

الجواب: داہنے پاؤں کا انگوٹھا اپنی جگہ سے ہٹ گیا تو کوئی حرج نہیں لیکن مقتدی کا انگوٹھا دائیں بائیں یا آگے پیچھے اتنا ہٹے کہ جس سے صف میں کشادگی پیدا ہو یا سینہ صف سے باہر نکلے مکروہ ہے کہ احادیث کریمہ میں صف کے درمیان کشادگی رکھنے اور صف سے سینہ کو باہر نکالنے سے منع کیا گیا ہے ۔ اور اگر ایک مقتدی جو امام کے برابر میں تھا وہ اتنا آگے بڑھا کہ اس کے قدم کا

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اکثر حصہ امام کے قدم سے آگے ہوا تو مقتدی کی نماز فاسد ہوئی ورنہ نہیں۔

جیسا کہ ردالمختار جلد اول ص ۳۷۱ میں ہے "الاصح مالم یتقدم اکثر قدر المقتدی لا تفسد صلاتہ کمافی المجتبیٰ۔"

﴿۲۱۱﴾**فتـوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، اگر امام نماز پڑھانے کے لے کھڑا ہوا۔ سینہ کا بٹن کھلا تھا یا کف کھلا تھا اور اسی حالت میں نماز پڑھادی کیا مقتدیوں کی نماز صحیح ہوئی یا مکروہ وضاحت کریں؟۔بینوا توجروا۔(سائل حافظ نجم الرحمٰن میانوالی

الجـواب: میں کرتے کا بٹن کھلا رہنے کی چند صورتیں ہیں۔ کرتے کے اوپر یا نیچے کوئی دوسرا کپڑا مثلاً صدری، شیروانی یا بنیان وغیرہ پہنے ہوئے تھا ایسی صورت میں اگر اوپر یا نیچے والے دوسرے کپڑے کی وجہ سے سینہ ڈھکا ہوا تھا تو کرتے کے بٹن کا کھلنا نماز میں کوئی ضرر نہیں پہنچائے گا۔ اور اگر کرتے کے اوپر یا نیچے دوسرا کپڑا نہیں تھا جس سے سینہ ڈھکا رہے۔ اس صورت میں یا تو صرف اوپر والا بٹن کھلا ہوا تھا یا اس کے ساتھ نیچے والا بھی۔ الحاصل اگر بٹن اس طرح کھلے ہوئے تھے (خواہ ایک ہی یا زیادہ) جس سے سینہ ظاہر ہے تو نماز قطعاً مکروہ ہوگی۔ اور اگر صرف اوپر کا بٹن اس طرح کھلا ہوا ہے جس سے صرف گلے کے پاس کا خفیف حصہ نظر آ رہا ہے تو کوئی حرج نہیں۔ یہ احکام فتاوٰی رضویہ جلد ثالث ص ۴۴۷ کی مندرجہ ذیل عبارت سے ماخوذ ہیں، اور کسی کپڑے کا ایسا خلاف عادت پہننا جسے مہذب آدمی مجمع یا بازار میں نہ کر سکے اور اگر کرے تو بے ادب خفیف الحرکات سمجھا جائے یہ بھی مکروہ ہے۔ یہی حکم قمیض کے کفوں کو کھلا رکھنے کا ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

﴿۲۱۲﴾فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ عینک لگائے ہوئے سجدہ کرنے سے نماز ہو گی یا نہ؟ بینوا توجروا سائل قاری ظفر اللہ متعلم جامعہ اکبریہ میانوالی

الجواب: اگر چشمہ (عینک) سجدہ کرنے میں ہڈی تک ناک کے دبنے میں رکاوٹ نہیں پیدا کرتا ہے تو نماز بلا کراہت ہو جائے گی اور اگر رکاوٹ پیدا کرتا ہے تو نماز مکروہ تحریمی ہو گی۔ یعنی دوبارہ پڑھنا واجب ہو گا۔ حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمتہ والرضوان تحریر فرماتے ہیں، ناک ہڈی تک نہ دبی تو نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوئی۔ (بہار شریعت حصہ سوم ص ۷۱)۔

﴿۲۱۳﴾فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ آج کل عورتیں تانبہ، پیتل اور لوہے وغیرہ کے زیورات پہننے لگی ہیں۔ تو ان کو پہن کر نماز ہو گی یا نہیں؟. بینوا توجروا۔ صوفی عبدالرزاق چشتی میانوالی۔

الجواب: تانبہ، پیتل اور لوہے کے زیورات پہن کر پڑھنے سے نماز مکروہ تحریمی ہو گی۔ ایسا ہی فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۴۲۲ میں ہے۔ اور ہر وہ نماز ہ مکروہ تحریمی ہو اس کا دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔ درمختار میں ہے، "کل صلاۃ ادیت مع کراھۃ التحریم تجب اعادتھا" عورتوں کو سونا چاندی کے زیورات پہننے کی اجازت ہے دیگر دھاتوں کی نہیں۔

﴿۲۱۴﴾فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ امام اگر بھول کر قعدہ اخیرہ میں کھڑا ہو گیا تو مقتدی کیا کریں وضاحت فرمائیں۔؟ سائل قاری عطاالرحمٰن میانوالی

الجواب: اگر قعدہ اخیرہ مین بقدر تشہد بیٹھنے کے بعد امام بھول کر کھڑا ہو گیا تو مقتدی اس کا ساتھ نہ دیں۔ بلکہ بیٹھے ہوئے انتظار کریں۔ اگر سجدہ کرنے سے پہلے امام لوٹ آئے تو

مقتدی اس کے ساتھ سجدہ سہو کرنے کے بعد تشہد وغیرہ پڑھ کر سلام پھیر دیں۔ اور اگر امام نہ لوٹے یہاں تک کہ سجدہ کرے تو مقتدی تنہا سلام پھیر لیں۔

اور اگر قعدہ اخیرہ میں بقدر تشہد بیٹھے بغیر امام بھول کر کھڑا ہو گیا اور لقمہ دینے پر واپس نہ ہوا یہاں تک کہ سجدہ کر لیا تو اس کی فرض نماز باطل ہو گئی۔ اور جس نے امام کے سجدہ کرنے سے پہلے سلام پھیر دیا اس کی بھی باطل ہو گئی۔ (مراقی الفلاح مع طحطاوی ص ۱۶۹)

﴿۳۱۵﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض لوگ ضاد کی صورت میں اختلاف کرتے ہیں اس کی وضاحت فرما دیں تا کہ نماز میں ادائیگی درست ہو سکے؟ بینوا توجروا۔ سائل ملک جاوید اقبال طرہ باز ٹاؤن میانوالی

الجواب: ضاد مطلقاً ظا پڑھنا یا خالص دال پڑھنا دونوں میں سے کوئی صحیح نہیں، چونکہ ضاد کا مخرج ظا اور زا اور دال سب سے جدا ہے، عربی حروف میں ضاد کا اس کے مخرج و صفات کے ساتھ ادا کرنا نہایت دشوار و مشکل ہے۔ کتب تجوید میں اس کی تصریح ہے۔ نماز اور خارج نماز میں کلام باری تعالٰی کی تلاوت کے وقت جو شخص ضاد کو اس کے صحیح مخرج و صفات کے ساتھ ادا کرنے پر قادر ہے اس پر لازم ہے کہ وہ اس کو صحیح مخرج و صفات ہی کے ساتھ ادا کرے، اگر ایسے شخص سے نماز میں ضاد کی جگہ ظا یا دال ادا ہو جائے اس سے جان بوجھ کر معنی میں فساد بھی لازم آتا ہو تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی، اور اگر ایسا شخص نماز میں قصداً ضاد کو ظا یا دال پڑھے، بعض فقہاء نے تحریف اور تغیر کلام باری تعالٰی لازم آنے پر حکم تکفیر صادر فرمایا ہے۔ جو شخص ضاد کو اس کے صحیح مخرج و صفات کے ساتھ ادا کرنے پر قادر نہ ہو تو اس پر واجب ہے کہ وہ شخص فن قرأت کے

الصلوٰۃ والسلام علیک یا سیدی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ماہرین سے اس کا صحیح مخرج اور ادا کرنے کا صحیح طریقہ معلوم کر کے ضاد کو اس کے صحیح مخرج وصفات کے ساتھ ادا کرنے کی کوشش کرتا رہے، حتیٰ کہ اس کو صحیح طور پر ادا کرنے لگے۔ لیکن اگر ایسا شخص ضاد کو ظا یا دال کے مخرج سے ادا کر دے تو اس کی نماز صحیح ہو گی وہ صحیح ادا کرنے پر قادر نہ ہے۔

غنیۃ المستملی ص ۴۴۸ میں ہے،"(اقرأ) غیر المغظوب بالظاء والذال المعجمتین تفسد اذ لیس لهما معنی ولا الضالین طالظاء المعجمة او الدال المهملة لا تفسد"

"مغظوب" پڑھا یا "مغذوب" پڑھا تو نماز فاسد ہو جائے گی اس لیے کہ ان دونوں کا کوئی معنیٰ نہیں۔"الظالین" یا "الدالین" پڑھا تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔

اسی میں ہے، (ترجمہ) توتلا کے بارے میں حکم لگانے میں علماء کا اختلاف ہے۔ واقعات ناطفی میں ابوالشجاع سے روایت کر کے ذکر کیا کہ اگر توتلے نے رب کی جگہ لب پڑھ دیا یا اس کے مشابہ کچھ پڑھ دیا تو اس کی نماز صحیح ہو جائے گی۔ صاحب محیط اور مختار للفتویٰ نے اس طرح کے مسائل کے بارے میں کہا کہ اگر وہ تلفظ درست کرنے میں دن رات کوشش کرتا ہے لیکن درست نہیں ہو پاتا ہے تو اس کی نماز صحیح ہو گی۔ اگر اس نے عمر کے ایک حصے میں کوشش کرنا چھوڑ دیا تو اس کے لئے گنجائش نہیں کہ باقی عمر میں بھی اپنی کوشش کو ترک کر دے۔ اور اگر چھوڑ دیا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی ہمیشہ تصحیح کی کوشش ہیں لگا رہے ۔ اسی میں ہے،"فانهم عمموا هذا الحکم فی کل من لا یمکنه النطق بحرف "فقہاء نے اس حکم کو ہر اس شخص کے لیے عام کر دیا ہے جس کو حروف کی ادائیگی پر قدرت نہیں۔ شرح فقہ اکبر للملا علی قاری ص ۲۰۵ میں ہے،"و فی المحیط سئل الامام الفضلی عمن یقرأ الظاء المعجمه مکان الضاد المعجمة او یقرأ

الصلوٰۃ والسلام علیک یا سیدی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اصحاب الجنة مكان اصحاب النار او على العكس فقال لا نحوز امامته و ان تعمد يكفر قلت اما كون تعمده كفر افلا كلام فيه اذ لم يكن فيه لغتان۔"

محیط میں امام فضلی سے اس شخص کے متعلق پوچھا گیا جو ضاد کی جگہ ظا پڑھتا ہے یا اصحاب النار کی جگہ اصحاب الجنۃ پڑھتا ہے یا اس کے برعکس پڑھتا ہے تو انہوں نے کہا کہ اس کی امامت جائز نہیں اور اگر عمداً ایسا پڑھا تو اس کی تکفیر کی جائے گی۔ میں کہتا ہوں جہاں تک جان بوجھ کر پڑھنے کا تعلق ہے تو اس کے کفر ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ کیونکہ اس کے اندر دو لغتیں موجود نہیں ہے۔

فتاویٰ عالمگیری مصری جلد اول ص ۷۴ میں ہے،"و ان جرىٰ علىٰ لسانه، او كان لا يعرف التميز، لا تفسد وهو اعدل الاقاويل و هو المختار هكذا فى الوجيز الكردرى و من لا يحسن بعض الحروف ينبغى ان يجهد، ولا يعذر فى ذالك"

اگر اس کی زبان پر غلط ہی جاری ہو گیا یا وہ تمیز کی صلاحیت سے عاری تھا تو نماز نہ فاسد ہو گی۔ یہی سب سے معتدل اور مختار قول ہے۔ جو شخص بعض حروف کو بہتر طور پر ادا نہیں کر پاتا اس کے لیے ضروری ہے کہ کوشش کرتا رہے وہ معذور نہیں سمجھا جائے گا۔ فتاویٰ رشیدیہ حصہ سوم ص ۹۳، ۹۴ میں اسی قسم کے سوال کے جواب میں لکھا گیا ہے، اور دال پر ظاہر ہے کہ خود کوئی حرف نہیں ہے، بلکہ ضاد ہی ہے، اپنے مخرج سے پورے طور پر ادا نہیں ہوا تو جو شخص دال خالص یا ظاء خالص عمداً پڑھے اس کے پیچھے نماز نہ پڑھیں، مگر جو شخص دال پر کی آواز میں پڑھتا ہے، آپ اس کے پیچھے نماز پڑھ لیا کریں۔ فتاویٰ رشیدیہ حصہ سوم ص ۱۱۲، ۱۱۳ میں ہے کہ، اصل حرف ضاد ہے اس کو اصلی مخرج سے ادا کرنا واجب ہے، اگر نہ ہو سکے تو بحالت معذوری دال پُر کی صورت سے بھی نماز ہو جائے گی،

ان دونوں جوابوں سے ظاہر ہوا کہ جو شخص عمداً ضاد کی جگہ ظا یا دال نہیں پڑھتا اس کی نماز ہو جائے گی۔ جو لوگ دال پُر پڑھتے ہیں وہ ضاد ہی ہے۔ جو اپنے مخرج سے پورے طور ادا نہیں ہوتا۔

خلاصہ تحریر یہ ہوا کہ ضاد کو صحیح مخرج سے ادا کرنے پر قادر ہونے کے باوجود مغضوب کو مغذوب یا مغظوب کوئی شخص بقصد تحریف پڑھتا ہے تو اس پر حکم کفر منقول ہے، کلام اللہ پر غیر کلام اللہ کو قیاس کرنا صحیح نہیں۔ عربی پر اردو کو قیاس کرنا درست نہیں۔ دونوں کے قوانین علیحدہ علیحدہ ہیں

واللہ اعلم بالصواب

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

باب سجدۃ التلاوت

(باب سجدہ تلاوت)

﴿۳۱۶﴾ فتــوی شــرعــی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں اسلامی مدارس میں جو آیت سجدہ بچوں کو پڑھائی جاتی ہے تو معلم و متعلم پر سجدہ تلاوت واجب ہوگا یا نہیں۔ استاد اور شاگرد کا بغیر وضو قرآن کریم کو پڑھنا اور چھونا جائز ہوگا یا نہ یا ریڈیو، ٹیپ ریکارڈ، ٹی وی وغیرہ پر آیت سجدہ سننے سے سجدۂ تلاوت واجب ہوتا ہے یا نہیں؟ ۔بینوا توجروا۔سائل حافظ محمد ساجد ارائیں میانوالی۔

الجواب: فتاویٰ فیض الرسول میں ہے، طالب علم اگر آیت سجدہ پڑھ رہا ہے اور استاد سن رہا ہے یا استاد پڑھا رہا ہے اور طالب علم پڑھ رہا ہے اور دونوں نا بالغ ہیں تو دونوں پر سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوگا۔اور اگر ان میں سے ایک بالغ ہے تو صرف بالغ پر واجب ہوگا۔دونوں بالغ ہیں تو سجدہ دونوں پر واجب ہوگا۔خواہ آیت سجدہ وہ خود پڑھے یا کسی سے سنے اور اگر دونوں بالغ ہیں تو پڑھنے اور سننے والے دونوں پر سجدہ کرنا واجب ہوگا پھر اگر پڑھنے والے نے ایک مجلس مین ایک آیت سجدہ کو بار بار پڑھا اور سننے والے نے ایک ہی مجلس میں سنا تو دونوں پر ایک ہی بار سجدہ کرنا واجب ہوگا اور اگر پڑھنے والے کی مجلس ہر بار بدلتی رہی اور سننے والے کی مجلس نہ بدلی تو پڑھنے والا جتنی بار پڑھے گا اتنی ہی بار اس پر سجدہ کرنا واجب ہوگا اور سننے والے پر ایک ہی سجدہ کرنا واجب ہوگا۔اور اگر پڑھنے والے کی مجلس نہ بدلی اور سننے والے کی مجلس ہر بار بدلتی رہی تو حکم برعکس ہوگا۔جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے،" ولو تبدل محلس السامع دون التالی یتکرر الوجوب علیه۔ ولو تبدل مجلس التالی دون السامع یتکرر والوجوب علیه لا علی السامع علی قول اکثر المشائخ وبه ناخذ کذافی العتابیه"

یہ حکم اس وقت ہے جب کہ سجدہ کی ایک ہی آیت کو بار بار پڑھا اور اگر سجدہ کی چند آیتوں کو سنا خواہ ایک ہی مجلس میں تو جتنی آیتوں کو پڑھے گا یا سنے گا اتنی ہی بار سجدہ واجب ہوگا۔

طالب علم نے آیت سجدہ پڑھی اور معلم نے پڑھائی یا سنی اور دونوں نے سجدہ کرلیا پھر اسی مجلس میں طالب علم نے وہی آیت پڑھی اور استاد نے وہی آیت پڑھی یا سنی تو وہی پہلا سجدہ کافی نہ ہوگا۔ اور ایک ہی آیت کو بار بار پڑھنے اور سننے کے بعد آخر میں اگر ایک سجدہ کرلیا تب بھی ایک ہی کافی ہو گا۔ اور تاخیر کرنے سے گنہگار نہ ہوگا۔

(۲) طالب علم اور استاد اگر دونوں نابالغ ہوں تو بے وضو قرآن مجید چھونا بہتر نہیں۔ اور اگر مدرس بالغ اور طالب علم نابالغ نہ ہو تو بالغ کو بغیر وضو کے قرآن مجید یا اس کی کسی آیت کو چھونا حرام ہے بے چھوئے یا دور سے دیکھ کر یا زبانی پڑھے تو کوئی حرج نہیں۔ کما صرح بہ فی کتب الفقہ۔ آیت سجدہ لاؤڈ سپیکر، ٹیپ ریکارڈ، ریڈیو، ٹی وی پر سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوتا یہ اواز ساز کی مانند ہے جس سے سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوتا۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

سبحانہ وتعالیٰ

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

باب التراویح

(تراویح کے مسائل)

﴿۲۱۷﴾فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ اگر کوئی شخص نماز تراویح مسجد میں نہ پڑھنے جائے اور وہ گھر پڑھ لے تو جائز ہے یا نہیں؟ سائل احمد نعیم ملک میانوالی

الجواب: نماز تراویح مسجد میں ادا کرنا سنت ہے۔ و ظاهر كلامهم هنا ان المسنون كفاية اقامتها بالجماعة فى المسجد حتى لو اقاموها جماعة فى بيوتهم ولم يقم فى المسجد اثم الكل كذا فى الشامى ص ۵۲۱، ثم بعضهم اختار واقل هو الله فى كل ركعة و بعضهم اختار واقراء ة سورة الفيل الى اخر القرآن و هذا احسن القولين لانه و يشتبه عليه عد دالركعات ولا يشتغل قلبه بحفظها كذا فى التجنيس (عالمگیری ص ۱۱۷ ج ۱) لیکن اگر کوئی جماعت سے اس طرح پڑھے کہ مسجد کی جماعت متاثر نہ ہو تو یہ درست ہے۔ مگر یہ لوگ مسجد کی فضیلت سے محروم رہیں گے۔ ردالمختار ص ۶۶۰ ج ۱ میں ہے، و ان صلى احد ى البيت بالجماعة لم ينا لوا فضل جماعة المسجد۔

﴿۲۱۸﴾فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ اگر کسی شخص سے تراویح چھوٹ جائیں تو وہ کب پڑھے؟ بینوا توجروا۔ سائل تنویر احمد میانوالی۔

الجواب: اگر درمیان میں موقع ملے امام کے ترویحہ میں بیٹھنے کے وقت اس وقت پڑھ لے ورنہ امام کے ساتھ وتر با جماعت پڑھ کر بعد میں پوری کرے۔

واذا فاتته ترويحة او ترو يحتان فلو اشتغل بها يفوته الوتر بالجماعة يشتغل بالوتر ثم يصلى ما فاته من التراويح وبه كان يفتى الشيخ الامام الاستاذ

ظهير الدين كذا في الخلاصه (عالمگيری ص١١٦ ج١)۔

﴿۳۱۹﴾فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ کیا نابالغ امام کے پیچھے تراویح پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ سائل محمد نادر خان ہرنولی میانوالی

الجواب: نابالغ کے پیچھے تراویح پڑھنے میں اختلاف ہے مگر صحیح یہ ہے کہ جائز نہیں۔

ولا يصيح اقتداء رجل بامراة و خنثي و صبي مطلقا ولو في جنازة و نفل على الاصح (درمختار) قوله و نفل على الاصح قال في الهداية في التراويح والنفل من المطلقه جوزه مشائخ بلخ ولم يجوزه مشائخنا و منهم من حقق الخلاف في النفل المطلق بين ابي يوسف و محمد والمختار انه لا يجوز في الصلوات كلها اه۔ (ردالمحتار ص٥٤٠ ج١)۔ في المنية و ذكر في بعض الفتاوىٰ انه لا يجوز لان يوم البالغين في التراويح۔ (غنية المصلى ص٣٩٠)۔

﴿۳۲۰﴾فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ رمضان المبارک میں جب قرآن پاک کا ختم ہوتا ہے تو امام اور سامع وغیرہ کو رقم کپڑے وغیرہ دیئے جاتے ہیں کیا یہ صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔ سائل ولید احمد خان محلہ میانہ میانوالی۔

الجواب: طے شدہ اجرت پر قرآن شریف پڑھنا درست نہیں ہے۔ اور اس میں ثواب نہیں اور بحکم المعروف کالشروط جن کی نیت لینے دینے کی ہے وہ بھی اجرت کے حکم میں ہے۔ اور نا جائز ہے۔ و ان القراءة بشئى من الدنيا لا تجوز والا خذ و المعطى اثمان لان ذالك يشبه الاستحار على القراءة و نفس الاستيجار عليها لا يجوز (ردالمحتار

ص ٦٨٧ ج ١)۔ اس حالت میں صرف تراویح پڑھنا اور اجرت کا قرآن شریف نہ سننا بہتر ہے۔ اور صرف تراویح ادا کر لینے قائم رمضان کی فضیلت حاصل ہو جائے گی۔ لیکن اگر سنانے والا رضائے الٰہی کے لئے سنائے تو لوگ اگر اسکی خدمت کریں تو شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے۔

﴿٢٢١﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ تراویح پڑھانے کے لیے کم سے کم عمر کی حد کیا ہے؟ بینوا توجروا سائل حافظ محبوب الرحمٰن ڈھبہ کر سیال میانوالی

الجواب: اگر دوسری علامت بلوغ کی مثلاً احتلام وغیرہ لڑکے میں موجود نہ ہو تو شرعاً پندرہ برس کی عمر پوری ہونے پر بلوغ کا حکم دیا جاتا ہے، بلوغ الغلام بالاحتلام والاحبال والانزال فان لم يوجد فيهما شئی فحق يتم لكل منهما خمس عشرة سنة به يفتى لقصر اعمار اهل زماننا (الدرالمحتار ص ١٣٢ ج ٥)۔ پس جس لڑکے کو سولہواں سال شروع ہوگیا ہے اس کے پیچھے تراویح اور فرض نماز سب درست ہے۔ اگر چہ بے ریش ہو اور ایسی عمر کا لڑکا اگلی صف میں بھی کھڑا ہو سکتا ہے۔

﴿٢٢٢﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ اکثر حفاظ نئے حافظ قرآن کو تراویح کے دوران غلط لقمہ دے کر پریشان کرتے ہیں۔ اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔ سائل ظفر اللہ خان میانوالی۔

الجواب: یہ بھی انھی اغلوطات میں سے ہے جن کی ممانعت حدیث شریف میں آئی ہے، محض تنگ کرنے کے لئے لقمے دینے والا گنہ گار ہوگا۔ عن معاوية قال ان النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن الاغلوطات رواه ابو داؤد (مشكوٰة ص ٣٥)۔

﴿۲۲۳﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ اگر کوئی حافظ تراویح پڑھا رہا ہے اور کسی جگہ پر رک گیا ہے۔ سامع نے اسی وقت نیت کر لی اور لقمہ دے کر نیت توڑ دی۔ ایسا بار بار کرنے سے نماز کا کیا حکم ہوگا؟ اور اگر بے وضو ہو کر ایسا کرے تو وضاحت فرمادیں؟ بینوا توجروا۔ سائل وارث نیازی علووالی میانوالی۔

الجواب: اگر نیت باندھ کر بتلادیں تو قاری کی نماز میں کچھ خلل نہ آئے گا مگر اس کو نیت توڑنے کا گناہ ہوگا اور قضا لازم ہوگی۔ اور جو بے وضو بتلایا یا باوجود پانی کے تیمم کر کے بتلایا اور قاری نے لے لیا تو اس کی نماز فاسد ہوئی اور مقتدیوں کی بھی نماز فاسد ہوئی (عالمگیری ص ۹۰ ج ۱)

﴿۲۲۴﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ کسی امام کے پیچھے پردہ کی موجودگی میں عورتیں اقتدا کر سکتیں ہیں یا نہیں؟ بینوا و توجروا سائل محمد یاسر علی میانوالی

الجواب: عورتیں امام کے پیچھے اس صورت میں نماز پڑھ سکتی ہیں جب ان کی عزت نفس کو کوئی خطرہ نہ ہو۔ اور عورتوں کے لئے باپردہ نماز ادا کرنے کا انتظام۔ کما تکرہ امامة الرجل لهن في بيت ليس معهن رجل غيره لا محرم منه اما اذا كان معهن واحد ممن ذكر او امهن في المسجد لا يكره (الدرالمحتار ص ۵۲۹ ج ۱)۔

﴿۲۲۵﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ نماز تراویح میں سامع قرآن حکیم کھول کر پہلی رکعت میں بیٹھ کر سماعت کرتا ہے اور امام کی غلطی کو درست کرتا ہے جب امام رکوع میں جاتا ہے تو سامع نماز میں شریک ہو جاتا ہے کہ یہ درست ہے یا نہیں۔ (سائل محمد علی میانوالی)

الصلوٰۃ والسلام علیک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

الجواب: یہ طریقہ شرعاً غلط ہے۔ امام کی لقمہ وہی دے سکتا ہے جو امام کی اقتدا میں نماز ادا کر رہا ہو۔ جو شخص نماز میں شامل نہ ہو وہ نماز تراویح میں صف مصلیان میں بیٹھ کر قرآن کریم کھول کر قرآن کریم سنتا رہے اور غلطی بتائے لقمہ دے اور امام قبول کرے تو نماز فاسد ہو جائے گی فتاویٰ عالمگیری مصری جلد اول ص ۹۳ میں ہے، و ان فتح غیر المصلی علی المصلی فاخذ بفتحہ، فسد کذا فی منیۃ المصلی ۔ اگر غیر نمازی نے نمازی کو لقمہ دیا اور اس نے لقمہ لے بھی لیا تو نماز فاسد ہو گئی۔ فساد نماز کا حکم اس صورت میں ہے کہ امام اس غیر مصلی کا لقمہ قبول کرے۔

﴿۲۲۶﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ تراویح میں قرآن پاک کا ایک بار ختم کرنا سنت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ سائل اظہر خان میانوالی:

الجواب: تراویح میں ایک بار ختم کلام پاک سنت ہے۔ قوم کی کاہلی اور سستی کی وجہ سے نہ چھوڑا جائے اگر سارے اہل محلہ یا تمام اہل قریہ تراویح کی جماعت کو چھوڑ دیں تو یہ سب کے سب امر ممنوع کے مرتکب اور گنہگار رہوئے۔ فتاوی عالمگیری مصری جلد اول ص ۱۰۸ میں ہے، ولو ترک اھل المسجد کلھم الجماعۃ فقد اساء و اثمو اھکذا فی محیط السرخسی، اگر پوری قوم نے تراویح کی جماعت چھوڑ دی تو برا کیا اور سب گنہگار رہوئے ایسا ہی محیط السرخسی میں ہے۔ اسی کے صفحہ ۱۱۰ میں ہے، السنۃ فی التراویح انما ھوا الختم مرۃ فلا یترک لکسل القوم کذا فی الکافی ۔ تراویح میں ایک ختم سنت ہے۔ قوم کی کاہلی کے سبب سے نہ چھوڑا جائے۔ ایسا ہی الکافی میں ہے۔

﴿۲۲۷﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، نماز تراویح میں غیر نمازی امام کو لقمہ دے تو؟ بینوا توجروا۔ سائل عمران اسلم میانوالی۔

الجواب: امام کو لقمہ وہی دے سکتا ہے جو امام کی اقتداء میں نماز پڑھ رہا ہو۔ جو شخص نماز میں شامل نہ ہو وہ لقمہ نہیں دے سکتا۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اص ۹۳ میں ہے، و ان فتح غیر المصلی علی المصلی فاخذ بفتحه، تفسد کذا فی منية المصلی اگر غیر نمازی نے نمازی کو لقمہ دیا اور اس نے لقمہ لے بھی لیا تو نماز فاسد ہوگئی۔ فساد نماز کا حکم اس صورت میں ہے کہ امام اس غیر مصلی کا لقمہ لے بھی لے۔

﴿۲۲۸﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، تراویح کی آخری دو رکعتوں میں چھوٹا ختم قرآن کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔ سائل اسماعیل خان میانوالی

الجواب: نفی مسلک میں تراویح میں چھوٹا ختم پڑھنا مستحب و مستحسن ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب قل اعوذ برب الناس پڑھتے تو الحمد سے شروع کرتے۔ پھر سورۃ بقرہ میں سے اولئك هم المفلحون تک پڑھتے۔ پھر دعاء ختم قرآن کرتے اور کھڑے ہو جاتے۔ فتاویٰ عالمگیری اور اتقان فی علوم القرآن میں ہے، اخرج الدارمی بسند حسن عن ابن عباس ابی ابن کعب ان النبی صلی الله علیه وآله وسلم کان اذا قرا قل اعوذ برب الناس افتتح من الحمد ثم قرأ من البقرة الیٰ اولئك هم المفلحون ثم دعا بدعاء الختمة ثم قام۔ دارمی نے سند حسن کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے وہ ابی ابن کعب سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب قل اعوذ برب الناس پڑھتے تو الحمد

سے شروع کرتے، پھر سورۃ بقرۃ کی ابتداء سے اولٓئك هم المفلحون تک پڑھتے، پھر دعاء ختم قرآن کرتے۔ ردالمختار وغنیۃ المستملی وفتاویٰ ولوالجیہ میں ہے، من يختم القرآن فی الصلوٰة اذا فرغ من المعوذتين فی الركعة الاولىٰ يركع ثم يقرا فی الثانية بالفاتحة و شئی من سورة البقرة لان النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم قال خير الناس الحال المرتحل ای الخاتم المفتتح۔۔۔ جو نماز میں قرآن ختم کرے۔ پہلی رکعت میں معوذتین سے جب فارغ ہو تو رکوع کرے۔ پھر دوسری میں سورۃ فاتحہ پڑھے۔ اور کچھ سورۃ بقرہ میں سے پڑھے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، تم میں سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو قرآن کو ختم بھی کرتے ہیں اور شروع بھی کرتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ چھوٹا ختم قرآن پڑھنا حنفاء کے نزدیک مستحب و مستحسن ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

باب النوافل

(نوافل کے مسائل)

﴿۳۲۹﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ فرائض کے بعد نوافل پڑھنا ضروری ہیں۔ دلیل کے ساتھ وضاحت کریں۔ سائل قاری محمد بلال اویسی رضوی میانوالی

الجواب: نفل نماز کا پڑھنا بہتر ہے۔ ہاں اگر نفل نماز قصداً شروع کر دے تو اس کا پورا کرنا ضروری ہے اور قصداً شروع کر کے توڑ دے تو اس کا دوبارہ پڑھنا بھی ضروری ہے۔ درمختار میں ہے، لزم نفل شرع فیه بتکبیرة الاحرام او بقیام الثالثة شروعاً صحیحاً قصداً اولو عند غروب و طلوع واستواء علی الظاهر فان افسده حرم لقوله تعالیٰ ولا تبطلو اعمالکم الا بعذر ووجب قضاءه

﴿۳۳۰﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، میانوالی اور اس کے گردنواح میں صلوۃ التسبیح کی جماعت بڑے اہتمام سے کی جاتی ہے۔ کیا ازروئے شرع مروجہ نوافل کی جماعت جائز ہے یا نہیں؟۔ بینوا توجروا سائل جاوید اقبال میانوالی

الجواب: نوٹ: یہ سوال قبلہ استاذیم سے عید الفطر کے موقع پر عیدگاہ کے خطاب میں کیا گیا۔ ہم اس کی مکمل تفصیل بیان کرتے ہیں۔ نوافل اور صلوۃ التسبیح کی جماعت علی التداعی (اعلام کیساتھ) مکروہ ہے۔ ایک مسلمان کے لیے عبادات واحکام اور مسائل و معاملات میں رسول اقدس ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے اقوال و اعمال ہی بہترین نمونہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو وہی عمل بطور عبادت پسند ہے جو اس کے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقہ مبارکہ کے مطابق ہو اور ایسا عمل ہی قبولیت کے لائق ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے، قل ان کنتم تحبون الله فاتبعو نی یحببکم الله ۔(اے محبوب ﷺ کہہ دیجئے اگر تم

اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو) عبادات اللہ تعالی اور اس کے حبیب ﷺ کے احکام پر عمل پیرا ہونے کا نام ہے۔حضور ﷺ کی سنت کو چھوڑ کو اپنی من مانی اختیار کرنا ہی وہ ناپسندیدہ عمل ہے جسے بدعت کہتے ہیں۔آج کل اکثر مساجد میں نفل نمازوں کا با جماعت اہتمام واعلان کیا جانا بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔شب معراج، شب برأت اور لیلۃ القدر جیسی خاص راتوں میں ''صلوۃ التسبیح'' جیسی اہم عبادت نماز کو اعلانات واشتہارات کے ذریعے لوگوں کو بلا کر باجماعت ادا کیا جاتا ہے۔حالانکہ فقہاء کرام نے نوافل کی جماعت اور اس کے لیے اعلان و اشتہار بازی کو بدعت قرار دیا ہے۔بغیر دعوت و اعلان کے دو یا تین شخص امام کے ساتھ نوافل باجماعت پڑھ لیں تو جائز ہے۔لیکن اس کو معمول نہ بنایا جائے۔

نوافل احادیث مبارکہ کی روشنی میں۔ ﴿۱﴾ نبی اکرم ﷺ نے کبھی تعلیم کے لیے اور کبھی تبرکا ایسی نماز نفل کسی صحابی کے گھر میں ادا فرمائی ہے، جیسا کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، ان جدته مليكه رضى الله تعالىٰ عنها دعت رسول الله ﷺ بطعام صنعته فاكل منه ثم قال قومو افاصلى لكم قال انس بن مالك رضى الله عنه: فقمت الى حصير لنا قد اسود من طول مالبس فضحته بماء فقام عليه رسول الله صلى الله عليه وسلم وصففت انا و اليتيم و راءه والعجوز من ورائنا فصلى لنا رسول الله ﷺ ركعتين ثم۔۔۔ انصرف (صحيح مسلم جلد اول ص ۲۳۴) ان کی دادی حضرت ملیکۃ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کے لئے کھانا پکا کر دعوت کی، کھانا کھانے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: چلو میں تم کو نماز پڑھاؤں، حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے

ہیں، میں ایک چٹائی لے کر آیا جو کثرت استعمال کی وجہ سے سیاہ ہو چکی تھی۔ میں نے اس کو پانی سے دھویا، پھر اس چٹائی پر رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور میں اور (ایک) یتیم آپ ﷺ کے پیچھے صف باندھ کر کھڑے ہوئے اور بڑھیا (ام سلیم رضی اللہ عنہا) ہمارے پیچھے تھیں رسول اللہ ﷺ ہم کو دو رکعت نماز پڑھانے کے بعد تشریف لے گئے۔ امام نووی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں، پتہ چلا کہ نبی ﷺ نے بعض اوقات نوافل نماز کی جماعت گھر میں کروائی ہے۔ اسی طرح تنہا یا با جماعت (دو یا تین مقتدیوں کے ساتھ) نوافل بھی آپ ﷺ نے گھر ہی میں ادا فرمائے ہیں۔ حدیث پاک میں نوافل اور سنتیں گھر میں ادا کرنے کا حکم آیا ہے۔ ﴿۲﴾ عن ابن عمر رضی اللہ عنہما، عن النبی ﷺ قال: صلوا فی بیوتکم ولا تتخذوھا قبورا۔ (صحیح مسلم ج۱ ص۲۶۵)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہا بیان کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا اپنے گھروں میں (نفل) نماز پڑھو اور ان کو قبرستان نہ بناؤ۔ سنن مؤکدہ، غیر مؤکدہ اور نوافل گھر میں پڑھنا سنت بھی ہے اور باعث اجر و ثواب بھی۔ ﴿۳﴾ عن زید بن ثابت قال: قال رسول اللہ ﷺ صلوۃ المرء فی بیتہ افضل من صلوتہ فی مسجدی ھذا الا المکتوبۃ۔

(مشکوۃ شریف ص ۱۱۵) حضرت زید بن ثابت سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، بندے کے لیے نفل نماز اپنے گھر میں ادا کرنا میری اس مسجد میں ادا کرنے سے بھی افضل ہے سوائے فرض کے۔ ایک اور جگہ ارشاد گرامی ہے، ﴿۴﴾ فصلوا ایھا الناس فی بیوتکم فان افضل الصلوۃ صلوۃ المرء فی بیتہ الا المکتوبۃ (صحیح بخاری ج۱ ص ۱۱۰)

اے لوگو! اپنے گھروں میں نماز پڑھو بیشک آدمی کی بہترین نماز وہ ہے جسے وہ اپنے گھر میں ادا

کرے، سوائے فرائض کے۔ ﴿**امام اہلسنت کا فتویٰ**: ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں، ﴿۵﴾ ہمارے ائمہ کرام کے نزدیک نوافل کی جماعت بتداعی مکروہ ہے، قضائے عمری کہ رمضان المبارک کے آخری جمعہ میں اس کا پڑھنا اختراع کیا گیا اور اس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس نماز سے عمر بھر کی اپنی اور ماں باپ کی قضائیں بھی اتر جاتی ہیں، محض باطل و بدعت سیئہ شنیعہ ہے۔ کسی کتاب معتبر میں اصلاً اس کا نشان نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ، ج ۳ ص ۴۸۰)

صلوٰۃ التسبیح اور دیگر تمام نفلی عبادات بجائے اعلان و اشتہار کے تنہا خفیہ اور گھروں میں ادا کی جانی چاہیں تاکہ ان کے اصل مقصود یعنی قرب الٰہی کے حصول کی صورت میسر آسکے۔ ہمارے ائمہ احناف اور فقہاء عظام نے نوافل کی جماعت اور اس کے لیے اعلان و اشتہار بازی کو مکروہ تحریمی قرار دیا ہے۔ بغیر دعوت و اعلان کے دو یا تین افراد امام کے ساتھ اگر نوافل باجماعت پڑھ لیں تو جائز ہے۔ آیئے فقہاء کرام اور ائمہ ملت کے ارشادات کی روشنی میں اس مسئلے کا جائزہ لیتے ہیں۔

﴿۶﴾ الامام الحافظ المجتہد الربانی محمد بن حسن الشیبانی فرماتے ہیں، قلت: و تریفی کسوف القمر صلاۃ؟ قال: نعم، الصلاۃ فیہ حسنۃ قلت فھل یصلون جماعۃ کما یصلون فی کسوف الشمس؟ قال: لا قلت: فھل تکرہ الصلاۃ فی التطوع جماعۃ ما خلاقیام رمضان و صلاۃ کسوف الشمس؟ قال: نعم ولا ینبغی ان یصلی فی کسوف الشمس جماعۃ الاالامام الذی یصلی الجمعۃ فاما ان یصلی الناس فی مساجدھم جماعۃ فانی لا احب ذلک و لیصلو اوحدانا۔ میں نے حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا) کیا آپ کے نزدیک چاند گرہن کی نماز جائز ہے؟ تو آپ نے فرمایا

ہاں! ایسے میں نماز پڑھنا چھا ہے۔ میں نے پوچھا کیا سورج گرہن کی نماز کی طرح جماعت سے پڑھا جائے؟ تو امام نے فرمایا نہیں۔ میں نے پوچھا: کیا آپ تراویح اور کسوف شمس (سورج گرہن) کے علاوہ نفل نمازوں کی جماعت کو مکروہ سمجھتے ہیں؟ تو امام اعظم علیہ الرحمتہ نے فرمایا: ہاں اور مناسب نہیں کہ سورج گرہن کی نماز سوائے امام جمعہ کے کوئی اور پڑھائے، مجھے یہ بات پسند نہیں ہے کہ لوگ اس نماز کو اپنی مساجد میں جماعت سے پڑھیں۔ اور اگر ایسا ہو تو چاہیے کہ الگ الگ ادا کریں۔ (باب الصلوۃ الکسوف ج ۱، ص ۴۴۳) ﴿۷﴾ امام اجل شمس الائمہ ابوبکر محمد بن ابی سہل السرخی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں، و الاصل فی التطوعات ترك الجماعة فيها ما خلا قيام رمضان لا تفاق الصحابةُ عليه و كسوف الشمس لورود الاثربه ۔ ألا ترى ان ما يودى بالجماعة من الصلوة يوذ ن لها و يقام ولا يوذن للتطوعات ولا يقام فدل انها لا تودى بالجماعة۔ (المبسوط ج ۲ ص ۷۶) نوافل کی اصل یہ ہے کہ اس میں جماعت کو ترک کیا جائے سوائے تراویح کی نماز کے، کیونکہ اس پر صحابہ کا اتفاق ہے اور نماز کسوف (سورج گرہن) کے کیونکہ اس کے بارے میں اقوال صحابہ وارد ہوئے ہیں۔

﴿۸﴾ حضرت شمس الائمہ مزید فرماتے ہیں، نوافل با جماعت پڑھنا امام شافی، امام مالک کے نزدیک مستحب ہے اور احناف کے نزدیک مکروہ ہے۔ دیکھئے المبسوط ج ۲ ص ۱۴۴۔

﴿۹﴾ امام طاہر بن احمد بن عبدالرشید البخاری علیہ الرحمتہ لکھتے ہیں، ولا يصلى التطوع بجماعة الا فى شهر رمضان و عن شمس الائمه سر خسى، ان التطوع بالجماعة انما يكره اذا كان على سبيل التداعى ، اما لو اقتدى و احدا و اثنان بواحد لا

یکروہ ۔ و اذا اقتدی ثلثة بواحد اختلف فیہ ۔ و ان اقتدی اربعة بواحد کرہ اتفاقا۔خلاصة الفتاوی ج۱ ص۱۵۳) نمازنفل سوائے رمضان (تراویح) کے باجماعت ادا نہ کی جائے۔امام سرخسی سے منقول ہے،نوافل کی جماعت اگراعلان واشتہار سے ہوتو مکروہ ہے البتہ ایک یا دومقتدی اگرایک شخص کے پیچھے پڑھیں تو مکروہ نہیں اوراگرتین افراد ایک کی اقتداء کریں تو اس میں اختلاف ہے۔اوراگر چارافراد ایک (امام) کے پیچھے پڑھیں توبالاتفاق مکروہ ہے۔﴿۱۰﴾اسی طرح امام قدوری علیہ الرحمۃ نے بھی یہی لکھا ہے،﴿۱۱﴾حضرت امام ابوبکر الکاسانی حنفی فرائض ونوافل کے مابین فرق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں،دوسرافرق یہ ہے کہ نفل نمازسوائے رمضان المبارک کے دوسرے ایام میں باجماعت ادا کرنا جائزنہیں ہیں جب کہ فرض نماز میں جماعت واجب ہے۔یا سنت مؤکدہ۔اس لیے کہ فرمان نبویﷺ ہے،

صلاة المرء فی بیته افضل من صلاته فی مسجده الاالمکتوبة۔

فرض نماز کے سوا باقی تمام نمازیں مرد کے لیے گھرمیں ادا کرنا مسجد میں ادا کرنے سے افضل ہے۔(بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ج۱ص۹۲۵)﴿۱۲﴾امام فخرالدین عثمان بن علی الزیلعی الحنفی علیہ الرحمۃ کی شرح کے حاشیہ میں ہے، ان النفس التراویح سنة اداؤھا بجماعة مستحب قال فی البدائع اذا صلوالتروایح ثم ارادو ان یصلوھا ثانیا یصلون فرادی لا بجماعة لا ن الثانیة تطوع مطلق والتطوع المطلق بجماعة مکروہ۔(شرح کنز الدقائق ص۱۷۸) تراویح بذات خودسنت ہے اوراسے باجماعت ادا کرنا مستحب ہے۔

﴿۱۳﴾ صاحب بدائع الصنائع کہتے ہیں، جب تراویح کی نماز ادا کرچکیں اور پھردوبارہ پڑھنا

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

چاہیں تو انفرادی طور پر ادا کریں نہ کہ با جماعت، کیونکہ دوسری بار پڑھنا نفل مطلق ہے اور نوافل مطلق کو با جماعت پڑھنا مکروہ ہے۔ ﴿۱۴﴾ امام عبدالرحمٰن بن شیخ محمد بن سلیمان شیخ زادہ علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں، (یوتر) ای یصلی الوتر (بجماعۃ فی رمضان فقط) لا نعقاد الاجماع علیہ کما فی الھدایۃ و فیہ اشارۃ الی انہ لا یوتر بجماعۃ فی غیر شھر رمضان لانہ نفل من وجہ و الجماعۃ فی النفل فی غیر رمضان مکروہ۔ (مجمع الانھر ج۱ ص۱۳۷)
یعنی وتر کی نماز صرف رمضان میں با جماعت ادا کرے کیونکہ اس پر اجماع واقع ہو چکا ہے۔ جیسا کہ ہدایہ میں ہے، اور اس میں اشارہ ہے کہ رمضان کے علاوہ وتر جماعت سے نہ پڑھے کیونکہ ایک اعتبار سے نفل ہیں اور نفل کی جماعت رمضان (تراویح) کے علاوہ مکروہ ہیں۔

﴿۱۵﴾ علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی لکھتے ہیں، یکرہ الاقتداء فی صلاۃ الرغائب و صلاۃ البراءۃ ولیلۃ القدر الا اذا قال نذرت کذا رکعۃ بھذاالامام بالجماعۃ، کذا فی البزازیۃ (الاشباہ واالنظائر ص۸۶) رجب، شب برأت اور لیلۃ القدر کی نفل نمازیں جماعت سے پڑھنا مکروہ ہے۔ سوائے اس کے کہ کسی امام کی اقتداء میں کچھ رکعتیں پڑھنے کی نذر مان کر کہے کہ میں اس امام کے پیچھے اتنی رکعات پڑھوں گا۔ فتاویٰ بزازیہ میں ایسا ہی ہے،

﴿۱۶﴾ علامہ امام حسن بن عمار شرنبلالی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں، و ندب احیاء لیالی العشر الاخیر من رمضان و احیاء لیلتی العیدین و لیالی عشر ذی الحجۃ و لیلۃ النصف من شعبان و یکرہ الاجتماع علی احیاء لیلۃ من ھذا اللیالی فی المساجد (نور الایضاح ص ۱۶۷) یعنی رمضان کی آخری دس، عیدین، ذوالحجہ کی پہلی دس اور شب برأت کی

راتوں کوزندہ رکھنا مستحب ہے۔البتہ ان راتوں کوزندہ رکھنے کے لیے مساجد میں اجتماع مکروہ ہے۔

﴿۱۷﴾ علامہ امام ابراہیم حلبی حنفی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں،(ترجمہ): جان لو کہ نفل کی جماعت اعلان واشتہار کے ساتھ مکروہ ہے جیسا کہ پہلے بیان ہوا، ماسوائے تراویح نماز کسوف اور استقاء کی نماز کے، معلوم ہوا کہ صلاۃ الرغائب۔(رجب کے پہلے جمعہ کی رات کی نماز) صلوۃ البرأۃ نصف شعبان کی رات اور شب قدر یعنی ستائیس رمضان کی رات والی نمازوں کو جماعت سے ادا کرنا ناپسندیدہ بدعت ہے۔(حلبی کبیر ص ۴۳۲) ﴿۱۸﴾ حضرت حافظ الدین الیزازی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں، اگر دو افراد نفل شروع کریں اور وہ فاسد ہو جائیں پھر دونوں نوافل کی ادائیگی کے لیے ایک دوسرے کی اقتدا کریں تو یہ اسباب (فساد) کے مختلف ہونے کی وجہ سے جائز نہیں۔ایسے ہی دو نذر (منت) ماننے والوں کی جماعت جائز نہیں۔(علی ھذا القیاس) اسی کلیہ کے تحت رجب، شعبان اور لیلۃ القدر (رمضان) کی نمازیں با جماعت جائز نہیں ہیں۔

﴿۱۹﴾ فقہ حنفی کی نہایت اہم کتاب فتاویٰ عالمگیری میں ہے، التطوع بالجماعۃ اذا کان علی سبیل التداعی یکرہ (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۸۳) نوافل کی جماعت اگر دعوت و اعلان کے ساتھ ہو تو مکروہ ہے۔﴿۲۰﴾ علامہ طحطاوی حنفی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں، والجماعۃ فی النفل فی غیر التراویح مکروۃ فالا حتیاط ترکھا فی الوتر خارج رمضان۔ (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۲۱۱) تراویح کے علاوہ نوافل کی جماعت مکروہ ہے رمضان کے علاوہ وتر کی جماعت بھی احتیاطاً نہیں کرنی چاہیے۔

﴿۲۱﴾ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ مکتوبات امام ربانی دفتر الاول ص ۲۸۸ میں

لکھتے ہیں (ا) جاننا چاہیے کہ نوافل با جماعت ادا کرنا بعض فقہی روایات میں مطلقاً مکروہ ہے۔ اور بعض دوسری فقہی روایات میں یہ کراہت تداعی اور اجتماع کے ساتھ مشروط کی گئی ہے۔ پس اگر تداعی کے بغیر ایک دو آدمی مسجد کے کونہ میں نوافل با جماعت ادا کریں تو یہ بلا کراہت جائز ہے۔ اور اگر نفلوں کی جماعت میں تین افراد جمع ہو جائیں تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے اور اگر چار افراد شریک ہو جائیں تو بعض روایات کے مطابق باتفاق فقہاء کرام مکروہ ہے اور بعض دوسری روایات میں ہے کہ چار افراد کامل کر نوافل با جماعت ادا کرنا زیادہ صحیح یہ ہے کہ مکروہ ہے۔

(ب) فتاویٰ سراجیہ میں ہے، کرہ التطوع بالجماعة بخلاف التراویح و صلوٰة الکسوف۔ نفل نماز با جماعت ادا کرنا مکروہ ہے بخلاف نماز تراویح اور سورج گرہن کی نماز کے (کہ اسے با جماعت ادا کرنا مکروہ نہیں) (ج) فتاویٰ غیاثیہ میں شیخ الاسلام سرخسی رحمۃ اللہ سبحانہ علیہ فرماتے ہیں، التطوع بجماعة خارج رمضان انما یکرہ اذا کان علی سبیل التداعی اما اذا اقتدی و احد او اثنان لا یکرہ۔ و فی الثلاث اختلاف و فی الاربع یکرہ بلا خلاف۔ غیر رمضان میں نوافل با جماعت ادا کرنا مکروہ ہے۔ جب تداعی کے طور پر ہو لیکن اگر ایک مقتدی یا دو ہوں تو مکروہ نہیں اور تین میں اختلاف ہے اور چار مقتدیوں کی صورت میں بلا اختلاف مکروہ ہے۔ (د) فقہ کی مشہور کتاب خلاصہ میں مذکورہ ہے، التطوع بالجماعة اذا ان علی سبیل التداعی یکرہ اما اذا صلوا بجماعة بغیر اذان و اقامة فی ناحیة المسجد لا یکرہ ۔ نفلوں کی جماعت جب کہ تداعی کے طور پر ہو تو مکروہ ہے۔ لیکن اگر بغیر اذان و اقامت مسجد کے ایک کونے میں با جماعت نفل پڑھ لیں تو مکروہ نہیں۔

(ز) شمس الائمہ الحلوانی فرماتے ہیں، اذا کان سوا الامام ثلاثة لا یکرہ بالاتفاق و فی الاربع اختلاف والا صح انه مکروہ۔ جب امام کے سوا تین افراد ہوں تو نوافل کی جماعت بالاتفاق مکروہ نہیں اور چار میں فقہا کا اختلاف ہے اور صحیح تر یہ ہے کہ مکروہ ہے۔

(ح) فتاویٰ شافیہ میں ہے، ولا یصلی التطوع بالجماعة الا فی شھر رمضان و ذلك انما یکرہ اذا کان علی سبیل التداعی یعنی باذان و اقامة اما لو اقتدی واحد او اثنان لا علی سبیل التداعی فلا یکرہ و اذا اقتدی ثلاثة اختلاف المشائخ رحمھم اللہ تعالیٰ و ان اقتدی اربعة کرہ اتفاقاً کوئی شخص بھی نوافل جماعت کے ساتھ ادا نہ کرے سوائے رمضان شریف کے مہینہ کے اور نوافل با جماعت ادا کرنا مکروہ ہے۔ جب کہ اذان اور اقامت کے ساتھ ان کی جماعت کرائی جائے اور اگر ایک آدمی یا دو آدمی اذان اور اقامت کے بغیر اقتداء کریں تو مکروہ نہیں۔ اور جب تین مقتدی ہوں تو اس میں مشائخ رحمۃ اللہ علیہم کا اختلاف ہے اور اگر مقتدی چار ہو جائیں تو بالاتفاق مکروہ ہے۔

﴿۲۲﴾ خاتم المفسرین حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں، جماعت در نفل مکروہ است۔ وسوائے رمضان و تر بجماعت مکروہ است۔ نماز نفل کی جماعت مکروہ ہے۔ رمضان کے علاوہ وتر بھی جماعت سے پڑھنا مکروہ ہے۔ (بالا بدمنہ، ص ۶۹)

﴿۲۳﴾ علامہ بحر العلوم انصاری علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں، والاصل فی النوافل ان لا یصلی بجماعة۔ (رسائل الارکان ص ۱۴۲) نوافل کی بنیاد اس بات پر ہے کہ انہیں با جماعت ادا نہ کیا جائے۔

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

﴿۲۴﴾صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں، ان خاص راتوں میں تنہا نفل نماز پڑھنی چاہیے (بہار شریعت ج ۴ ص ۱۶) خلاصہ تحریر یہ ہے کہ احادیث مبارکہ اور ارشادات فقہاء کی روشنی میں ثابت اور واضح ہو گیا کہ صلوٰۃ التسبیح اور دیگر تمام نفلی نمازیں انفرادی طور پر الگ الگ ادا کی جانی چاہیں اور نوافل کا گھروں میں ادا کرنا زیادہ فضیلت اور ثواب کا باعث ہے۔ آجکل میانوالی اور اس کے گرد نواح میں باجماعت تداعی صلوۃ التسبیح کا جو رواج ہو چکا ہے فقہاء عظام کی تحقیق سے مکروہ ہے۔

﴿۳۲۱﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، وتر کے بعد نفل بیٹھ کر پڑھنا افضل ہیں یا کھڑے ہو کر۔ بینوا توجروا سائل محمود احمد طرہ باز ٹاؤن میانوالی

الجواب: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعد وتر دو رکعت نفل بیٹھ کر ادا فرمایا کرتے تھے۔ شرح سفر السعادت ص ۱۴۰ میں ہے، (شیخ عبدالحق محدث دہلوی) دو رکعت نماز یکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم بعد از وتر می گذار بروایات صحیحہ ثابت شدہ ، وتر کے بعد دو رکعت نفل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ادا فرماتے تھے۔ صحیح احادیث سے اس کا ثبوت ہے۔ ﴿**احادیث مبارکہ ہے** کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یصلی رکعتین وھو جالس خفیفتین بعد الوتر (ترمذی، سنن ابن ماجہ) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وتر کے بعد دو رکعت نفل مختصر بیٹھ کر پڑھتے تھے۔ مراقی الفلاح مصری صفحہ ۲۴۰ میں ہے، لکن لہ ای للمتنفل جالسا نصف اجر القائم لقولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من صلی قائما فھو افضل و من صلی قاعدا فلہ نصف اجر القام

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(نفل پڑھنے والے کے لیے بیٹھ کر پڑھنا کھڑے ہوکر پڑھنے والے کے مقابلے میں نصف اجر ہے۔
کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے کھڑے ہوکر نماز پڑھی، یہی افضل ہے اور جس نے بیٹھ کر پڑھی اس کے لیے نصف اجر ہے۔) لیکن خالص اتباع فعل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لحاظ کر کے افضل یہی معلوم ہوتا ہے کہ وتر کے بعد دو رکعت نفل کو بیٹھ کر ادا کرے۔ طحطاوی علی مراقی الفلاح مصری ص ۲۵۱ میں ہے، یجوز النفل قاعداً مطلقا من غیر کراھة کما فی مجمع الانھر،
نفل بیٹھ کر مطلقاً بغیر کراہت کے جائز ہے، مراقی الفلاح مصری ص ۲۴۲ میں ہے،
لانہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کان یصلی بعد الوتر قاعدا، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وتر کے بعد نفل بیٹھ کر پڑھتے تھے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اتباع نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لحاظ کرتے ہوئے وتر کے بعد دو رکعت نفل کا ادا کرنا بیٹھ کر پڑھنا ہی افضل ہے۔

باب الصلوۃ المسافر

(مسافر کی نماز)

الصلوۃ والسلام علیک یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

﴿۲۲۴﴾**فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ حالت سفر مسافر سنتیں ادا کرے گا یا چھوڑے گا۔ بینوا توجروا۔ سائل قمر زمان خان میانوالی

الجواب: حالتِ اطمیان میں مسافر کو سنن مئوکدہ پڑھنی چاہیئے اگر عین سفر میں ہو اور جلدی ہو تو نہ پڑھے جیسا کہ درمختار علی ھامش درالمختار باب صلوٰۃ المسافر میں ہے " و یاتی المسافر بالسنن ان کان فی حال امن و قرار والا لایاتی بھا اسی طرح فتاویٰ عالم گیر میں ہے۔" وبعضھم جو زوالمسافر ترك السنن والمختار انه لا یاتی بھاقی حال القرار والا من فتاویٰ عالمگیری ص ۱۷) اوررسول اللہ ﷺ سے دونوں طرح ثابت ہے۔ جیسا ترمذی شریف باب ماجاء فی التطوع فی السفر میں ہے۔ وروی عن ابن عمران النبی صلی اللہ علیہ و الہ وسلم کان لا یتطوع فی السفر قبل الصلوٰۃ و بعدھا وروی عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ و الہ وسلم انه کان یتطوع فی السفر۔ ترمذی شریف صفحہ ۹۲ ج ۱، ترمذی شریف میں اسی حدیث کی شرح میں لکھا ہے۔ " ومن تطوع فله فی ذالك فضل کثیر وھو قول اکثر اھل العلم یختارون التطوع فی السفر۔

﴿۲۲۳﴾**فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ کیا چلتی ٹرین میں نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ اس نماز کو پھر لوٹانا چاہے یا نہیں۔ مکمل وضاحت کر دیں تا کہ ہماری تسلی ہو۔ بینوا توجروا۔ سائل ملک محمد زمان محمد یار والا ضلع میانوالی۔

الجواب: چلتی ہوئی ٹرین میں نفل نماز پڑھنا جائز ہے۔ مگر فرض، واجب اور سنت فجر

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

پڑھنا جائز نہیں۔ اس لیے کہ نماز کے لے شروع سے آخر تک اتحاد مکان اور جہت قبلہ شرط ہے اور چلتی ہوئی ٹرین میں شروع نماز سے آخر تک قبلہ رخ رہنا اگرچہ بعض صورتوں میں ممکن ہے لیکن اختتام نماز تک اتحاد مکان یعنی ایک جگہ رہنا کسی طرح ممکن نہیں۔ اس لیے چلتی ہوئی ٹرین میں فرض نماز پڑھنا صحیح نہیں۔ ہاں اگر نماز کے اوقات میں نماز پڑھنے کی مقدار ٹرین کا ٹھہرنا ممکن نہ ہو تو چلتی ہوئی ٹرین میں نماز پڑھ لے پھر موقع ملنے پر اعادہ کرے۔ ردالمحتار جلد اول ص ۴۷۲ میں ہے،

الحاصل ان کلا من اتحاد لامکان واستقبال القبلة شرط فی صلاة غیر انافلة عند الامکان لا یسقط الا بعذر ۔ یعنی حاصل کلام یہ ہے کہ نفل نماز کے علاوہ سب نمازوں کے لیے اتحاد مکان اور استقبال قبلہ ایک جگہ ٹھہرنا اور قبلہ رخ ہونا آخر تک بقدر امکان شرط ہے جو بغیر عذر شرعی ساقط نہ ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ ٹرین نماز کے اوقات میں کہیں نہ کہیں اتنی دیر ضرور ٹھہرتی ہے کہ دو یا چار رکعت نماز فرض آسانی سے پڑھ سکتا ہے کہ ٹرین ٹھہرنے سے پہلے وضو سے فارغ ہو کر تیار رہے اور ٹرین ٹھہرے ہی اتر کر یا ٹرین ہی میں قبلہ رخ کھڑے ہو کر پڑھ لے اگر اتنی قدرت کے باوجود کاہلی اور سستی سے چلتی ہوئی ٹرین میں نماز پڑھے گا تو وہ شرعاً معذور نہ ہوگا اور نماز نہ ہوگی۔ اور بعض لوگ جو ٹرین کو کشتی پر قیاس کر کے چلتی ہوئی ٹرین میں بیٹھ کر نماز پڑھنے کو جائز سمجھتے ہیں وہ صحیح نہیں اس لیے کہ ٹرین خشکی کی سواری ہے اور کشتی دریا کی اگر کشتی کو بیچ دریا میں ٹھہرایا بھی جائے تو پانی ہی پر ٹھہرے گی اور زمین اسے میسر نہیں ہوگی اور ٹھہرنے کی حالت میں بھی دریا کی موجوں سے ہلتی رہے گی۔ بخلاف ٹرین کے کہ وہ زمین ہی پر ٹھہرے گی اور مستقر رہتی ہے تو اس کو کشتی پر کیسے قیاس کیا جا سکتا ہے۔ اور پھر ٹرین اوقات نماز میں عام طور پر جگہ جگہ ٹھہرتی ہے تو

اس پر سے اتر کر یا اس میں کھڑے ہوکر نماز بخوبی پڑھ سکتے ہیں اور کشتی جہاز و اسٹیمر نماز کے اوقات مین جا بجا نہیں ٹھہرتے ہیں۔ بلکہ خاص مقام ہی پر جا کر ٹھہرتے ہیں اور کبھی کنارے سے دور ٹھہرتے ہیں کہ اس سے اتر کر کنارے پر جانے اور واپس آنے کا وقت نہیں ملتا۔ اس لیے ٹرین کو کشتی پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ علاوہ ازیں کشتی کے بارے میں بھی یہی حکم ہے کہ اگر زمین پر اس کا ٹھہرنا ٹھہرانا یا اس پر سے اتر کا نماز پڑھنا ممکن ہو تو اس پر بھی نماز پڑھنا صحیح نہیں۔ مراقی الفلاح میں (خلاصہ) کہ چلتی ہوئی ٹرین میں فرض، واجب اور سنت فجر پڑھنا جائز نہیں۔ بہار شریعت حصہ چہارم ص ۱۹ میں ہے چلتی ریل گاڑی پر بھی فرض و واجب اور سنت فجر نہیں ہو سکتی اور اس کو جہاز و کشتی کے حکم میں تصور کرنا غلطی ہے۔ لہٰذا جب اسٹیشن پر گاڑی ٹھہرے اس وقت یہ نمازیں پڑھے۔ اور اگر دیکھے کہ وقت جاتا ہے تو جس طرح بھی ممکن ہو پڑھ لے پھر جب موقع ملے اعادہ کرے۔

﴿۳۳۴﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ ایک شخص نے اپنے گھر سے ارادہ پینتالیس کوس کے سفر کا کر لیا لیکن پندرہ کوس پر چل کر قیام کیا اور وہاں پر اپنے کام میں مصروف رہا اور کام کا ارادہ بھی اس نے گھر ہی سے اپنے دل میں کر لیا تھا اور اسی طرح متعدد مقامات پر اپنے کاموں کی وجہ سے رکا رہا اور اپنے کام پورا کرتا رہا۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ یہ شخص مسافر رہا یا نہیں؟۔ اور اس پر احکامات مسافر واجب ہوں گے یا نہیں؟۔

(۲) ایک شخص نے رمضان المبارک میں فرض جماعت کے ساتھ ادا نہیں کیئے۔ البتہ تراویح ضرور جماعت کے ساتھ ادا کیں تو یہ شخص وتر جماعت کے ساتھ پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟۔ سائل قمر علی میانوالی

الجواب: مسافر جبکہ پینتالیس کوس تک اپنے گھر سے جانے کا ارادہ کر کے چلا۔ یا اپنے

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

شہراوربستی کی آبادی سے اس نے تجاوز کیا تو اس پر مسافر کے احکام جاری ہو گئے اور یہ احکام اتنے تک رہیں گے کہ جب تک کہ اپنے شہر پر واپس نہ آئے یا وہاں پندرہ ایام یا زیادہ کی اقامت کی نیت نہ کرے۔ پس شخص مذکور کو مسافر کے احکام کے مطابق نماز ادا کرنی ہوگی۔ شرح وقایہ میں ہے

هو من قصد سيرا وسطا ثلثة ايام وليا ليها وفارق بيوت بلده

اور ہدایہ میں ہے واذا فارق المسافر بيوت المصر صلى ركعتين ولا يزال على حكم السفر حتى ينوى الاقامة فى بلدة او قرية۔ (۲) وتر جماعت سے ادا کرنے چاہیے اگرچہ فرض جماعت سے ادا نہ کئے ہوں۔ درمختار میں ہے، ولو لم يصلها اى التراويح بالامام اوصلاها مع غيره له ان يصلى الوتر معه ۔ لہٰذا اگر کوئی آدمی فرض با جماعت سے رہ جائے تو علیحدہ فرض ادا کرلے بعد میں وتر جماعت کے ساتھ پڑھ سکتا ہے۔
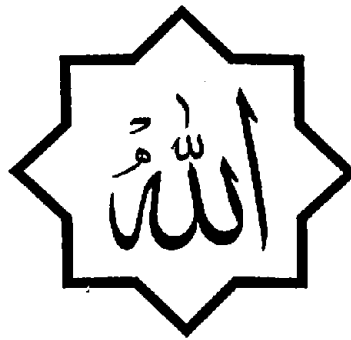
باب العیدین

(عید کے مسائل)

﴿۲۲۵﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ عید کی نماز کا سلام پھیر کر فوراً امام کو خطبہ پڑھنا چاہیے یا سلام کے بعد کوئی دعا پڑھنے کے بعد خطبہ کے لیے کھڑا ہونا چاہیے؟۔ بینوا توجروا۔ محمد اکرم زرگر میانوالی

الجواب: نماز عید کا سلام پھیرنے کے بعد امام کو خطبہ پڑھنا چاہیے کہ نماز اور خطبہ کے درمیان کوئی دعا واجب نہیں۔ بخاری شریف میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے "کان النبی ﷺ یخرج یوم الفطر والاضحی الی المصلی فاول شئی یبدأ الصلاۃ ثم ینصرف فیقوم مقابل الناس والناس جلوس علی صفوفهم فیعظهم ویوصیهم و یامرهم۔۔ (صحیح البخاری ص ۱۸۱ ض ۱) حضور نبی کریم ﷺ عید الفطر اور عید الضحیٰ کے روز عید گاہ کی طرف تشریف لے جاتے اور سب سے پہلے نماز پڑھتے پھر نماز سے فارغ ہو کر لوگوں کے سامنے کھڑے ہوتے اور لوگ صف بہ صف بیٹھے ہوتے اور حضور ﷺ انہیں نصیحت فرماتے اور وصیت کرتے اور حکم فرماتے۔ طبرانی اور مسند امام احمد میں حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، کنا جلوسا ننتظر رسول اللہ ﷺ یوم الاضحی فجاء فسلم علی الناس وقال ان اول من نسك یومکم هذا الصلاۃ فقدم فصلی بالناس رکعتین ثم سلم فاستقبل القوم بوجهه ثم اعطی قوسا او عصافا تکاء علیها فحمد اللہ واثنی علیه فامرهم ونهاهم۔ (صحیح البخاری ص ۱۸۲) ہم عید قربانی کے دن رسول اکرم ﷺ کے انتظار میں بیٹھے تھے تو حضور ﷺ تشریف لائے اور لوگوں کو سلام کیا اور فرمایا آج کے دن کا پہلا کام نماز ہوگا نماز پڑھانے کے لیے آگے بڑھے اور لوگوں کو

دو رکعتیں پڑھائیں پھر سلام پھیر کر لوگوں کیطرف متوجہ ہوئے اور کمان یا لاٹھی حاضر کی گئی تو اس پر اعتماد کیا پھر اللہ کی حمد و ثنا کی اور لوگوں کو بعض چیزوں کا حکم دیا اور بعض سے منع فرمایا۔ کتاب الآثار میں خود امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، كانت الصلاة في العيدين قبل الخطبة ثم يقف الامام على راحلته بعد الصلاة فيدعو الخ۔ (صحیح البخاری ص ۵۷۳ ج ۱) دونوں عیدوں میں نماز خطبہ سے پہلے ادا فرماتے۔ پھر بعد نماز امام اپنی سواری پر کھڑے ہو کر خطبہ دیتے پھر دعا مانگتے۔ ان احادیث سے ثابت ہو گیا کہ نماز عید کی فراغت کے بعد امام کو خطبہ ہی پڑھنا چاہیے اور دعا بعد خطبہ کے مانگے اور نماز و خطبہ کے درمیان کسی دعا کا مانگنا ثابت نہیں۔

﴿۲۳۶﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نماز عید کی پہلی رکعت میں امام تکبیرات زوائد کو بھول گیا اور سورۃ فاتحہ ختم کر دی پھر تکبیرات زوائد کہہ کر سورۃ فاتحہ دوبارہ پڑھی اور نماز مکمل کی۔ ہمارے محلّہ کے امام صاحب نے کہا ہے کہ نماز ہو گئی۔ آپ صحیح مسئلہ بتائیں کہ نماز ہو گئی یا نہیں؟۔ بینوا توجروا سائل محمد شعیب چشتی رضوی کالاباغ میانوالی

الجواب: عیدین کی پہلی رکعت میں اگر امام تکبیریں بھول گیا اور قرآت شروع کر دی تو حکم یہ ہے کہ الحمد شریف اور سورت پڑھنے کے بعد تکبیرات رکوع میں کہے یا قرآت کا کیا آخر میں کہہ لے۔ اسی طرح طرح بہار شریعت حصہ چہارم میں ہے اور فتاویٰ عالمگیر جلد اول مصری ص ۱۴۲ پر ہے، وذا نسى الامام تكبيرات العيد حتى قراء فانه يكبر بعد القرائة او في الركوع مالم يرفع راسه كذافي الفتاوى الخانية، یعنی جب امام تکبیرات عید کو بھول گیا

اورقرآت شروع کر دی تو قرات کے بعد تکبیر کہے یا رکوع میں کہے جب کہ سر نہ اٹھایا ہو ایسے ہی تارتارخانیہ میں ہے۔لہٰذا الحمد شریف پڑھنے کے بعد سورہ ملانے سے پہلے ہی بھولی ہوئی تکبیریں کہنا اور دوبارہ سورۂ فاتحہ پڑھنا دونوں باتیں غلط ہیں۔فتاویٰ عالمگیری کی عبارت مذکور بالا میں واضح طور پر موجود ہے کہ فانه يكبر بعد القراة او فی الركع پھر چونکہ امام تکبیرات عید بھول گیا اور محل غیر میں کہا اس لیے سجدہ سہو کرنا واجب ہوا فقہ حنفی کی مشہور کتاب بہار شریعت جلد چہارم ص ۵۳ پر ہے کہ عیدین کی سب تکبیریں یا بعض بھول گیا یا زائد کہیں یا غیر محل میں کہیں ان سب صورتوں میں سجدہ سہو واجب ہے۔اور فتاویٰ ہندیہ جلد اول مصری ص ۱۲۰ پر ہے، قال فی البدائع اذا تركها راوی تكبيرات العيد) او نقص منها اوزاد عليها اواتى بها فی غير موضعها فانه يبج عليه السجود كذا فی البحرالرائق پھر امام نے ایک ہی رکعت میں سورۂ فاتحہ دوبار پڑھی حالانکہ سورۃ سے پہلے ایک ہی بار الحمد شریف پڑھنا واجب ہے۔

جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری فصل واجب الصلوٰۃ میں ہے، يحب الاختصار فی الركعتين الاولیين على قراة الفاتحه مرة واحدة فی كل ركعة منهما هكذا فی الفقه

لہٰذا سورت سے پہلے قصداً دوبارہ سورۂ فاتحہ پڑھنے سے واجب ترک ہوا اور قصداً ترک واجب سے نماز کا اعادہ واجب ہوتا ہے۔ بہار شریعت جلد چہارم ص ۴۹ پر ہے قصداً واجب ترک کیا تو سجدہ سہو سے وہ نقصان دفع نہ ہوگا بلکہ اعادہ واجب ہے۔ ردالمحتار المعروف بشامی جلد اول ص ۵۱۹ میں ہے، العمد لا يجبره سجود الهو بل تلزم فيه الاعادة اور سہواً سورۃ سے پہلے دوبارہ الحمد شریف پڑھنے سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے۔ فتاویٰ ہندیہ جلد اول مصری ص ۱۱۸ میں

ہے،لو کررھا رای الفاتحۃ فی الاولین یحب علیہ سجود السھو بخلاف مالو اعادھا بعد السورۃ او کررھا فی الاخرین کذا فی البیین ،یعنی سورۃ سے پہلے الحمد شریف کی تکرار سے سجدہ واجب ہوتا ہے لیکن جمعہ اور عیدین میں اگر جماعت کثیر ہو تو بہتر یہ ہے کہ سجدہ سہو نہ کرے۔ھکذا فی الجزء الرابع من بھار شریعت نا قلا عن رد المھتار وغیرہ فتاوٰی عالمگیری جلد اول مصری ص۱۲۰ میں ہے، قالو الا یسجد للسھو فی العیدین اولجمعۃ لئلا بقع الناس فی فتنۃ کذا فی المضمرات نا قلا عن المحیط۔
یعنی مشائخ کرام نے فرمایا کہ عیدین اور جمعہ میں سجدہ سہو نہ کرے اس لیے کہ لوگ فتنہ میں پڑ جائیں گے اسی طرح مضمرات میں محیط سے منقول ہے۔لہٰذا صورت مستفرہ میں اگر امام نے قصداً دوبارہ سورۂ فاتحہ پڑھی تو نماز کا اعادہ کرنا واجب اور سہوا کی صورت میں اگر جماعت کثیر نہ تھی اور لوگوں کے فتنہ میں پڑ جانے کا اندیشہ نہ تھا تو امام پر سجدہ سہو کرنا واجب اور نہ کرنے پر نماز کا اعادہ واجب اور اگر جماعت کثیر تھی اور لوگوں کے فتنہ میں پڑ جانے کا اندیشہ تھا تو سجدہ سہو نہ کرنا بہتر ہے، ماخذ فتاوٰی فیض الرسول۔

﴿۲۳۷﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ امام نماز عید میں بھول کر کچھ تکبیرات واجبہ چھوڑ کر رکوع میں چلا جائے یا رکوع سے لوٹ کر سیدھا کھڑا ہو کر چھوڑی ہوئی تکبیرات کہے اور پھر رکوع کرے۔کیا اس صورت میں نماز عید ہو جائے گی یا اعادہ واجب ہے۔بینوا توجروا۔　　　سائل عبدالغفار موسیٰ خیل میانوالی۔

الجواب: صحیح یہ ہے کہ نماز ہو گئی۔مگر ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔درمختار میں ہے، کما

لورکع الامام قبل ان یکبر فان الامام یکبرفے الرکوع ولا یعود الی القیام لیکبر فی ظاھر الروایة فلوعاد ینبغی الفساد ۔شامی میں اس پر کہا ہے۔ و قد علمت ان العودروایة النوادزعلی انه یقال علیه ما قاله ابن الھمام فے ترجیح القول بعد الفساد فیما لو عاد الی القعود الا ول بعد ا ستتم قائما بان فیه رفض الفرض لا جل الواجب و ھو وان لم یحل فھو بالصحة لا یخل ۔(ردالمحتار جلداول ص۴۸۲) شامی ص ۵۶۱ ۔اور تکبیرات کا بالکل چھوٹ جانا یا بطریق مذکور قومہ میں ادا کرنا باعتبار ترک واجب برابر ہے۔اور نماز دونوں صورتوں میں ہو جاتی ہے۔ایسے امور کے ترک پر دراصل سجدہ سہو لازم ہوتا ہے۔لیکن جمعہ اور عیدین میں فقہاء نے ترک سجدۂ سہو کو اختیار فرمایا ہے۔

جیسا کہ درمختار میں والسھو فے صلاۃ العید والجمعة والمکتوبة والتطوع سواء والمختار عند المتاخرین عدمه فے الاولیین لدفع ا لفتنة ۔ (الدارالمختار ص ۷۰۵ ج ۱) و ھکذا فے الشامی ۔ اور تحقیق سے یہ بھی واضح ہوا کہ ترک فرض الی الواجب مفسد صلوۃ نہیں ہے۔اوراس صورت میں سجدہ سہو لازم نہ ہوا اور غلطی اور شبہ سے سجدہ کرلیا جائے تو نماز ہو جاتی ہے۔

﴿۲۲۸﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ کیا ایام تشریق میں تکبیر ہر نماز فریضہ کے بعد کہی جاتی ہے یا نہیں؟ کتنی مرتبہ کہنا واجب ہے؟

(سائل طاہر روَف میانوالی)

الجواب: تکبیر تشریق ایک دفعہ کہنا واجب ہے اس سے زیادہ واجب نہیں اور درمختار

میں عینی سے نقل کیا ہے کہ زیادہ کہنے میں فضیلت اور ثواب ہے کچھ حرج نہیں ہے۔ لیکن شامی میں ابو السعود سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ سے زیادہ کہنا خلاف سنت ہے۔ پس بہتر ہے کہ ایک دفعہ پر اکتفاء کیا جائے۔ عبارت شامی کی یہ ہے، ان الاتیان بہ مرتین خلاف السنۃ ویصلی الامام بھم رکعتین مثنیا قبل الزوائد وھی ثلاث تکبیرات فی کل رکعۃ ولو زادتا بعد الی ستتہ عشر لانہ ما ثور (الدر المختار ص ۷۷۹ جلد اول)

﴿۲۳۹﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کیا ایام تشریق کی تکبیریں نہ کہنے سے نماز میں کچھ نقصان ہوتا ہے یا نہیں وضاحت فرمادیں؟

سائل محمد خالد مظہر پپلاں میانوالی

الجواب: ایام تشریق کی تکبیریں ان لوگوں پر واجب ہوتی ہیں جو جماعت سے نماز ادا کریں اور اگر کوئی شخص تنہا نماز پڑھے تو اس پر تکبیر کہنا واجب نہیں ہے۔ تکبیریں چھوڑ دینے سے نماز میں نقصان نہیں ہوتا۔ الدر المختار ص ۷۸۴ جلد اول میں ہے، و یجب تکبیر التشریق مرۃ عقب کل فرض بلا فصل ادی جماعۃ مستحبۃ۔

﴿۲۴۰﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ محلہ کی جامعہ مسجد میں نماز عید پڑھی اور مجھے کچھ لوگ کہنے لگے کہ جامعہ مسجد میں نماز عید نہیں ہوتی قبلہ مفتی صاحب آپ ہی وضاحت کردیں کہ جامع مسجد میں نماز عیدین ہوتی ہے یا نہیں؟ کیا عیدگاہ میں جانا ضروری ہے؟ بینوا توجروا۔ سائل محمد عمران ساکن کالاباغ میانوالی

الجواب: عید کی نماز مسجد شہر میں بھی ادا ہو جاتی ہے مگر سنت متوارثہ یہ ہے کہ عیدین کی

نماز باہر کھلے میدان میں جا کر ادا کی جائے۔ کما فی الدرالمختار والخروج الیھا الی الجبانة لصلوٰة العید سنة وان وسعھم المسجد الجامع ھوالصحیح

درمختار ج ا ص ۷۷٦ اور شامی میں ہے، و فی الشامی تحت قولہ ای الجبانة وھی المصلی العام۔ ای فی الصحراء۔(ردالمحتار ص ۷۷٦ جلد ۱)

رسائل ارکان ص ۱۲۲ میں ہے،ثم افضل الصلوة فی المصلی خارج المصر للتوارث و یجوز ان یصلی فی المسجد ولا باس بہ عیدین کی نماز عیدگاہ میں افضل ہے۔ مسجد میں بھی پڑھ سکتے ہیں اس میں کوئی حرج نہیں۔ درمختار جلد اول صفحہ ٦۸۸ میں ہے،و تودی بمصر واحد بمواضع کثیرة اتفاقا یعنی نماز عیدین کا ایک شہر کے مختلف مقامات میں ادا کرنا بالاتفاق جائز ہے۔

﴿۲٤۱﴾ **فتوی شرعی** نوٹ: سراج الفقہا حضرت علامہ غلام محمود علیہ الرحمۃ کا ایک صدی پرانا فتوٰی (پپلاں ضلع میانوالی) کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ خروج الی المصلے یعنی عید کی نماز عیدگاہ میں جا کے ادا کرنا سنت ہدی اور سنت مؤکدہ ہے یا سنت زائدہ اور مستحب یا سنت کفایہ بقول بعض متفقہ مثل نماز تراویح کے اور جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین و تابعین و تبع تابعین و سلف صالحین و جماہیر علمائے دین کا عمل اس بارے میں کس طرح رہا ہے۔ عیدگاہ میں مجتمع ہو کے ادا کرتے رہے۔ یا متفرق طور پر مساجد میں۔ اور باوجود ہونے مصلین کے گنجائش جامع مسجد میں اور نہ

ہونے عذرات شرعی بارش و بیاری وضعف پیری وغیرہ کے عیدگاہ کی نماز ترک کر کے متفرق طور پر مساجد میں کاہلی وسستی سے ادا کرنا غیر ضروری تصور کر کے کسی قباحت شرعی کو ملتزم ہے یا نہیں۔؟　　　　سائل محمد انوار احمد سعید شاہ اسکندر آباد و میانوالی

الجواب : نماز عیدین کی عیدگاہ میں ادا کرنا سنت متوارثہ ہے۔یعنی جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اصحاب اور تابعین رضوان اللہ اجمعین وعامہ مومنین سلف سے خلف تک کا عمل اسی پر چلا آیا ہے اور آنحضرت ﷺ علی سبیل المواظبت یعنی ہمیشہ باوجود وفضیلت مسجد نبوی کے عیدگاہ میں نماز ادا فرماتے رہے۔صرف ایک مرتبہ بعذر بارش مسجد نبوی میں ادا فرمائی۔ روایات ذیل مثبت اس مدعا کے ہیں۔ **علامہ قسطلانی** شارح صحیح بخاری صحیحین کی حدیث ،و کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یخرج یوم الفطر والا ضح الی المصلی ای الجبانۃ کے تحت میں تحریر فرماتے ہیں،وانہ افضل من صلو تھا فی المسجد لمواظبۃ صلی اللہ علیہ وسلم علی ذالک مع فضل مسجد و علی ھذا عمل الناس فی الامصار۔اور نیز اسی کے قریب منقول ہے،قال ابن لقیم ولم یصلی العید بمسجدہ الا مرۃ واحدۃ اصابھم مطر فصلے بھم العید فی المسجد انتہ۔ و صلوتھا فی المسجد علی مذھب مالکؒ بدعۃ الا ان تکون ثم ضرورۃ داعیۃ الی ذالک فلیس ببدعۃ لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یفعلھا ولا واحد من الخلفاء بعدہ۔

پس رسول اللہ ﷺ اور خلفاء راشدین کا عید کی نماز ہمیشہ عیدگاہ میں ادا فرمانا دلیل واضح سنت مؤکدہ ہونے خروج الی المصلے کی یعنی عید کی نماز عیدگاہ میں ادا کرنے کی ہے۔کیونکہ سنت مؤکدہ کی یہی

تعریف ہے کہ جس فعل کو نبی علیہ السلام نے ہمیشہ بر سبیل عبادت کیا ہو۔ نہ بطریق عادت اور کبھی اتفاقاً ترک ہی فرمایا ہو وہ سنت ہدیٰ اور سنت مؤکدہ ہے۔ جس فعل کو نبی اکرم ﷺ نے ہمیشہ نہ کیا ہو وہ مستحب اور مندوب ہے۔ جو فعل بر سبیل عبادت نہ ہو بلکہ بر سبیل عادت ہو وہ سنن زائدہ سے ہے۔ جیسا کہ داہنہ ہاتھ سے کھانا داہنے ہاتھ کی طرف سے لباس پہننا شروع کرنا اور داہنا پیر پہلے مسجد میں داخل کرنا، چنانچہ کتب معتبرہ میں اس کی صراحت مذکور ہے۔ شرح وقایہ میں اور شیخ محقق اشعۃ اللمعات میں یہی لکھا۔

دوسری دلیل دوسری سنت مؤکدہ ہونے عید کی نماز عیدگاہ میں یہ ہے کہ عید کی نماز عیدگاہ میں ادا کرنے کو فقہ کی کتب معتبرہ میں صاف لفظوں میں سنت کہا ہے۔ اور اس کے تارک کو تارک سنت لکھا ہے۔ درمختار میں مذکور ہے، والخروج الیھا ای الجبانۃ لصلوۃ العید سنۃ و ان وسعھم المسجد الجامع ۔ اور نہر الفائق میں ہے، فی التجنیس و غیرہ الخروج الی الجبانۃ سنۃ و ان کان یسعھم المسجد الجامع عند عامۃ المشائخ وھو الصحیح و علیہ الفتویٰ۔ و ھکذا فی الفتاویٰ الھندیہ ، بحر الرائق اور فتح القدیر میں مذکور ہے کہ امام عیدگاہ کو واسطے نماز عید کو جاوے۔ اور شہر میں ضعفاء کو نماز پڑھانے کے واسطے کسی کو خلیفہ کر جائے۔ اور اس کی عبادت یہ ہے۔ السنۃ ان یخرج الا امام الی الجبانۃ و یستخلف من یصلی بالضعفاء فی المصر ۔ یہاں تک کہ کتب معتبرہ میں عیدگاہ کی نماز کو ترک کر کے جامع مسجد میں عید کی نماز ادا کرنے والوں کو تارک سنت قرار دیا ہے۔

چنانچہ بحر الرائق میں مذکور ہے، صلوۃ العید واجبۃ حتی لو صلی العید فی الجامع و لم

يتوجه الى المصلى فقد ترك السنة ،

تیسری دلیل خروج المصلے کی سنت مؤکدہ کی یہ ہے کہ تنویر البصار متن دُرمختار میں عید کے مستحبات کو بالتفصیل شمار کیا ہے۔ اور مستحبات مذکورہ سے خروج الی المصلے کو علیحدہ کر کے سنت کے لفظ سے یوں تعبیر کیا ہے، والخروج اليها سنة، اگر یہ بھی مستحبات میں داخل ہوتا تو مستحبات کے تحت سے علیحدہ نہ کیا جاتا۔ تنویر الابصار کی عبارت یہ ہے، و ندب يوم الفطر اكله قبل صلوتها واستبا كه واغتساله ولطيبه والبس احسن ثيابه واداء فطرته ثم خروجه ما شيا الى الحبانة والخروج اليها سنة۔

چوتھی دلیل یہ ہے کہ کتاب مدخل میں خروج الی المصلے کو صاف سنت مؤکدہ کہا ہے، عبارت اس کی یہ ہے، السنت فى صلوة العيدين ان تكون فى المصلى لان النبى ﷺ قال صلوة فى مسجدى هذا افضل من الف صلوة فيما سواه الا المسجد الحرام ثم مع هذا الفضيلة العظيمة خرج الى الى المصلى و ترك المسجد فهو دليل واضح على ناكدا لخروج الى المصلى لصلوة العيدين فهى سنة۔

پانچویں دلیل کتاب مدخل میں مذکورہ ابتدائی جواب جس میں عید گاہ کی نماز کے ترک کو بدعت کہا ہے۔ فی الواقع سنت متوارثہ کا ترک بدعت کا مصداق ہے۔ یہی دلیل سنت مؤکدہ ہونے کی خروج المصلے کی ہے۔ پس جب کہ سنت مؤکدہ ہونا خروج المصلے کا براہین واضحہ ثابت و متحقق ہو گیا تو مستفتی کا شبہ اور استفسار بات سنت زائدہ ہونے خروج المصلے یا سنت کفایہ ہونے کے مدفوع اور مرتفع ہو گیا۔ سنت زائدہ ہونے کا رفع اس وجہ سے کہ نماز عید گاہ عبادت محض ہے نہ از قبیل

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

عادات نبوی ﷺ جو اس کو سنت زائدہ کہا جا سکے۔ اور سنت زائدہ ہونے کا رفع اسطور ہے کہ نماز تراویح سنت کفایہ نہیں ہے۔ کہ بعض ادا کرنے سے اوروں کے ذمہ سے ساقط ہو جائے بلکہ ہر مکلف پر بنظر سنت مؤکدہ ہونے کے لازم ہے۔ پس مستفتی کا شبہ اور قیاس کشیدہ کا قیاس کرنا نماز عیدگاہ کو تراویح پر صحیح نہ ہوا۔

چھٹی دلیل عیدگاہ میں جو کثرت سے مسلمان جمع ہو کے نماز ادا کریں گے تو ہر نمازی کو ثواب جماعت کا بقدر کل مصلین کے مضاعف ہوگا۔ بحکم اس روایت کے،

فضل صلوة الجماعة علی صلوة الواحد خمس وعشرون درجة فان کانو اکثر فعلی عدد من فی المسجد فقال رجل و ان کانو عشرة الاف قال نعم و ان کانوا اربعین الفاهذ ایدل علی ان التضعیف المذکور فی الجماعة مرتب علی اقل عدد یحصل به الجماعة فیزید بزیادة المصلین ۔ اور عیدگاہ میں جمع ہو کہ نماز ادا کرنے میں سوائے حصول ثواب ادائے سنت کے عظمت وشوکت اسلام کا اظہار بھی ضمناً مقصود ہے۔

اسی مصلحت شرعی کو بھی شارع علیہ السلام نے ملحوظ فرمایا ہے، جس کی فی زمانہ بوجہ ضعف اسلام کے مثل زمانہ ابتداء اسلام کے زیادہ ضرورت ہے۔ اظہار شوکت اسلام کے لحاظ عیدگاہ کو ایک راہ سے آنحضرت ﷺ تشریف لیجاتے تھے اور واپسی دوسری راہ سے فرماتے تھے۔

علامه مفتی محمود علیه الرحمة

مصدق: (قدوة السالکین) حضرت علامه خواجه محمد اکبر علیؒ

۱۰ شوال المکرم ۱۳۴۳ھ

الصلوٰة والسلام علیک یا سیدی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

باب الجمعۃ

(جمعہ کا بیان)

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

﴿۳۴۲﴾ فتــوی شــرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، نماز جمعہ کے جائز ہونے کے لیے چند شرائط ہیں۔ جن میں سے ایک شہر ہونا ہے۔ شہر کی تعریف اہل علم نے مختلف بیان فرمائی ہے۔ تاہم شہر کی تعریف کوئی تعریف بھی لی جائے۔ ڈیرہ جات پر نماز جمعہ جائز نہیں ہے۔ گاؤں کا چھوٹا بڑا ہونا علیحدہ بات ہے۔ ڈیرہ جات سے مراد انفرادی قبیلے کے چند لوگ ہیں۔ ہمارے شہر پائی خیل ضلع میانوالی کے پہاڑی علاقہ میں چند قبائل علیحدہ ڈیرہ جات کی صورت میں آباد ہیں مثلاً ڈیرہ ملوخیل، ڈیرہ سرمت خیل، ڈیرہ مصری خیل، ڈیرہ زمان خیل، ڈیرہ مہاراں والا، ڈیرہ مہربان خیل، ڈیرہ راجو خیل، ڈیرہ بائیاں والا ۔ یہ تمام ڈیرہ جات علیحدہ علیحدہ فاصلہ پر مشتمل ہیں۔ لہٰذا ان تمام ڈیرہ جات کی آبادی بہت قلیل ہے جس میں کوئی بھی اتنی آبادی پر مشتمل نہیں ہے۔ جس میں نماز جمعہ ادا ہو سکے۔ حال ہی میں سنا ہے کہ ڈیرہ ملوخیل پر ایک انتہائی ان پڑھ انگوٹھا چھاپ امام مسجد نے نماز جمعہ پڑھانا شروع کر دیا ہے۔ کیا ایسی جگہ پر نماز جمعہ ہوگی یا نہ؟

بینوا توجروا۔   سائل سلطان احمد قادری میانوالی

الجــواب: ڈیرہ ملوخیل پر نماز جمعہ کا اجرا شرعاً جائز نہیں ہے۔ اور محمد اصغران پڑھ ہونے کے ناطے نماز جمعہ پڑھانے کا مجاز نہیں ہے۔ لہٰذا اس علاقہ میں رہنے والے مسلمانوں کو ہدایت کی جاتی ہے کہ ڈیرہ ملوخیل میں نماز جمعہ نہ پڑھیں۔ ان پڑھ امام نماز جمعہ پڑھانے کا مجاز نہیں ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کی نماز ضائع نہ کرے۔

﴿۳۴۳﴾ فتــوی شــرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ بعد ادائے جمعہ کے دو سنتیں پہلے پڑھی جائیں یا چار پہلے پڑھی جائیں؟ ۔ سائل محمد وقاص نقشبندی

الجواب: بعد از جمعہ ہمارے امام اعظم علیہ الرحمتہ کے نزدیک چار رکعتیں سنت ہیں جو ایک سلام کیساتھ یعنی چار اکٹھی پڑھی جائیں اور امام ابو یوسف علیہ الرحمتہ سے چھ رکعتیں آئی ہیں لہٰذا چھ پڑھنی اچھی ہیں کہ چھ میں چار بھی آجائیں گی مگر یوں پڑھے کہ چار پہلے ایک سلام کے ساتھ پڑھ لے اور بعد ازاں دو پڑھے۔ غنیۃ شرح غنیۃ ص ۳۷۲ میں ہے والا فضل ان یصلی اربعا ثم رکعتین للخروج عن الخلاف۔ بدائع الصنائع ص ۲۸۵ جلد ا میں ہے قال ابو یوسف ینبع ان یصلی اربعاثم رکعتیں۔ لہٰذا ادائے جمعہ کے بعد چار سنتیں پھر دو سنتیں پڑھی جائیں۔

﴿۲۴۴﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں،

(۱) آیا نماز جمعہ کی ادائیگی میں خطبہ ہونا ضروری ہے یا واجب یا سنت مئوکدہ یا غیر مئوکدہ یا مستحب ہے؟۔(۲) آیا نماز مذکور میں خطبہ نہ پڑھا جائے تو نماز کی ادائیگی میں کچھ فرق آئے گا یا نہیں؟۔(۳) آیا خطبہ کا نماز جمعہ سے پہلے ہونا ضروری ہے۔ یا بعد میں بھی ہوسکتا ہے اور پیش امام اور خطیب کا ایک ہونا ضروری ہے یا علیحدہ علیحدہ بھی ہوسکتے ہیں؟۔(۴) جو نماز بکراہت تحریمی ادا ہوئی تو اس کا اعادہ ضروری ہے یا نہیں؟۔ بینوا توجروا۔ سائل محمد اسلم خان پی اے ایف میانوالی

الجواب: اسی قسم کے سوالوں کے جواب دیتے ہوئے علامہ مفتی محمد اجمل قادری فتاویٰ اجملیہ میں لکھتے ہیں، (۱) خطبہ نماز جمعہ کے لئے فرض ہے اسی لیے شرائط جمعہ میں اس کا شمار ہے، تنویر الابصار میں ہے، والرابع الخطبۃ یعنی چوتھی شرط صحت جمعہ کی خطبہ ہے اور اس سے واضح تصریح درمختار میں ہے، و کفت تحمیدہ وتھلیلہ اوتسبیحہ للخطبۃ۔ المفروضۃ مع

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

الکراهة ۔یعنی کافی ہے خطبہ کے لیے ایک بار '' الحمد لله یا لا اله الا الله یا سبحان الله '' کہنا مگر انہی الفاظ پر اکتفا کرنا مکروہ ہے۔ باوجودیکہ فرضیت ادا ہو جائے گی ۔ کیونکہ سنت یہ ہے کہ دو خطبے پڑھے جائیں ۔ جیسے تنویر الابصار میں ہے، ویسن خطبتا بجلسة بینهما ۔اور مسنون ہیں دو خطبے مع ایک جلسہ۔لہٰذا نفس خطبہ جمعہ کے لیے فرض ہوا۔

(۲) جب خطبہ نماز جمعہ کی صحت کے لیے شرط ہے جیسا کہ تنویر الابصار اور اس کی شرح میں ہے، و یشترط لصحتها سبعة اشیاء ۔یعنی جمعہ کی صحت کے لیئے سات چیزیں شرط ہیں اور منجملہ ان کے چوتھی شرط جمعہ کی خطبہ ہے۔تو جمعہ بغیر خطبہ کے ہرگز نہ ہوگا۔ کیونکہ شرط کی نفی سے مشروط کی نفی ہوتی ہے۔درمختار میں ہے، فلو خطب قبله و صلی فیه لم تصح۔ یعنی اگر کسی نے خطبہ وقت سے پہلے پڑھ لیا اور نماز وقت میں پڑھی تو جمعہ درست نہیں ہوگا۔ لہٰذا جمعہ کی صحت کے لے خطبہ کا ہونا ضروری ہے۔

(۳) خطبہ قبل نماز ہی ہوگا۔درمختار میں ہے، کونها قبلها لان شرط السبی سابق علیه۔ یعنی پانچویں شرط صحت جمعہ کی خطبہ کا نماز جمعہ سے پہلے ہونا ہے۔اس لیے کہ شرط چیز کی اس سے پیشتر ہوا کرتی ہے۔رہا پیش امام اور خطیب کا ایک ہونا تو یہ کوئی شرط نہیں ہے۔اسی میں ہے، لا یشترط اتحاد الامام و الخطیب ،یعنی خطبہ پڑھنے والے اور نماز پڑھانے والے کا ایک ہونا شرط نہیں ہے۔علامہ تمرتاشی صاحب تنویر الابصار نے اس کی اور زیادہ تصریح فرمائی ہے۔

لا ینبغی ان یصلی بالقوم غیر الخطیب فان فعل بان خطب صبی باذن السلطان وصلی بالغ جاز۔ یعنی مناسب نہیں خطبہ پڑھنے والے کے علاوہ دوسرا شخص آدمیوں کو نماز

پڑھائے۔ پس اگر ایسا کیا جائے کہ امام جدا ہو اور خطیب جدا اس طرح کہ خطبہ ایک نا بالغ لڑکا سلطان کی اجازت سے پڑھے اور نماز کوئی بالغ پڑھائے تو نماز جائز ہوگی۔ صاحب درمختار لفظ جائز کے بعد لکھتے ہیں، وھو المختار، یعنی یہی قول علماء کا اختیار کیا ہوا ہے۔ لہٰذا مذہب مختار میں امام اور خطیب علیحدہ علیحدہ ہو سکتے ہیں اور ہرگز اس نماز میں کسی قسم کی کراہت یا خرابی نہیں ہوگی۔

(۴) شامی وغیرہ نے تصریح کر دی ہے کہ جو نماز بکراہت تحریمی ادا کی گئی ہو اس کا اعادہ واجب ہے۔

﴿۴۴۵﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ امام نے خطبہ پڑھا اور جب پڑھ چکا دوسرے شخص سے کہا آپ نماز پڑھائیے۔ اس شخص نے کہا میں خطبہ دوبارہ پڑھوں گا ورنہ نماز نہیں ہوگی۔ امام نے کہا کہ اگر دوبارہ پڑھو گے تو گنہگار ہو گے ان دونوں میں کون صحیح ہے؟ ۔بینوا توجروا۔ محمد اختر چوہدری ہرنولی میانوالی

الجواب: امام اور خطبہ پڑھنے والے کا ایک ہونا ضروری نہیں۔ چنانچہ درمختار میں ہے، لا یشرط اتحاد الامام والخطیب طحطاوی میں قنیہ سے نقل کیا گیا ہے، اتحاد الخطیب والامام لیس بشرط علی المختار نہر۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں دوبارہ خطبہ پڑھنے کی ضرورت نہیں پہلا خطبہ کافی ہے۔

﴿۴۴۶﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ امام جمعہ کے دن خطبہ پڑھ کر نماز سے قبل یعنی خطبہ اور نماز کے درمیان میں بات چیت کر سکتا ہے یا نہیں؟ ۔بینوا توجروا۔ سائل محمد انور بلوخیل میانوالی

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

الجواب: خطبہ اور نماز کے دوران دنیاوی باتیں کرنا مکروہ ہیں، ہاں کوئی دینی امر/ اعلان جس کا تعلق دین سے متعلق ہو تو ہرج نہیں، جیسا کہ کتب فقہ میں ہے، اما المتعلق بامور الدنیا مکروہ اجماعا وھکذا کله قبل الخطبة او بعدھا اسی طرح درمختار اور سراج اور بحر اور عنایہ اور نہایہ وغیرہا میں بھی ہے،

﴿۲۴۷﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ جب خطیب منبر پر ہو اور موذن اذان پڑھے تو اذان کے بعد امام و مقتدیوں کو ہاتھ اٹھا کر دعا پڑھنی چاہیے یا نہیں؟ ۔اس مسئلہ میں علمائے دین کیا فرماتے ہیں ۔بینوا توجروا سائل منصور احمد محلہ میانہ میانوالی

الجواب: جمعہ کے دن خطیب کے روبرو موذن اذان ثانی کہہ کر فارغ ہو تو خطبہ شروع کردے ۔چنانچہ ابوداؤد شریف میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے،

کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم یخطب خطبتین کان یجلس اذا صعد المنبر حتی یفرغ اراه المؤذن ثم یقوم فیخطب ثم یجلس فلا یتکلم ثم یقوم فیخطب ۔(ابوداؤد شریف مجتبائی ج ۱ ص ۱۶۳) حضور نبی کریم ﷺ دو خطبے پڑھتے تھے اور جب منبر پر تشریف لے جاتے اور خطبہ پڑھتے پھر بیٹھ جاتے اور کوئی کلام نہ فرماتے پھر کھڑے ہو جاتے اور خطبہ پڑھتے ۔ابوداؤد نے اپنے مراسیل میں حضرت ابن شہاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی، بلغنا ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم کان یبداء فیجلس علی المنبر فاذاسکت المؤذن قام فخطب فیخطب الخطبة الاولیٰ ثم جلس شیاء یسیرا ثم قام فخطب الخطبة الثانية حتی اذا قضاھا اسغفر اللہ ثم نزل

فصلی ۔(صحیح البھاری ج۲ ص۵۳۳)

ہمیں یہ بات پہنچی کہ رسول اللہ ﷺ خطبہ شروع کرتے اور منبر پر جلوس فرماتے پس جب موذن خاموش ہو جاتا تو کھڑے ہو جاتے اور خطبہ اولیٰ پڑھتے پھر کچھ دیر بیٹھتے پھر کھڑے ہو جاتے اور خطبہ دوسرا پڑھتے یہاں تک کہ جب اسے پورا فرمالیتے تو استغفار کرتے پھر منبر سے نیچے تشریف لاتے اور نماز پڑھاتے ۔ابن مندہ نے حضرت سعید بن خاطب رضی اللہ عنہ سے روایت کی، کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یخرج فیجلس علی المنبر یوم الجمعة ثم یوذن المئوذن فاذفرغ قام یخطب ۔ (صحیح البخاری ج ۲ ص ۵۳۲)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے اور جمعہ کے دن منبر پر جلوس فرماتے پھر جب موذن اذان کہہ کر فارغ ہو جاتا تو حضور ﷺ کھڑے ہو جاتے اور خطبہ فرماتے ۔

طبرانی نے کبیر میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی، قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذدخل احدکم المسجد والامام علی المنبر فلا صلاۃ ولا کلام حتی یفرغ الامام۔ (صحیح البھاری ج ۲ ص ۵٤٤) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تمہارا کوئی شخص مسجد میں پہنچے اور امام منبر پر ہو تو اس کے فارغ ہونے تک نہ کوئی نماز پڑھے نہ کوئی کلام ۔پہلی تین احادیث سے یہ ثابت ہوا کہ حضور ﷺ موذن کے اذان سے فارغ ہونے اور خاموش ہو جانے کے بعد خطبہ کے لیے کھڑے ہو جاتے اور خطبہ شروع کر دیتے تھے ۔لہٰذا فعل شارع علیہ السلام میں اذان اور خطبہ کے درمیاں دعا کرنے کی تسریح مذکور نہیں ہے اور حدیث چہارم میں حضور ﷺ نے صاف طور پر یہ فرمایا کہ امام کے منبر پر پہنچنے سے فارغ ہونے تک کوئی کلام

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اور نماز نہیں اور ظاہر ہے کہ کلام کا عموم دعا کو بھی شامل تو اس حدیث سے دعا کی ممانعت مستفاد ہو رہی ہے اسی طرح فقہ میں اس دعا کا ثبوت نہیں ملتا۔

فقہ کی مشہور کتاب درمختار اور وہ قدسی سے ناقل ہیں۔ اذا فرغ المؤذن قام الامام (ردالمحتار ض ۱ ص ۵۷۷) جب اذان کہنے والے فارغ ہو جائیں تو امام خطبہ کے لیے کھڑا ہو جائے۔ ہدایہ کے متن بدایہ اور قدوری میں ہے، اذا خرج الامام یوم الجمعة ترك الناس الصلاة والكلام حتى يفرغ من خطبته۔ (هدايه جلد اول ص ۱۵۱)

جب امام جمعہ کے دن نکلے تو لوگ نماز اور کلام چھوڑ دیں یہاں تک کہ امام اپنے خطبہ سے فارغ ہو جائے۔

علامہ شامی قولہ الی تمامھا کے تحت میں محیط اور غایۃ البیان سے ناقل ہیں، انهما يكرهان من حين يخرج الامام الى ان يفرغ من الصلاة۔ (ردالمحتار ج ۱ ص ۵۷٤)

نماز اور کلام امام کے نکلنے کے وقت سے نماز سے فارغ ہونے تک مکروہ ہے۔ ان عبارات سے یہ واضح ہو گیا کہ امام موذن کی اذان سے فارغ ہونے کے بعد ہی خطبہ کے لیے کھڑا ہو جائے تو اذان کے بعد اگر دعا ہوتی تو فقہاء کرام اس کی تصریح فرماتے معلوم ہوا اذان و خطبہ کے درمیان کوئی دعا مسنون نہیں۔ نیز متون فقہ میں یہ مسئلہ موجود ہے کہ خروج امام سے فراغت خطبہ تک کوئی کلام و نماز نہیں۔ شارحین فرماتے ہیں کہ عین خطبہ میں تو مطلق کلام ممنوع حتی کہ قرات و ذکر بھی ناجائز اب رہا خطبہ کے ماقبل و بعد تو اس میں کلام دنیوی تو بالاجماع مکروہ ہے۔ لیکن اجابت موذن و ذکر و تسبیح اور جواب وسلام وغیرہ کلام اخروی انہیں بھی لفظ کلام کے عموم داخل کر کے نفی کر دیا گیا تو دعا کلام

الصلاۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ہوئی اور کلام کا خروج امام سے فراغت نماز تک مکروہ ہونا تصریح فقہ ثابت ہے۔اور یہ دعا خروج کے بعد یا کہ اذان کے بعد میں ہے اس دعا کا مکروہ ہونا انہیں عبارات سے ہے۔بلکہ اس دعا کی کراہت خود قول امام اعظم علیہ الرحمتہ سے مستفاد ہے۔

مراقی الفلاح میں ہے، کان ابو حنیفة رحمة الله عليه يكره تشميت العاطس ورد السلا م اذا خرج الامام حتى يفرغ من صلاته۔ (طحطاوی ص ۳۰۱) امام ابوحنیفہ علیہ الرحمتہ چھینکنے والے کیلیے دعا کو اور سلام کے جواب کو خروج امام سے فراغت نماز تک مکروہ قرار دیتے تھے۔اس عبارت سے ظاہر ہے کہ جب خروج سے فراغت نماز تک جواب سلام مکروہ جو شرعاً ضروری بھی ہے خطبہ کی اذان کے بعد دعا تو نہ شرعاً ضروری ہے نہ سنت۔وقت اجابت جس میں دعا کی بکثرت احادیث میں ترغیب موجود ہے لیکن اس وقت میں زبان سے دعا کرنے کی اجازت نہیں۔صرف قلب سے دعا کرنا مسنون سنت قرار دیا جائے۔یہی حکم درود شریف کا ہے، اور اشھد کے وقت انگوٹھے چومنے کا ہے۔

چنانچہ علامہ شامی لکھتے ہیں، و فی هذاه لساعة اقوال اصحها او من اصحها انها فيما بين ان يجلس الامام على المنبر الى ان يقضى الصلاة كما هو ثابت فى صحيح مسلم عنه صلى الله عليه و سلم ايضا حليه قال فى المعراج سن الدعا بقلبه لا بلسانه لا نه ما مور بالسكوت۔(ردالمحتار جلد اول ص۵۷۸)

ساعت اجابت میں چار اقوال ہیں۔اصح قول یہ ہے کہ وہ ساعت امام کے منبر پر بیٹھنے سے فراغت نماز تک کے درمیان ہے۔جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت سے ثابت ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سے مروی ہے اس معراج میں کہا گیا کہ دعا قلب سے مسنون ہے زبان کے ساتھ نہیں کیونکہ سکوت کا حکم کیا گیا ہے۔ جب دعا ہی نہیں ہاتھ اٹھانے کی اجازت بھی نہ ہے۔

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

باب صلوٰۃ الجنائز

(نماز جنازہ کے مسائل)

﴿۳۴۸﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ ایک شخص نے اپنے آپ کو خودکشی کر کے مارڈالا تو اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے یا نہیں؟۔ بینوا توجروا۔ محمد اکرم اللہ خان ڈھیریاروو الامیانوالی ۔

الجواب: ایسے شخص کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ چنانچہ درمختار میں ہے، من قتل نفسہ ولو عمدا یغسل ویصلی علیہ و بہ یفتی وان کان اعظم وزرا من قتل غیرہ ،یعنی جس شخص نے اپنے آپ کو عمداً قتل کیا تو اسکو غسل دیا جائے اور اس کی نماز پڑھی جائے اسی پر علماء نے فتویٰ دیا اگر چہ یہ دوسرے کے قتل کرنے سے زیادہ گناہ ہے۔

﴿۳۴۹﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زوال کے وقت نماز جنازہ کا پڑھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔ سائل ملک جاوید اقبال طرہ باز ٹاؤن میانوالی

الجواب: اگر زوال کے وقت میں جنازہ آجائے تو اسی وقت نماز جنازہ پڑھ لی جائے، اس میں کوئی کراہت نہیں۔ وقت زوال کے گزرجانے کا انتظار نہ کیا جائے، البتہ قبل زوال جنازہ آنے کے باوجود تاخیر کر کے وقت زوال میں پڑھی جائے تو یہ مکروہ وممنوع ہے،

درمختار میں ہے، فی التحفۃ الافضل ان لا تو خروا الجنازۃ تحفۃ الفقہاء میں ہے، افضل یہ ہے کہ جنازہ مؤخر نہ کیا جائے۔ ردالمحتار میں ہے، اذا کان الافضل عدم التاخیر فی الجنازۃ فلا کراھۃ اصلاً وما فی التحفۃ اقرہ فی البحر و النھر و الفتح و المعراج لحدیث ثلاث لا یو خرن منھا الجنازۃ اذا حضرت۔ جنازہ میں تاخیر نہ کرنا ہی افضل ہے۔

زوال کے اوقات میں نماز جنازہ میں کوئی کراہت نہیں۔

﴿۲۵۰﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ جس مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز ہوتی ہو اس جگہ نماز جنازہ پڑھنا کیسا ہے؟۔ بینوا وتوا جرو

سائل حاجی محمد اسلم خان دلے والی میانوالی۔

الجواب: مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا مطلقاً مکروہ ہے۔ میت اور امام مسجد سے باہر ہوں تو اس میں فقہا کا اختلاف ہے۔ بوقت ضرورت جواز کا قول موجود ہے۔ حدیث شریف میں ہے، من صلی علی میت فی المسجد فلا صلوۃ لہ۔ رواہ ابن ابی شیبہ و فی روایتہ احمد وابی داؤد وفلا شئیٌ لہ وفی الروایۃ ابن ماجہ فلیس لہ شئی۔

(شامی ج ۱ ص ٦٢) یعنی جس نے میت پر مسجد میں نماز پڑھی تو اس کی نماز ہی نہیں دوسری روایت میں ہے کہ اسے کچھ اجر نہیں۔ تنویر الابصار ودرمختار میں ہے، و کرھت تحریما وقیل تنزیھا (فی مسجد جماعتہ ھو) ای المیت (فیہ) وحدہ او مع القوم والاختلاف فی (الخارجۃ) عن المسجد و حدہ او مع القوم (والمختار الکراھۃ) مطلقا۔ (درمختار ج۱ص٦١٩) شامی میں ہے، ان لاحدیث مؤید للقول المختار من اطلاق الکراھۃ الذی ھو ظاھر الروایۃ کما قد مناہ فاختنم ھذا التحریر الفرید۔ (شامی ص ٦٢) علامہ خرم علی غایۃ الاوطار ترجمہ درمختار میں لکھتے ہیں، حدیث مذکور مئوید قول مختار کی ہے کہ نماز (جنازہ) مسجد کے اندر ہر صورت مکروہ ہے۔

(غایۃ الاوطار ج ۱ ص ۴١٦) اس حدیث اور فقہ کی عبارات سے صاف طور پر ثابت ہو گیا کہ مسجد میں نماز جنازہ مطلق مکروہ ہے۔ یہ ایسی صورت میں ہوگا کہ میت اور مقتدی دونوں مسجد میں ہوں۔

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

﴿۳۵۱﴾ فتویٰ شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ الیکشن کے موقع پر اہل محلہ نے یہ شرط لگائی کہ جو امیدوار ہمیں جنازہ گاہ کے لیے رقم دے گا یا جگہ خریدے گا ہم اسے ووٹ دیں گے۔ تو ایک گستاخ شیعہ امیدوار نے اہل محلہ کو بلا کر مبلغ بیس ہزار روپے دے دیئے۔ جس سے اہل محلہ نے جنازہ گاہ تعمیر کر لی۔ دریافت طلب امر یہ ہے جنازہ گاہ مذکورہ میں نماز پڑھنا اور پڑھانا جائز ہے۔ بینوا توجروا۔ سائل حافظ محمد عطار سول والد حافظ محمد حیات چاہ میانہ ضلع میانوالی

الجواب: قبل از جواب ایک اصول ذہن نشین رہے کہ اصل مسئلہ کو نظر انداز کر دینا اور فرع پر عمل کرنا دانشمندی کے خلاف ہے۔ پوچھنے کے لائق یہ تھا کہ ووٹ جو ایک قومی امانت ہے تو امانت کسی غیر مستحق کو لالچ کے لئے دینا ناجائز ہے۔

مسلمانوں کو انفراداً اور اجتماعاً غیر مسلم سے امداد لینا ہرگز جائز نہیں ہے۔ خصوصاً امور دین میں زیادہ اجتناب ہونا چاہیے۔ شیعہ تبرائی ہو یا شیخین کریمین کا سبی ہو تو مطلقاً کافر ہے۔ ایسے شیعہ سے ناجائز بیس ہزار روپے امداد کا خواہاں ہونا غیر صحیح ہے۔ خصوصاً جنازہ گاہ کے لیے لینا جو امور دین سے متعلق ہے۔ اگر تبرائی سبی نہ ہے تو پھر بھی یہ کام مسلمانوں کے لیے زیبا نہیں ہے۔ ان تمام باتوں کے باوجود جنازہ گاہ میں نماز جنازہ جائز ہے۔ نماز ہو جانے میں کوئی شک نہ کیا جائے۔ ووٹ کے بدلے زمین پر تعمیر شدہ جنازہ گاہ میں نماز جنازہ ہو جائے گی۔ ووٹ کے لئے سودہ بازی شرعاً مناسب نہیں ہے۔

﴿۳۵۲﴾ فتویٰ شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ میت کو دفن کرنے کے بعد قبر پر اذان کہنے کا حکم ہے یا نہیں۔ کیونکہ یہاں پر بہت سے آدمی منع کرتے

ہیں۔ مفصل جواب عنایت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔ محمد شفقت شہباز خیل میانوالی

الجواب: بعض فقہاء نے قبر میں میت کو اتارتے وقت اذان کہنے کو سنت قرار دیا ہے۔ علامہ ابن حجر نے اس کی سنیت میں کلام فرمایا ہے۔ رد المحتار میں ہے، قیل و عند انزال المیت القبور قیاسا علی اول خروجه للدنیا و لکن رده ابن حجر (ردالمحتار مصر ۲۲۹ ج۲) علماء کرام کا اختلاف قبر پر آذان سنت ہونے نہ ہونے میں تھا۔ اذان کا قبر پر کا جائز ہونا تو اس میں فقہاء کرام کا کوئی اختلاف نظر سے نہیں گزرا۔ تو بعد دفن میت قبر پر اذان کہنا یقیناً جائز ہے۔ شریعت سے اس کی ممانعت کی کوئی دلیل صریح ثابت نہیں ہوئی۔ پھر جو شخص منع کرتا ہے وہ اس کی ممانعت پر کوئی صریح دلیل شرعی قائم کرے، ورنہ شرع پر افتراء باندھنے سے اجتناب کیا جائے۔

احادیث پر نظر کرنے کے بعد اس اذان سے میت کے لیے چند منافع مستفاد ہوتے ہیں۔

(۱)　اذان کی وجہ سے شر شیطان سے پناہ حاصل ہوگی۔

(۲)　تکبیر اذان کی بدولت عذاب نار سے امان پائیگا۔

(۳)　اذان سے جوابات سوالات منکر نکیر کے سوالات کے جوابات میں آسانی ہوگی۔

(۴)　اذان کے باعث عذاب قبر سے نجات پائے گا۔

(۵)　اذان میں ذکر رسول ﷺ کی برکت سے نزول رحمت ہوگی۔

(۶)　اذان کے سبب سے زوال غم اور حصول سرور و فرحت حاصل ہوگا۔

﴿۲۵۳﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ اجرت مقرر کر کے چند شخصوں کو قرآن خوانی کے لیے مقرر کرنا کئی روز برابر اجرت طے کر کے قبر پر

اس طرح پڑھوانا کہ کوئی شخص رات میں پڑھے کوئی دن میں پڑھے یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟۔

بینوا توجروا۔　　　　محمد عنصر خان زادے خیل میانوالی

الجواب: قبر پر قرآن کریم پڑھنے کے دام مقرر کر کے پڑھنا اور پڑھوانا ناجائز ہے۔

شامی میں ہے کہ علامہ خیر الدین رملی نے حاشیہ بحر میں فرمایا ہے، اقول المفتی به جواز الا خذ استحسانا علی تعلیم القرآن لا علی القراة المجردة كما صرح به فی التاتار خانية حيث قال لا معنی لهذاه الوصية ولصلة القاری بقرانه وهی بدعة ولم بفهلها احد من الحنفاء وقد ذكرنا مسلة تعليم القرآن علی لاستحسان ۔ تعنی للضرورة ولا ضرورة فی الاستيحار علی القراة علی القبر۔ (ردالمحتار مصری ج ٥ ص ٣٦)

میں کہتا ہوں کہ مفتی بہ قول تعلیم قرآن پر اجرت لینے کا جواز و استحسان ہے۔ قرآن کی تعلیم پر اجرت لینے کا جواز و استحسان ہے صرف قرآن پڑھنے پر اجرت لینا جائز نہیں جیسے کہ تاتارخانیہ میں اس کی تصریح کی فرمایا کہ قرآن پڑھنے کی وصیت اور قرآن خواں کی تلاوت پر اجرت کے کوئی معنی نہیں اس لیے کہ یہ دینا بمنزلہ اجرت کے ہیں کہ اس مین اجارہ باطل ہے اور یہ بدعت ہے اس کو خلفاء میں سے کسی نے نہیں کیا اور ہم نے جو مسئلہ تعلیم قرآن کی اجرت و استحسان کا ذکر کیا تو وہ ضرورت کے لیے ہے اور قبر پر اجرت سے قرآن پڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

ردالمحتار حاشیہ درمختار میں ہے، انما اجزوه فی محل الضرورة كالا ستيحار لتعليم القرآن اوالفقه اوالا ذان اوالامامة خشية التعطيل لقلة رغبة الناس فی الخير ولا ضروره فی لاالستيحار شخص يقرء علی القبر او غيره ۔ اقول هذا هو الصواب

وقد اخطاء فی مسلة جماعة ظنا منهم ان لامفتی بہ عندالمتاخرین جواز الاستیجار علی جمیع الطاعات (ردالمحتار ص ٤٥٧)

تعلیم قرآن وامامت پر اجرت کی جو فقہاء نے اجازت دی ہے وہ صرف محل ضرورت میں ہے تعلیم فقہ اذان یا امامت کی اجرت لینا معطل ہونے کے خوف سے جائز ہے کیونکہ لوگوں میں تعلیم قرآن کی طرف رغبت کم ہے قرآن خوانی کے لئے اجرت لینے میں کوئی ضرورت نہیں۔

اس مسئلہ میں ایک جماعت نے اس گمان پر خطا کی ہے کہ متاخرین کے نزدیک مفتی بہ قول تمام نیکیوں پر اجرت لینا کا جواز ہے۔

باقی اس کی ایک یہ صورت ہوسکتی ہے کہ حفاظ کو اپنے دیگر کاموں کے لیے ملازم رکھے اور ایک وقت ان سے یہ کام بھی لے لے۔ بلا اجرت مشروط و معروف کے قرآن مجید کا قبر پر پڑھنا جائز ہے صحابہ کرام کے عمل سے ثابت ہے۔ چنانچہ امام المحققین حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شرح الصدر و میں جامع خلال سے روایت نقل فرمائی ہے عن الشعبی قال کانت الانصار اذاماتت لهم المیت اذهبوا الی قبره اختلفو االی قبره یقرؤن له القرآن (شرح الصدور ص ١٣٠) اما شعبی سے مروی ہے کہ انصار میں سے جب کوئی مرجاتا تو اس کی قبر کی طرف جاتے اور اس کے لیے قرآن کریم پڑھتے۔

علامہ حسن شرنبلالی نورالایضاح میں فرماتے ہیں، لا یکره الجلوس للقرأة علی القبر فی المختار۔(نور الایضاح ص ٦٦) مذہب مختار میں قبر پر قرآن پڑھنے کے لیے بیٹھنا مکروہ نہیں۔ علامہ ابراہیم غنیۃ المستملی میں فرماتے ہیں،وا ختلفوا فی اجلاس القارئین لیقرو

اعند القبر و المختار عدم الکراھۃ۔ (غنیۃ لکھنو ص ٥٦٤) قبر پر قرآن پڑھنے کے لیے قرآن خواں کے بٹھانے میں فقہاء نے اختلاف کیا ہے اور مذہب مختار عدم کراہت ہے۔

علامہ محمد علاء الدین حصکفی درمختار میں فرماتے ہیں، لا یکرہ الدفن لیلا و لا اجلاس القارئین عند القبر ھو المختار۔ (شامی ج ١ ص ٦٣٣) میت کا رات میں دفن کرنا اور اس کی قبر کے پاس قرآن پڑھنے والوں کا بٹھانا مذہب مختار میں مکروہ نہیں۔ حاصل جواب یہ ہے کہ قرآن کریم کا قبر پر پڑھنا یا پڑھوانا ممنوع نہیں یہ تو ایسا ہے جو صحابہ کرامؓ کا معمول ہے لوگوں کی بجائے اعزو اقارب خود قرآن خوانی کیا کریں ممنوع اس نیک کام پر اجرت طے کرنا ہے اور دام ٹھرانا ہے۔

﴿٢٥٤﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں عورت ،مرد اور نابالغ بچہ کا کفن ازروئے شرع کتنا ہونا چاہیے۔ نیز کفن پہننانے کا طریقہ لکھ دیں تو بہت مہربانی ہوگی۔ بینوا توجروا۔　　　　سائل محمد عطاء اللہ آف شادیہ ضلع میانوالی۔

الجواب: (١) کفن مرد کے لیے سنت تین کپڑے ہیں جیسا کہ عالمگیری میں ہے، کفن الرجل سنۃ ازار و قمیص ولفافۃ یعنی مرد کا کفن سنت تہبند، قمیص اور لفافہ ہے۔ اور عورت کے پانچ کپڑے ہیں، درع و ازار و خمار ولفافۃ و خرقۃ تربط بھا ثدیاھا (عالمگیری) یعنی قمیص، تہبند، اوڑھنی، لفافہ او سینہ بند۔ اور نابالغ اگر حد شہوت کو پہنچ چکا ہو جس کا اندازہ لڑکوں میں بارہ سال اور لڑکیوں میں نو ہے تو وہ بالغ کے حکم میں ہے۔ یعنی بالغ کو کفن میں جتنے کپڑے دیئے جاتے ہیں اسے بھی دیئے جائیں۔ چھوٹے لڑکے اور ایک کپڑا اور چھوٹی لڑکی کو دو کپڑے کفن میں دے سکتے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ دونوں کو پورا کفن دیں اگر چہ ایک دن کا بچہ ہو۔ لفافہ

یعنی چادر کی مقدار یہ ہے کہ میت کے قد سے اسقدر زیادہ ہو کہ دونوں طرف باندھ سکیں۔ اور تہبند چوٹی سے قدم تک ہونا چاہے یعنی لفافہ سے اتنا چھوٹا جو بندش کے لئے زیادہ تھا۔ قمیص جس کو کفنی کہتے ہیں گردن سے گھٹنوں کے نیچے تک اور یہ آگے اور پیچھے دونوں برابر ہوں اور بعض لوگ پیچھے کم رکھتے ہیں یہ غلطی ہے۔ چاک اور آستین اس میں نہ ہوں۔ مرد کی کفنی مونڈھے پر چیریں اور عورت کیلیے سینہ کی طرف اور اوڑھنی نصف پشت ہے۔ سینہ تک ہونا چاہیے جس کا اندازہ تین ہاتھ یعنی ڈیڑھ گز ہے۔ اور عرض ایک کان کی لو سے دوسرے کان کی لو تک اور جو لوگ زندگی کی طرح اوڑھنی رکھتے ہیں یہ بیجا اور خلاف سنت ہے۔ اور سینہ بند پستان سے ناف تک اور بہتر یہ ہے کہ ران تک ہو۔ عالمگیری میں ہے، والا ولی ان تکون الخرقة من الثدیین الی الفخذ کذا فی الجوهرة النیره یعنی اور بہتر یہ ہے کہ سینہ بند سے پستان تک ہو جوہرہ نیرہ میں اسی طرح ہے۔

(۲) کفن پہنانے کا طریقہ یہ ہے کہ میت کو غسل دینے کے بعد بدن کسی پاک کپڑے سے آہستہ پونچھ لیں تا کہ کفن تر نہ ہو اور کفن کو ایک یا تین یا پانچ یا سات بار معطر کر لیں اس سے زیادہ نہیں۔ پھر کفن یوں بچھائیں کہ پہلے لفافہ پھر تہبند پھر کفنی پھر میت کو اس پر لٹائیں اور کفنی پہنائیں اور داڑھی اور تمام بدن پر خوشبو ملیں۔ اور موضع سجود یعنی ماتھے، ناک، ہاتھ، گھٹنے اور قدم پر کافور و خوشبو لگائیں۔ پھر تہبند لپیٹیں پہلے بائیں جانب سے پھر داہنی طرف سے پھر لفافہ لپیٹیں پہلے بائیں طرف سے پھر داہنی طرف سے تا کہ داہنا اوپر رہے اور سر اور پاؤں کی طرف باندھ دیں تا کہ اڑنے کا اندیشہ نہ رہے۔ عورت کو کفنی پہنانے کے بعد اس کے بال کے دو حصے کر کے کفنی کے اوپر سینہ پر ڈال دیں اور اوڑھنی نصف پشت کے نیچے سے بچا کر سر پر لا کر منہ پر مثل نقاب ڈال دیں کہ

سینہ پر رہے۔ پھر مرد کی طرح عورت کو بھی تہبند اور لفافہ لپیٹیں۔ پھر سب کے اوپر سینہ بند بالائے پستان سے ران تک لا کر باندھیں۔ عالمگیری جلد اول ص ۸۲ میں ہے، ثم الخرقة بعد ذلك تربط فوق الاکفان فوق الثديين كذافي المحيط یعنی پھر سینہ بند سب کپڑوں کے اوپر بالائے پستان باندھیں محیط میں اسی طرح او فتح القدیر میں ہے فی شرح الكنز فوق الاکفان یعنی شرح کنز الدقائق میں اس کی جگہ سب کپڑوں کے اوپر مذکور ہے۔

﴿۲۵۵﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ خاوند بیوی جنازے کو کندھا دے سکتا ہے یا نا محرم عورت کے جنازہ کو کندھا دینا درست ہے یا نہیں؟ نیز مرنے کے بعد منہ دیکھنا کیسا ہے۔ بینوا توجروا۔ سائل محمد عبداللہ خان محلہ عادل شاہ میانوالی

الجواب: بیوی کے جنازے کو کندھا دینا بلا شبہ جائز ہے۔ نامحرم کے جنازہ کو کندھا دینا بھی مستحب و درست ہے۔ اور ثواب ہے۔ اور چاروں پاؤں کو اٹھانا ہر ایک پائے کو دس قدم اٹھانا سنت ہے۔ ورنہ جیسے میسر ہو۔ واذاحمل النازة وضع ند با مقدمها على يمينه عشر خطوات ثم موخرها الخ ثم مقدمها على يساره موخرها (الدرالمختار ص ۸۳۳ ج ۱) اس کی ممانعت ثابت نہیں۔ اسکا منہ دیکھنا غیر محرم کے لئے منع ہے۔

﴿۲۵۶﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کیا حنفی مذہب میں غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ سائل محمد قیصر محمود میانوالی۔

الجواب: مذہب حنفی میں غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا اور پڑھانا ناجائز ہے کہ حضور پر نور علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز جنازہ کا بہت اہتمام فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ اگر کسی وقت

اندھیری رات یا دوپہر کی گرمی وغیرہ کے سبب صحابہ کرام حضور ﷺ کو اطلاع نہ دیتے اور دفن کر دیتے تو حضور ان پر غائبانہ نماز جنازہ نہ پڑھتے بلکہ ارشاد فرماتے لا تفعلوا ادعونی لجنائزکم یعنی ایسا نہ کیا کرو مجھے اپنے جنازہ کے لے بلا لیا کرو (ابن ماجہ) یہاں تک کہ صحابہ کرام کے کئی علماء کو کفار نے فریب سے شہید کر دیا تو حضور اکرم ﷺ کو اس واقعہ کا سخت رنج ہوا کہ ایک مہینہ تک ان کافروں پر خاص کر نماز میں لعنت فرماتے رہے مگر غائبین پر حضور اکرم ﷺ کا غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا ہرگز منقول نہیں۔ اس لیے کہ جنازہ کا نمازی کے سامنے ہونا شرائط جنازہ میں ہے جیسا کہ تنویر الابصار میں ہے، شرطها وضعه امام المصلی اور درمختار میں ہے، شرطها حضوره فلا تصح علی غائب۔ یعنی جنازہ کا حاضر ہونا نماز کی شرط ہے۔ لہٰذا کسی غائب پر نماز جنازہ صحیح نہیں۔ اور غائبانہ نماز جنازہ پڑھنے میں عموماً نماز جنازہ کی تکرار بھی پائی جاتی ہے جس کے ناجائز و گناہ ہونے پر مذہب حنفی کا اجماع ہے۔ جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے، تکرارها غیر مشروع، یعنی نماز جنازہ کی تکرار جائز نہیں۔ یہ دلیل پیش حضور اکرم ﷺ نے حضرت بادشاہِ حبشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی غائبانہ نماز جنازہ غائبانہ پڑھی تو اس لیے کہ ان کا انتقال دارالکفر میں ہوا تھا وہاں پر ان لوگوں نے نماز جنازہ نہ پڑھی تھی بغیر جنازہ دفن کر دیا تھا۔

(فتاویٰ رضویہ ماخذ فتاویٰ فیض الرسول)

واللہ اعلم بالصواب

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

﴿۲۵۷﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ ایک میت جو کہ اپنے وطن سے دور اس کی نماز جنازہ پڑھی گئی پھر اس کی میت کو اپنے گاؤں لایا گیا۔ وہاں کے لوگ اور خود اس کے بیٹے نے دوسری نماز جنازہ پڑھائی تو کیا دوسری نماز جنازہ جائز ہے یا نہیں؟۔ بینوا توجروا۔　　　　سائل انور خان میانوالی

الجواب: تکرار نماز جنازہ جائز نہیں ہے۔ درمختار میں ہے، تکرارھا غیر شروع نماز جنازہ کی تکرار جائز نہیں ہے۔ اسی طرح غنیۃ میں ہے۔ تکرار الصلوۃ علی میت واحد غیر مشروع ''ایک میت پر دوبار نماز جنازہ ناجائز ہے۔ اگر ولی نماز جنازہ پڑھنے سے محروم رہا ہو تو اس کا حق ہے کہ اب نماز پڑھے، بحرالرائق میں ہے۔ کسی میت پر دوبار نماز نہ پڑھو ہاں اگر ولی آئے تو حق اس کا ہے کہ کوئی دوسرا اس کا حق ساقط نہیں کرسکتا ہے۔ ردالمختار میں ہے۔ اس لیے کہ اس کا اعادہ ہر طرح نفل ہی ہوگا۔ اور یہ جائز نہیں ہے۔ بخلاف ولی کہ وہ صاحب حق ہے۔ لہٰذا مسئولہ صورت میں اپنے گاؤں میں دوبارہ نماز جنازہ اس کے اپنے بیٹے نے پڑھوائی یہ اس کا حق ہے۔ اس کے حق کو کوئی ساقط نہیں کرسکتا۔ لہٰذا اس کی نماز جنازہ جائز ہے۔

﴿۲۵۸﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ قیصر کے بھائی کا چالیسواں ہے اسمیں اس نے قرآن پڑھنے والے طلباء کے علاوہ محلے والوں کو بھی دعوت دی۔ اس میں رشتہ دار بھی آئے اور کھانے پینے کا خوب انتظام تھا کیا ایسا کرنا جائز ہے؟۔

بینوا توجروا۔　　　　سائل محمد قیصر محمود میانوالی

الجواب: (۱) چالیسواں کا کھانا فقراء و مساکین کے لئے ہے برادری، رشتہ داری

، محلے والے اور اغنیاء کو شادی کی طرح دعوت دے کر کھانا کھلانا اور فقرا کو نہ دینا ممنوع و ناجائز ہے۔ دعوت خوشی کی علامت ہے یہ بدعت سیئہ ہے۔ شامی جلد اول ص ۶۲۹ ہے، یکرہ اتخاذ الضیافۃ من الطعام من أهل المیت لانه شرع فی السرور لا فی السرور وهی بدعة اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ص ۲۱۴ میں تحریر فرماتے ہیں کہ جو طعام کہ عوام ایام موت میں بطور دعوت کرتے ہیں ناجائز و ممنوع ہے۔ لا ن الدعوة انما شرعت فی السرور لا فی السرور کما فی فتح القدیر وغیرہ۔ اغنیاء کو اس کو کھانا جائز نہیں۔ اور پھر صفحہ ۲۲۳ میں فرماتے ہیں کہ سوم تیجہ اور چہلم وغیرہ کا کھانا مساکین کو دیا جائے برادری کو تقسیم یا برادری کو جمع کر کے کھلانا بے معنی ہے۔ فتح القدیر وغیرہ میں یہی لکھا ہے۔ انتظام کرنے والے اور پکانے والے اغنیاء کے لیے چہلم کو کھانا جائز ہے لیکن نہ کھانا بہتر ہے اور یہ اس صورت میں ہے جب کہ انتظام کرنے کی نیت سے انہیں جمع کیا گیا ہو۔ اور اگر دعوت کے سبب جمع کیا تو ناجائز و ممنوع ہی رہے گا۔

﴿۳۵۹﴾ فتــــوی شــــرعــــی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، ہمارے ہاں دیہاتوں میں کسی فرد کی موت کے بعد بہت ہی فضول خرچی سے کام لیا جاتا ہے۔ ورثاءِ میت کھانا پکانے اور چائے شربت وغیرہ پلانے کے انتظامات میں شروع ہو جاتے ہیں یہ رسم و رواج عرصہ دراز سے ہیں کیا یہ شرعاً درست ہیں یا نہیں؟

بینوا توجروا۔ سائل محمد فصیح الدین قریشی دلیوالی میانوالی

الـــجـــواب: ہمارے ہاں جس طرح کئی فضول رسمیں اور بدعات روزمرہ قدم قدم پر

دیکھنے میں آتی ہیں۔ اسی طرح غمی وشادی کے مواقع پر بھی ان کا دور دورہ ہوتا ہے اور مسلمان نیکی سمجھ کر بسا اوقات گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں ان میں ایک رسم یہ بھی ہے کہ کسی کے مرنے پر تمام گاؤں بلکہ مضافات والوں کو میت کے گھر والے کھانا کھلاتے ہیں، اسے خیرات کہا جاتا ہے۔ کوئی اچھی خیرات کھلا دے تو اس کے گن گاتے ہیں اور نہ کھلائے تو مرنے والے اور اس کے خاندان کے خلاف بدگوئی اور طعن وطنز کی بھرپور مہم چلاتے ہیں، سادہ عوام ان جملوں سے بچاؤ کے لیے ادھار لے کر خیرات کا بندوبست کر کے جان چھڑاتے ہیں۔ کم لکھے پڑھے لوگ فرقہ ورانہ تعصبات پھیلانے کے لیے ان باتوں کو خوب اچھالتے ہیں۔ حالانکہ ایک شخص کے مرنے سے گھر میں قیامت ٹوٹ پڑتی ہے۔ بیوی، بیوہ اور بچے یتیم ہو جاتے ہیں، عزیزوں کی جدائی ہو جاتی ہے۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ ان کو صبر کی تلقین کے ساتھ ساتھ ان کی ہر ممکن مدد کرے، لیکن ہمارے ہاں ظلم کا یہ عالم ہے کہ اہل خانہ کی مدد تو کیا کریں گے ان پر اتنا مالی بوجھ ڈال دیتے ہیں کہ وہ اپنے عزیز کی جدائی کا صدمہ بھول جاتے ہیں، مہمانوں کی خدمت کا مسئلہ ان کے اعصاب پر بھوت بن کر سوار ہو جاتا ہے۔ ہمیں اس کا احساس نہیں ان مسائل کی طرف بھی دھیان دینا چاہیے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں من عزی مصابا فلہ مثل اجرہ ﴿جس نے کسی مصیبت زدہ کی دلجوئی کی اس کے لیے اتنا ہی اجر ہے جتنا مصیبت زدہ کے لیے (ترمذی ابن ماجہ)﴾ پہلے بزرگوں کا رواج تھا کہ جس گھر مرگ ہوتی وہاں محلہ کے ہر گھر سے کھانا بھیجا جاتا تھا جس سے ان کی امداد بھی ہو جاتی اور سنت پر بھی عمل ہو جاتا۔ پھر فرمایا من عزی ثکلی کسی بردا فی الجنۃ جس نے غمزدہ کی دلجوئی کی اس کو جنت میں چادر اوڑھائی جائے گی۔ (جامع ترمذی ج ۱، ص ۱۲۷) اہل

میت کو کھانا کھلاؤ حضرت جعفر طیارؓ کی شہادت کی خبر پہنچی تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا،

اصنعو الا ل جعفر طعاما فقد اتاهم ما يشغلهم جعفر کے گھر والوں کے لیے کھانا تیار کرو

کہ ان پر صدمہ آیا ہے جس نے ان کی توجہ اس سے ہٹا دی ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن جامہ)

آج کل بعض شہروں میں کمیٹیاں قائم کی ہوئی ہیں۔ جو ایسے مواقع پر اہل میت کے لیے کھانا تیار کر کے حکم نبوی علیہ ﷺ پر عمل کرتے ہیں۔ رشتہ داروں اور دوستوں کا حق ہے کہ وہ اپنے گھر سے کھانا بھجوائیں ایسے موقع پر اہل میت کے مسائل میں اور اضافہ کرنے کی بجائے انہیں کم کرنا چاہیے اور ان کی مدد کرنی چاہے۔ ایسے رسم و رواجوں کو ختم کرنا چاہیے جن کی بدولت اہل میت کے غم اور مشکلوں میں اور زیادہ اضافہ ہو۔ یہ رسم و رواج بالکل غلط ہیں۔ (ماخذ فتاویٰ فیض الرسول

﴿٣٦٠﴾ فتویٰ شرعی میانوالی میں رواج ہے کہ قل خوانی کے موقع پر لوگ (حلوہ) مٹھائی تقسیم کرنا ضروری سمجھتے ہیں بعض جگہ تیسرے دن لمبی چوڑی خیرات کی جاتی ہے جبکہ منکرین اسے حرام کہتے ہیں شرعی مسئلہ سے ہمیں آگاہ فرمائیں۔ سائل قاری جہان خان شہباز خیل میانوالی

الجواب: میت کے قل ایصال ثواب کا اجتماعی طریقہ ہے اس کا اصل حضور علیہ السلام کی وہ حدیث ہے کہ کسی میت کا سوگ تین دن سے زیادہ جائز نہیں ہاں بیوی اپنے خاوند کا سوگ عدت موت کی صورت میں چار ماہ دس دن منائیگی۔ تیسرے دن اجتماعی ایصالِ ثواب محفل سوگ کو ختم کرنے کے لئے بزرگوں نے یہ طریقہ اپنایا ہے جو مستحب و مستحسن امر ہے۔ رہا (حلوہ) مٹھائی یا خیرات کے نام پر عودت لازم ٹھرانا بدعت ہے اگر مرنے والے کی نابالغ اولاد ہو تو ان کا مال امانت ہے قل پر ہرگز ہرگز خرچ نہ کریں۔ اگر اس کے ورثاء اپنی طرف سے کھانے کا اہتمام کرتے ہیں تو

سادہ طریقے سے گھر میں صرف بیرونی مہمانوں کے لئے کریں دعوت ضیافت کا اہتمام نہ کریں۔

جیسا کہ محقق علی الاطلاق امام ابن ہمام علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں، یکرہ اتخاذ الضیافة من الطعام من اهل المیت لانه شرع فی السرور لا فی الشرور وهی بدعة مستقبحة۔

(میت والوں کی طرف سے کھانے کی دعوت ناجائز ہے۔ کہ شرح نے دعوت خوشی میں رکھی ہے۔ نہ کہ غمی میں۔ اور یہ بدعت قبیحہ ہے) اسی طرح فتاویٰ عالمگیری میں صراحتاً موجود ہے'' کہ تیسرے دن بھی ضیافت کرنا جائز نہیں۔'' فتاویٰ امجدیہ صفحہ ۳۳۵ پر مرقوم ہے'' بعض جگہ دستور ہے میت کے کھانے کو برادری اپنا حق سمجھتی ہے اگر نہ کھلائیں تو عیب لگاتے ہیں یقیناً یہ بدعت قبیحہ ہے ہاں ایصال ثواب کے لئے فقرا کو کھلائیں تو جائز ہے۔

فتح القدیر میں ہے جلد دوم صفحہ ۱۰۲، اور مراقی الفلاح، طحطاوی ص ۳۳۹ پر حضرت حسن شرنبلالی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں، تکرہ الضیافة من اهل المیت لا نها شرعت فی السرور لا فی الشرور و هی بدعة مستقبحة اور اسی طرح فتاویٰ عالمگیری جلد اول ص ۱۵۸ میں ہے، لا یباح اتخاذ الضیافة عند ثلاثة ایام کذا فی التتار خانیة یعنی غم کے موقع پر تیسرے دن دعوت کرنا جائز نہیں ہے، ایسا ہی تتارخانیہ میں ہے، فتاویٰ شامی جدل اول ص ۶۶۰ میں یہی لکھا ہے۔ امام اہلسنت اعلحضرت تحریر فرماتے ہیں، مردے کا کھانا صرف فقراء کے لیے ہو عام دعوت کے طور پر جو کرتے ہیں یہ منع ہے۔ غنی نا کھائیں۔ فتاویٰ رضویہ جلد چہارم صفحہ ۱۶۲۔ اعلحضرت اور مقام پر لکھتے ہیں، رہا میت کے گھر والوں کا رشتہ داروں، پڑوسیوں اور دوستوں کو دعوت دے کر کھلانا تو یہ بدعت قبیحہ ہے۔ حضرت صدر الشریعہ تحریر فرماتے ہیں، میت کے گھر والے تیسری (تیجہ) وغیرہ کے دن دعوت

کریں تو نا جائز و بدعت قبیحہ ہے کہ دعوت تو خوشی کے وقت مشروع ہے نہ کہ غم کے وقت اور فقراء کو کھلائیں تو بہتر ہے۔ فتاوی برکاتیہ ص ۲۶۰، فتاوی فیض الرسول جلد اول ص ۴۶۱ میں بھی یہی لکھا ہے۔ خلاصہ تحریر یہ ہوا کہ میت کے گھر والوں کی طرف سے کھانے پینے کی دعوت نا جائز اور بری بدعت ہے۔ اور جب ایسی دعوت نا جائز ہے تو اس کا قبول کرنا بھی نا جائز ہے۔ لہٰذا مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ شریعت پر عمل کریں اور رسم و رواج و نام ونمود کو چھوڑ دیں کہ ان میں کوئی ثواب نہیں۔

﴿۳۶۱﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میت کو قبرستان لے جاتے وقت سر کس طرف کرنا چاہیے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر قبرستان مشرقی جانب ہو تو اس میں بے ادبی ہے کہ سر آگے ہو اور پاؤں قبلہ کی طرف ہوں۔

سائل ملک عمر فاروق میانوالی۔

الجواب: سر آگے ہی ہونا چاہیے۔ فتاوی عالمگیر ص ۸۳ جلد ۱، بحر الرائق ص ۱۹۳ جلد ۲ میں ہے، والنظم من الهندية و في حالت المشى بالجنازة يقدم الراس كذا في المضمرات۔ اور یہی اکثر کتب معتبرۂ مذہب مہذب سے صراحۃً مستفاد کہ سنت طریقہ جنازے سے اٹھانے کا کامل یہ بیان فرمایا کہ پہلے جنازے کی اگلی طرف دائیں شانے پر پھر پچھلی طرف دائیں شانے پر پھر اگلی طرف بائیں شانے پر پھر پچھلی طرف بائیں شانے پر یوں اٹھائے کہ میت کی دائیں جانب اور اٹھانے والے کا دایاں شانہ اور میت کی بائیں جانب اٹھانے والے کا بایاں شانہ پر اٹھاتے جائیں۔ ہدایہ مصریہ مع الفتح ص ۹۷ جلد ۲، شرح الوقایہ ص ۲۵۷ جلد ۱، کنز الدقائق ص ۲۷

،بدائع صنائع ص ۳۰۹ میں ہے، والنظم من الهندية واما كمال السنت فلايتحقق الا في فواحد وهو ان يبدء الحامل بحمل يمين مقدم الجنازة كذا في التتار خانية فيحمله على عاتقه الايمن ثم الثو خر الايمن على عاته الايمن ثم الموخر الايمن على عاتقه الايمن ثم المقدم الايسر على عاتقه الايسر ثم الموخر اليسر على عاتقه الايسر هكذا في التبيين اورروز روشن کی طرح واضح ہو کہ اس صورتِ مسنونہ میں سر آگے ہی ہوگا۔

﴿۳۶۳﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں ہمارے ہاں دیکھا گیا ہے کہ اگر کوئی جمعہ کے دن فوت ہو جائے تو اس کی تجہیز و تکفین میں دیر کی جاتی ہے صرف اس وجہ سے کہ جمعہ کی نماز کے بعد جنازہ پڑھیں گے۔ کیونکہ لوگ زیادہ ہوں گے یا رشتہ داروں کا انتظار کیا جاتا ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔ سائل محمد نسیم خان پی اے ایف میانوالی

الجواب: تجہیز و تکفین میں جلدی کرنی چاہے۔ جمعہ کی نماز کا انتظار نہ کرنا چاہیے۔

درمختار ص ۸۳۲ ج ۱ میں ہے، وكره تاخير صلاته و دفنه ليصلى عليه جمع عظيم بعد صلاة الجمعة الا اذا خيف فوتها بسبب دفنه (درمختار) والا فضل ان يعجل بتجهيزه كله من حين يموت ۔ (بحرالرائق) میت کی تجہیز و تکفین کا انتظام مرنے کے بعد فوراً کرنا چاہیے۔ فضیلت جمعہ کی دن کے لئے ہے مرنے والا جس وقت فوت ہو دفن کر دیں فضیلت مل جاتی ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

﴿۲۶۳﴾ فتویٰ شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے ہاں رواج ہے کہ غیر محرم مردے کو عورتیں دیکھتی ہیں کیا یہ صحیح ہے یا نہیں؟ بینوو توجروا

سائل محمد شوکت پٹواری میانوالی

الجواب: غیر محرم عورتوں کو جیسا کہ زندگی میں اجنبی مرد کا چہرہ دیکھنا ممنوع ہے مرنے کے بعد بھی ممنوع ہے۔ اسی طرح مرد بھی مرنے کے بعد غیر محرم عورت کا چہرہ نہ دیکھیں۔

فی حدیث ام مکتوم فعمیاوان انتما الستما تبصرانه۔(مشکواہ ص ۲۶۹)

﴿۲۶٤﴾ فتویٰ شرعی بعض جگہ میت کے آس پاس جمع ہو کر قرآن خوانی کیجاتی ہے یا سورۃ یٰسین کی تلاوت کی جاتی کیا یہ شرعاً جائز ہے۔　　سائل محمد مدثر علی شاہ

الجواب: اگر میت کو غسل نہیں دیا تو میت کا جسم ناپاک ہوتا ہے بغیر نہلائے اس کے آس پاس قرآن کی تلاوت یا سورۃ یٰسین پڑھنا منع ہے اس کا حل یہ ہے کہ پہلے میت کو غسل دے دیں کفن دیکر اس کے اس پاس قرآن پڑھا جا سکتا ہے۔

﴿۲۶۵﴾ فتویٰ شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقہ میں ایک شخص فوت ہوا۔ کچھ لوگوں نے اس کی نماز جنازہ پڑھنے سے انکار کر دیا کہ ہم نے اس کو کبھی نماز پڑھتے نہیں دیکھا تھا کیا یہ درست ہے؟ کیا اس کا جنازہ پڑھنا جائز ہے؟

سائل محمد عمر ابا خیل میانوالی

الجواب: اس کی نماز جنازہ پڑھنا جائز بلکہ ضروری ہے

کیونکہ کلمہ گو مسلمان کا جنازہ ہے۔ والصلوٰۃ واجبة علی کل مسلم برا کان او فاجر اوان

عمل الکبائر رواہ ابوداؤد (مشکواۃ ص ۱۰۰)

﴿۲۶۶﴾فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں ہماری مسجد کے باہر والی جگہ پر نجس پڑا رہتا ہے۔لیکن نماز جنازہ وہیں پر پڑھی جاتی ہے کیا یہ درست ہے؟

بینوا توجروا۔ سائل منیر احمد کندیاں میانوالی

الجواب: زمین خشک ہونے سے پاک ہوجاتی ہے۔جیسا کہ حدیث میں ہے،

(مشکواۃ ص ۲۰۱)۔پس جب کہ زمین خشک ہو اور ظاہر اس پر کچھ نجاست نہ ہو تو وہاں نماز جنازہ درست ہے۔اگر خشک زمین پر کچھ نجاست خشک پڑی ہوئی ہو چا ہے کہ اس کو علیحدہ کر دیا جاوے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ عید و جنازہ کے لیے پاک و صاف مقام بنائیں۔

﴿۲۶۷﴾فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا ہیجڑے کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی یا نہیں؟ اور اگر پڑھی جائے تو طریقہ کار کیا ہوگا؟

سائل محمد اکرم محلہ میانہ میانوالی

الجواب: ہیجڑے کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔جیسے اور مسلمانوں کی پڑھی جاتی ہے ویسی ہی اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ وھی فرض علی کل مسلم مات خلا بغاۃ وقطاع طریق (الدر المحتار ص ۱۷۰۴ جلد ۱)۔ جس قسم کا ہیجڑہ ہوگا اسی قسم کی دعائیں پڑھیں۔ بالغ کے اعضا مرد یا عورت والے ہوں تو بڑے میت کی دعا مانگ لیں اگر نابالغ ہو تو جس قسم کے اعضا ہو اسی قسم کی دعا پڑھ لیں۔

واللہ اعلم بالصواب

﴿۳۶۸﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں ہمارے علاقہ میں دو آدمی فوت ہو گئے۔ امام صاحب نے ان دونوں کی نماز جنازہ اکھٹی پڑھا دی کیا یہ درست تھی یا نہیں؟ اور اگر کوئی آدمی جنازہ میں شامل ہوا اور اس کی کچھ تکبریں رہ جائیں تو کسطرح وہ تکبریں پوری کرے گا۔ بینوا توجروا۔ سائل محمد محسن نیازی میانوالی

الجواب: ایک ساتھ متعدد جنازوں کی نماز پڑھنا درست ہے۔ اور سب کی نماز ادا ہو جاتی ہے۔ اگرچہ بہتر علیحدہ علیحدہ پڑھنا ہے۔ درمختار میں ہے، واذا احتمعت الجنائز فافرادا الصلوٰۃ علی کل واحدۃ اولی وان جمع جاز (الدرالمحتار ص ۸۲۱) اور جو شخص نماز جنازہ میں بعد میں آکر شامل ہوا وہ بعد فراغ امام صرف تکبیرات کہہ کر سلام پھیر دے۔ دعا نہ پڑھے۔ اگر جنازہ کے اٹھ جانے کا اندیشہ ہے جیسا کہ اکثر ہوتا ہے۔

ردالمحتار میں ص ۸۲۰ جلد ا میں ہے، ثم یکبران ما فاتھما بعد الفراغ ان خشیا رفع المیت علی الاعناق۔

﴿۳۶۹﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں نماز جنازہ کے بعد دعا کا پڑھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔ سائل محمود احمد میانوالی۔

الجواب: بدائع الصنائع میں ہے، **ترجمہ:** یعنی ہم احناف کی یہ دلیل ہے جو ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ سے روایت کی گئی ہے کہ وہ ایک شخص کی نماز جنازہ سے رہ گئے۔ جب حاضر ہوئے تو انہوں نے استغفار سے زیادہ کچھ نہ کیا۔ یعنی صرف اس کی بخشش کے لیے دعا کی۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کے اکابر صحابہ کرام بھی نماز جنازہ کے بعد دعا فرماتے تھے۔

الصلوٰۃ والسلام علیک یا سیدی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۲۔ حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ نے ایک شخص پر نماز جنازہ پڑھی اور چوتھی تکبیر کے بعد چلے حتی کہ اس میت کے پاس آئے۔ ثم مشیٰ حتی اتاہ و قال اللھم عبدک و ابن عبدک فاغفرلہ ذنبہ و سع مدخلہ (مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الجنائز ص ۱۳۳)

پھر چلے حتیٰ کہ اس میت کے پاس آئے اور کہا اے اللہ یہ تیرا بندہ ہے اور تیرے بندے کا بیٹا ہے اس کے گناہ معاف فرمادے اس کی قبر کو کشادہ فرما۔

یہ دعا سلام پھیرنے کے بعد آپ نے فرمائی۔ کیونکہ یہاں ثم مشیٰ کے الفاظ موجود ہیں۔ یعنی جنازہ پڑھا کر میت کی طرف چلے اور نماز جنازہ میں تم نہیں چلا جاتا۔ معلوم ہوا کہ جنازہ کے بعد دعا کرنا نبی پاک ﷺ کے خلفائے راشدین کی بھی سنت ہے۔ اور ان کا بھی معمول تھا۔

پھر اس میں ایک قابل غور امر ہے کہ خاص اس حاضر میت کیلیے دعا فرمائی، اللھم عبدک، یہ بالکل اس حدیث پاک کے مطابق عمل ہے، اذا صلیتم علی المیت فاخلصوا لہ الدعاء (مشکوٰۃ شریف) جب تم میت پر جنازہ پڑھ چکو تو پھر میت کیلیے خاص دعا مانگو۔

اگر جنازہ کے اندر والی دعا ہوتی تو وہ مشترکہ دعا ہوتی ہے اللھم اغفرلحینا و میتنا

۳۔ عن نافع کان ابن عمر رضی اللہ عنہما اذا انتھیٰ الی جنازۃ قد صلی علیہ دعا وانصرف ولم یعد الصلوٰۃ قال ابو عمر نی التمھید ھذا ھو یصح من مذھب ابن عمر۔ ط **ترجمہ:** نافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اگر ایسے جنازہ پر پہنچے جس پر نماز جنازہ پڑھی جا چکی ہوتی تو صرف دعا کرتے اور لوٹ آتے۔ دوبارہ نماز جنازہ نہ پڑھتے ابو عمر رحمہ اللہ نے تمہید میں کہا کہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے مذہب میں

یہی صحیح ہے۔ صحابی رسول ﷺ کے اس عمل سے بھی ثابت ہوا کہ نماز جنازہ کے بعد دعاء عہد صحابہ میں مروج و معمول تھی۔ ورنہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو جب پتہ چلتا کہ نماز جنازہ پڑھی جا چکی ہے تو آپ بغیر دعا کے واپس آتے۔ حالانکہ الفاظ پر غور کریں تو صاف واضح ہے کہ دعا مانگتے اور واپس آتے۔ پس ثابت ہوا کہ نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنی چاہیے اور یہ جائز ہے۔ دعا سے روکنا میت سے دشمنی کے مترادف ہے
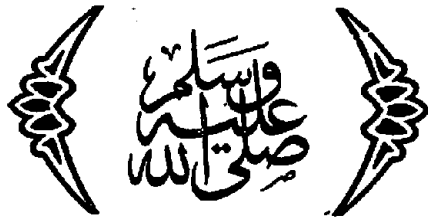
الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

باب الزکوٰۃ

(زکوٰۃ کا بیان)

﴿۳۷۰﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ملازم طبقہ کی جی پی فنڈ کی کٹوتی ہوتی ہے۔ جب وہ ملازمت سے ریٹائرڈ ہوگا یا ملازمت کے دوران وہ جمع شدہ رقم نکلوائے گا؟۔ اس پر زکوٰۃ کب سے واجب ہوگی۔　　　سائل محمد نصیر میانوالی

الجواب: ملازم اگر مالک نصاب ہے تو دیگر مال زکوٰۃ کے ساتھ فنڈ مذکور میں جب سے رقم جمع ہونی شروع ہوئی ہے اسی وقت سے اس رقم پر بھی زکوٰۃ ہر سال واجب ہوگی اور اگر مالک نصاب نہیں ہے تو جب فنڈ کی رقم ملے گی۔ دوسرے مالوں کے ساتھ جوڑنے سے 52.1/2 (ساڑھے باون) تولہ چاندی کی مالیت کو پہنچ جائے اور حوائج اصلیہ سے بچ کر اس پر سال گزر جائے اس وقت فنڈ کی رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی اور پھر سال بسال واجب ہوتی رہے گی۔

﴿۳۷۱﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرا بھائی نے جو کہ صاحب نصاب ہے ایک لاکھ روپیہ فکس ڈیپازٹ (بینک یا ڈاکخانہ میں) کیا جو سات سال کے بعد دوگنی رقم ہو کر اس کو ملے گی۔ تو میرا بھائی اس کی زکوٰۃ کس طرح ادا کرے؟۔

بینوا توجروا۔　　　سائل محمد علم الدین میانوالی

الجواب: معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ فکس ڈیپازٹ کرنے والا ہر سال ایک متعین نفع کا مالک ہوتا ہے۔ جسے وہ ہر سال نکلوا بھی سکتا ہے اگر یہ صحیح ہے تو فکس ڈیپازٹ کرانے والے پر ہر سال اصل رقم اور نفع کی زکوٰۃ نکالنا واجب ہے۔ اگرچہ فکس ڈیپازٹ کرانا شرعاً ناجائز ہے۔

﴿۳۷۲﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ چاندی کا نصاب 52.1/2 (ساڑھے باون) تولہ ہے۔ اگر کسی کے پاس چاندی کسی شکل میں

نہیں (اور سونا بھی کسی شکل میں نہیں) مگر نوٹ ہیں تو کتنے روپے کے نوٹ ہونے پر وہ صاحب نصاب مانا جائے گا؟۔ بینوا توجروا۔ سائل محمد وزیر آرائیں میانوالی۔

الجواب: اگر کسی کے پاس سونا چاندی نہیں ہے اور نہ مالِ تجارت ہے مگر اتنے نوٹ ہیں کہ بازار سے مذکورہ بالا چاندی یا ساڑے سات تولہ سونا خرید سکتا ہے تو وہ مالک نصاب ہے۔ اس پر زکوٰۃ فرض ہے ورنہ نہیں۔ یعنی کم سے کم ساڑے باون تولے چاندی یا سات تولے سونا کی قیمت کے نوٹ ہوں تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔

﴿۲۷۳﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا غلہ کی پیداوار میں زکوٰۃ نکالنا واجب ہے اگر واجب ہے تو دسواں حصہ نکالا جائے۔ یا بیسواں۔ نیز کٹائی وغیرہ کی مزدوری نکال کر باقی غلہ کی زکوٰۃ نکالی جائے یا کل پیداوار کی؟۔

بینوا توجروا۔　　　　　　سائل عبدالغفار ولد عبدالجبار میانوالی۔

الجواب: بیشک غلہ کی پیداوار میں زکوٰۃ نکالنا واجب ہے۔ قرآن مجید پارہ ۸ رکوع ۴ میں ہے، واتوا حقه يوم حصاده ، یعنی کھیتی کٹنے کے دن اس کا حق ادا کرو۔ اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سرکار اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر اس شئے میں جسے زمین نے پیدا کیا عشر یا نصف عشر یعنی دسواں یا بیسواں ہے۔ جو کھیت بارش یا نہر نالے کے پانی سے سیراب کیا جائے اس میں عشر یعنی دسواں حصہ واجب ہے اور جس کی آب پاشی مشین سے یا نہر سے ہو اس میں نصف عشر یعنی بیسواں واجب ہے۔ اور پانی خرید کر آبپاشی کی ہو جب بھی نصف عشر واجب ہے۔ ھکذا فی الدر المختار و رد المحتار جس چیز میں عشر یا نصف عشر واجب ہوا اس میں کل

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

پیداوار کا عشر یا نصف عشر دیا جائے گا۔ مصارف زراعت ہل، تھریشر، وغیرہ کے بعد حساب کرے اسی حساب سے عشر ادا کرے، حفا والوں کی اجرت بیج وغیرہ نکال کر باقی کا عشرہ یا نصف عشر دینے سے پوری زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ ان کے مصارف کو منہا نہ کریں۔

﴿۲۷۴﴾فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زکوٰۃ، صدقہ فطر اور چرم قربانی اپنی حقیق بہن، حقیقی پھوپھی اور تایا کو دینا جائز ہے یا نہیں؟۔

سائل محمد بلال خان میانوالی

الجواب: اپنی حقیقی بہن اور حقیقی پھوپھی اور تایا اگر صاحب نصاب ہوں تو زکوٰۃ او صدقہ فطر دینا جائز نہیں اور اگر صاحب نصاب نہ ہوں تو دے سکتے ہیں۔ لیکن تکیہ دار کو جس سے سال بھر بلا اجرت دیئے ہوئے کام لیتے ہیں پھر انہیں کاموں کے لحاظ اور دباؤ سے زکوٰۃ اور صدقہ فطر نیز چرم قربانی دیتے ہیں کہ جس میں تکیہ دار اس زکوٰۃ و صدقہ فطر کو اپنے لیے اجرت ہی سمجھتا ہے تو یہ ہرگز ہرگز جائز نہیں۔ تاہم چرم قربانی قریبی غریب رشتہ داروں کو دیئے جاسکتے ہیں۔

﴿۲۷۵﴾فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ سوتیلی ماں کو زکوٰۃ کا روپیہ دے سکتے ہیں یا نہیں؟۔ بینوا و توجروا۔ سائل خان زمان خان میانوالی

الجواب: سوتیلی ماں کو زکوٰۃ دینا جائز ہے جیسا کہ ردالمحتار جلد ثانی ص ۶۳ میں تاتار خانیہ سے ہے، یجوز دفعها لزوجة ابی۔

﴿۲۷۶﴾فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں صدقہ فطر کا پیسہ کن کن مدوں میں صرف کیا جاسکتا ہے۔؟ نیز چرم قربانی اور زکوٰۃ کا روپیہ کہاں کہاں

صرف کیا جا سکتا ہے۔؟ بینوا توجروا۔　　　　سائل نجیب اللہ خان غنڈی میانوالی

الجواب: زکوٰۃ اور صدقۂ فطر میں جن لوگوں پر صرف کیا جا سکتا ہے ان میں سے چند یہ ہے۔

ا۔ فقیر یعنی وہ شخص کہ جس کے پاس کچھ مال ہو لیکن نصاب بھر نہ ہو۔

۲۔ مسکین یعنی وہ شخص کہ جس کے پاس کھانے کے لیے غلہ اور بدن چھپانے کے لیے کپڑا بھی نہ ہو۔

۳۔ قرض دار یعنی وہ شخص کہ جس کے ذمہ قرض ہو اور اس کے پاس قرض سے فاضل کوئی مال بقدر نصاب نہ ہو ۴۔ مسافر کے پاس سفر کی حالت میں مال نہ رہا اس پر بقدر ضرورت صرف کیا جا سکتا ہے

اور جن لوگوں پر زکوٰۃ صدقۂ فطر صرف نہیں کیا جا سکتا ہے وہ یہ ہیں

ا۔ مالدار یعنی وہ شخص جو مالک نصاب ہو، سادات کرام، بنی ہاشم یعنی حضرت علی، حضرت جعفر، حضرت عقیل اور حضرت عباس و حارث بن عبد المطلب کی اولاد پر زکوٰۃ و صدقہ فطر نہیں صرف کیا جا سکتا۔ اپنی اصل اور اپنی فرع یعنی ماں باپ، دادا، دادی، نانا، نانی وغیرہم اور بیٹا بیٹی، پوتا پوتی، نواسا نواسی پر صرف نہیں کیا جا سکتا۔

عورت اپنے شوہر پر اور شوہر اپنی عورت پر اگر چہ مطلقہ ہو تا وقتیکہ عدت میں ہو زکوٰۃ و صدقۂ فطر نہیں صرف کیا جا سکتا۔ مالدار مرد کے نابالغ بچے پر نہیں صرف کیا جا سکتا ہے مالدار کی بالغ اولاد پر جب کہ وہ فقیر ہو صرف کیا جا سکتا ہے۔ کافر یا کسی دوسرے مرتد اور بد مذہب پر نہیں صرف کیا جا سکتا۔

نیز زکوٰۃ و صدقۂ فطر کا مال مردہ کی تجہیز و تکفین یا مسجد و مدرسہ کی تعمیر میں نہیں لگایا جا سکتا۔

جیسا کہ انوار الحدیث ص ۱۹۲ اور فتاویٰ عالمگیری جلد اول مصری ص ۱۷۶ میں ہے، لا یجوز ان

یبنی بالزکاۃ المسجد و کذاالحج و کل مالا تملیکفیہ ولا یجوز ان یکفن بھامیت ولا یقضی بھا دین المیت کذا فی التبین۔ ہاں اگر زکوٰۃ وصدقۂ فطر کا مال مسجد ومدرسہ وغیرہ کی تعمیر میں صرف کرنا چاہیں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ کسی ایسے شخص کو دیدیں جو مالک نصاب نہ ہو پھر وہ صرف کرے تو ثواب دونوں کو ملے گا۔ (ردالمختار، بہار شریعت) صدقہ کی دوقسمیں ہیں۔ صدقۂ واجبہ اور صدقہ نافلہ۔ صدقہ واجبہ مثلاً کسی نے نذر مانی کہ میرا لڑکا تندرست ہوگیا تو میں اتنا مال اللہ کے راستے میں خرچ کروں گا تو اس مال کے مصارف وہی ہیں جو زکوٰۃ وصدقہ فطر کے مصارف ہیں۔ اور صدقہ نافلہ سے مردہ کی تجہیز وتکفین اور مدرسہ ومسجد کی تعمیر میں بھی خرچ کیا جاسکتا ہے۔ قربانی کرنے والا چرم قربانی کو بیچنے سے پہلے اپنے استعمال میں لاسکتا ہے اور امیر وغریب کسی کو بھی دے سکتا ہے، لیکن اگر بیچ ڈالا تو اس کی نیت دیکھی جائے گی۔ اگر صدقہ کرنے کی نیت سے بیچا ہے تو امیر وغریب اور مسجد ومدرسہ وغیرہ کی تعمیر پر بھی صرف کرسکتا ہے اور اگر پیسہ کو اپنی ضرورت میں صرف کرنے کے لیے بیچا ہے تو اس صورت میں وہ پیسہ صرف انہیں لوگوں پر صرف کیا جاسکتا ہے جن پر زکوٰۃ وصدقہ فطر صرف کیا جاسکتا ہے۔ اپنے استعمال میں نہیں لاسکتا۔

﴿۲۷۷﴾ فتویٰ شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص صاحب نصاب ہے اس پر زکوٰۃ فرض ہے۔ اور وہ اپنی زکوٰۃ کی رقم نکالنا چاہتے ہیں لیکن ابھی تک اس مال پر پورا سال نہیں گذرا ہے۔ ایک پڑھے لکھے آدمی فرماتے ہیں کہ ان کی زکوٰۃ قبول نہیں۔ کیوں کہ ابھی مال پر ایک سال نہیں گذرا ہے۔ شرع کے مطابق جواب دیں۔

بینوا توجروا۔ (سائل محمد سعید میانوالی)

الصلوٰۃ والسلام علیک یا سیدی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

الجواب: شخص مذکور اگر سال گذشتہ مالک نصاب تھا جس پر سال پورا ہو چکا ہے اب نئے سال کے درمیان اسی جنس کا کچھ اور مال حاصل ہوا تو اس نئے مال کا سال جدا نہیں ہوگا بلکہ پہلے مال کا ختم سال اس کے لیے بھی سال تمام ہے۔ اگر چہ سال تمام سے ایک ہی منٹ پہلے ہوا ہو۔ اور اگر سال گزشتہ مالک نصاب نہیں تھا امسال ہوا تو مال پر سال گزرنے کے بعد ادائیگی واجب ہوگی۔ اور مالک نصاب پرانا ہو یا نیا بہر صورت سال تمام سے پہلے پیشگی زکوٰۃ ادا کرنا جائز ہے۔ اعلحضرت امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں اولیت چاہے تو سال تمام ہونے سے پہلے پیشگی ادا کرے اس کے لیے بہتر ماہ مبارک رمضان ہے جس میں نفل کا ثواب فرض کے برابر اور فرض ستر فرضوں کے برابر (فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ص ۴۳۹)

﴾۲۷۸﴿ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ غلہ کے عشر کے لیے نصاب کی کوئی شرط ہے یا نہیں؟۔ اگر نہیں ہے تو کم از کم کتنے غلہ پر عشر واجب ہوتا ہے؟۔ بینوا توجروا۔　　　　　　(سائل محمد رمضان میانوالی)

الجواب: غلہ کے عشر کے لیے امام صاحب کے نزدیک نصاب کی شرط نہیں۔ کم سے کم ایک صاع بھی پیدا ہو تو عشر واجب ہو جائے گا۔ درمختار میں ہے، "تجب بلا شرط نصاب۔" اور ردالمحتار جلد دوم ص ۴۹ میں ہے:" یجب فیما دون النصاب بشرط ان یبلغ صاعاً۔"

﴾۲۷۹﴿ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ سبزیوں میں زکوٰۃ ہے یا نہیں ؟۔ اگر ہے تو کس حساب سے نکالنا چاہیے ؟۔ بینوا و توجروا۔　　　　　　(سائل عصمت اللہ خان میانوالی)

الجواب: سبزیوں میں اور تمام ترکاریوں میں زکوٰۃ واجب ہے۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اول مصری ص ۱۷۴ میں ہے، "یجب العشر عند ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فی کل ماتخرجہ الارض من الحنطۃ والشعیر والدخن والارز واصناف الحبوب والبقول قل او کثر ھکذا فی فتاویٰ قاضی خان ملخصاً۔" یعنی امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک گیہوں، جو، باجرا، دھان اور ہر قسم کی غلے اور ہر طرح کی سبزیوں میں عشر واجب ہے۔ تھوڑا پیدا ہو یا زیادہ۔ ایسا ہی فتاویٰ قاضی خاں میں ہے۔ پھر جو سبزیاں کہ زمین کی نمی یا بارش کے پانی سے پیدا ہوں ان میں کل پیداوار کا عشر یعنی دسواں حصہ زکوٰۃ نکالنا واجب ہے۔ اور جو ٹیوب ویل وغیرہ سے سیراب کر کے پیدا کی جاتیں ہیں ان میں نصف عشر یعنی بیسواں حصہ واجب ہے۔

﴿۳۸۰﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں بھیک مانگنا کیسا ہے؟ اور بھیک مانگنے والوں کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟۔

بینوا توجروا۔　　　　(سائل عبدالحمید خان میانوالی)

الجواب: بھیک مانگنے والے تین طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک مالدار، فقیر، جوگی اور سادھو۔ ان کے لیے بھیک مانگنا حرام اور انہیں دینا بھی حرام ہے۔ ایسے لوگوں کو دینے سے زکوٰۃ نہیں ادا ہوسکتی۔ دوسرے وہ جو حقیقت میں فقیر ہیں یعنی نصاب کے مالک نہیں ہیں۔ مگر مضبوط و تندرست ہیں، کمانے کی قوت رکھتے اور بھیک مانگنا کسی ایسی ضرورت کے لیے نہیں جوان کی طاقت سے باہر ہو۔ مزدوری وغیرہ کوئی کام نہیں کرنا چاہتے۔ مفت کھانا کھانے کی عادت پڑی ہے۔ جس کے سبب بھیک مانگتے پھرتے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے۔" لا تحل الصدقة لغنی ولا لذی مرة سوی۔"یعنی نہ کسے مالدار کے لیے صدقہ حلال ہے اور نہ کسی توانا تندرست کے لیے۔ایسے لوگوں کو بھیک دینا منع ہے یہ گناہ پر مدد کرنا ہے۔لوگ اگرنہیں دیں گے تو وہ محنت مزدوری کرنے پر مجبور ہوں گے۔اور بھیک مانگنے والوں کی تیسری قسم وہ ہے کہ جو نہ مال رکھتے ہیں اور نہ کمانے کی طاقت رکھتے ہیں یا جتنے کی حاجت ہے اتنا کمانے کی طاقت نہیں رکھتے۔ایسے لوگوں کو اپنی حاجت پوری کرنے بھر کی بھیک مانگنا جائز ہے اور مانگنے سے جو کچھ ملے اور وہ ان کے لئے حلال وطیب ہے۔اور یہ لوگ زکوٰۃ کے بہترین مصرف ہیں۔انہیں دینا بہت بڑا ثواب ہے۔اور یہی وہ لوگ ہیں جنہیں جھڑکنا حرام ہے۔اسی طرح امام اہلسنت نے فتاوی رضویہ جلد چہارم میں لکھا ہے۔

﴿۳۸۱﴾فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کے پاس نوٹ ہوں جو آجکل رائج ہیں یا صرف ریز گاری ہو، چاندی سونے کا سکہ ہوتو بقدر نصاب ہونے پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔سائل محمد عارف خان سوانسی آف سوانس میانوالی

الجواب: شریعت میں مال کی یہ تعریف ہے کہ جس کی طرف طبیعت کا میلان ہو اور وہ حاجت کے وقت کے لیے اٹھا رکھنے کے قابل ہو اور مصالح ومنافع کے لیے اسے جمع کر کے محفوظ رکھیں اور باختیار خود اس میں تصرف کریں اور وہ قیمت والا ہو۔چنانچہ ردالمحتار میں ہے،" المال ما یمیل الیہ الطبع و یمکن ادخارہ لوقت الحاجة، "اسی میں تلویح سے ناقل ہیں،" المال ما من شانہ ان ید خر للا نتفاع وقت الحاجت و التقوم یم یستلزم المالیة۔

نوٹ ہوں یا سونا چاندی ہوتو ان سب پر مال کی یہی تعریف صادق آرہی ہے کہ لوگوں کی طبیعت ان

کی طرف میل کرتی ہے۔ اور انہیں وقت کیلئے اٹھایا جاتا ہے انہیں مصالح ومنافع کے لیے جمع کر کے محفوظ کیا جاتا ہے۔ اور باختیار خود ان میں تصرف کرتے ہیں اور یہ قیمت والی چیزیں ہیں۔

لہٰذا نوٹ، پیسے وغیرہ بحکم شرعی یقیناً حتماً جزماً بلاشبہ مال قرار پائیں گے۔ اسمیں نہ کسی طرح کا شک و اشتباہ نہیں۔ نا ہی کچھ تردد و تامل ہے۔ اور جب نوٹ پیسے وغیرہ کا مال ہونا آفتاب سے زیادہ روشن ہے تو یہ ظاہر ہے کہ مالیت خود ذکواۃ کے فرض ہونے کا سبب ہے جب نصاب کی مقدار کو پہنچ جائے۔ ردالمحتار مصری ص ۴ جلد دوم " السبب هو المال لا نها وجبت شكر النعمه المال والذا تصاف اليه و يقال زكوٰة المال۔"

تو نوٹ سونا، چاندی میں زکوٰۃ اپنی شرطوں کے ساتھ واجب بلکہ ان میں نیت تجارت کی بھی حاجت نہیں کہ یہ ثمن اصطلاحی ہیں اور ثمن اصطلاحی جب تک وہ رائج ہے اس میں بلانیت تجارت زکوٰۃ واجب ہے۔

﴿۲۸۲﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ انور کے پاس دس بیگہ نہری زمین بعوض کرایہ ہے۔ اگر وہ اس پر کاشت کرے یا نہ کرے کرایہ ادا کرنا پڑتا ہے۔ اور پانی بھی اگر لگائے یا نہ لگائے تب بھی پانی کا خرچہ دینا پڑتا ہے۔ زمین کاشت سے بیکار ہو چکی ہے۔ انور نے پانچ ہزار روپے کی کھاد ڈلوائی اور فصل کاشت کی۔ اب اس مرتبہ اس کی فصل دو چند ہوئی ہے۔ کیا انور اس تمام خرچہ کو وضع کر کے ابتدائی پیداوار سے زکوٰۃ ادا کرے یا پیداوار دو چند کی کاشت کے خرچہ کو وضع کر کے زکوٰۃ ادا کرے؟ بینوا توجروا مقصور احمد میانوالی

الجواب: زمین کی زکوٰۃ سے عشر مراد ہے۔ اگر انور کی یہ زمین عشری ہے اور اس میں

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ایسی چیز کی کاشت ہے جس سے مقصود منافع حاصل کرنا ہے تو اگر اس کی آبپاشی ٹیوب ویل سے کی گئی ہے تو اس میں سے بغیر مصارف کا کاشت وضع کیئے کل پیداوار کا بیسواں حصہ دینا واجب ہے۔ اور اگر آبپاشی نہ کی ہو بلکہ بارش سے یا بلاقیمت نہر اور نالے سے اس کو سیراب کیا گیا تو بغیر مصارف کاشت وضع کئے ہوئے اس کی کل پیداوار کا دسواں حصہ دینا واجب ہے۔ مصارف وضع نہیں کرسکتا فتاویٰ عالمگیری میں ہے، "ولا تحسب اجرۃ العمال و نفقۃ البقر و کراء الانہار واجرۃ الحافظ و غیر ذلک فیجب اخراج والواجب من جمیعٌ ماخرجتہ الارض عشر او نصفا کذا فی البحر الرائق۔

﴿۳۸۳﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی فرد کے پاس مشیری ہے۔ جس طرح بس، ٹرک و ٹیوب ویل وغیرہ تو اس بھاری مشینری پر زکوٰۃ دینا ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ سائل کریم خان میانوالی۔

الجواب: بس، ٹرک، ٹریکٹر، مشیری کی تجارت کرتا ہے تو اس کی کل مالیت پر زکوٰۃ ہے۔ اگر استعمال کے لئے ہے تو ان کی مالیت پر زکوٰۃ نہیں، صرف حاصل ہونے والی آمدنی پر زکوٰۃ ہے۔ اسی طرح اقساط پر خریدی جانے والی اشیاء کی مالیت جتنی ادا کر چکا ہے پر زکوٰۃ واجب ہوگی کل پر نہیں۔

﴿۳۸۴﴾ فتــوی شــرعــی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں جنگلات کے بارے میں عشرہ زکوٰۃ کا کیا تصور ہے؟ بینوا توجروا۔ سائل اسلم آرائیں میانوالی

الجواب: اگر جنگلات تجارتی مقاصد کے لیے ہیں یا ہو سکتے ہیں تو ان کی پیداوار پر بھی

عشر ہوگا۔ کہ یہ مالی آمدنی اور زمین کی پیداوار شامل ہیں۔ پھل دار درختوں کے پھلوں پر عشر ہے۔ اگر صرف خشک لکڑی ہے تو خود استعمال کرسکتا ہے زکوٰۃ واجب نہیں۔ تجارت کے لئے ہے تو زکوٰۃ واجب ہے۔

﴿۳۸۵﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں گھر میں جو برتن ضرورت سے زائد ہوں یا ایسے ہوں جو کبھی کبھی استعمال ہوں ان کے بارے میں زکوٰۃ کا کیا تصور ہے؟ بینوا توجروا۔ سائل شائد اقبال میانوالی۔

الجواب: گھریلو سامان، برتن، بستر، فرنیچر، ملبوسات، ٹی وی، گاڑی وغیرہ پر زکوٰۃ نہیں جب تک ان کی تجارت نہ کرے۔ یہاں تک کہ کرائے پر چڑھائے گئے سامان پر بھی زکوٰۃ نہیں صرف اس سے ہونے والی آمدنی پر ہے۔

﴿۳۸۶﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں مختلف تعداد کے حساب سے جانوروں کی زکوٰۃ بتائی گئی۔ اگر جانوروں کی تعداد زکوٰۃ کی حد کم ہو یعنی جانور کم ہوں۔ لیکن جانور زیادہ تر دودھ دینے والے ہوں تو آیا ان کے دودھ پر زکوٰۃ دینی ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ سائل ابراہیم ملک میانوالی

الجواب: جانوروں کی زکوٰۃ میں بنیادی بات یہ ہے کہ صرف سائمہ جانوروں پر نصاب کو پہنچیں اور سال گزر جائے تو زکوٰۃ ہے اور سائمہ وہ جانور ہیں جو سال کا اکثر و بیشتر حصہ مفت چراگاہ میں گذارا کریں۔ اگر سال کا اکثر حصہ ان کو قیمتاً چارہ مہیا کیا جائے تو وہ علوفہ ہیں ان پر زکوٰۃ نہیں۔ زکوٰۃ سائمہ جانوروں پر ہے۔ دودھ پر نہیں ہاں اگر دودھ، گھی، مکھن وغیرہ کی

الصلوٰۃ والسلام علیک یا سیدی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

تجارت کرتا ہے تو اس سے حاصل ہونے والی آمدنی باقی مال نامی کے ساتھ جمع کر لی جائے گی اور کل مال سے مقررہ شرح کے مطابق زکوٰۃ وصول کی جائے گی۔

صلی اللہ علیہ وسلم

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

باب الصوم

(روزہ کا بیان)

﴿۲۸۷﴾فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا روزہ کی نیت رات سے کرنا ضروری ہے؟ قبلہ صاحبزادہ صاحب میں نے صبح تقریبا دس بجے تک کچھ نہیں کھایا پیا اور میں نے اسی وقت روزہ کی نیت کرلی تو آیا میرا روزہ ہوگا یا نہیں؟۔ بینوا توجروا۔ (فقیر اللہ بخش تونسوی میانوالی)

الجواب: ادائے رمضان کا روزہ اور نذر معین ونفلی روزہ کی نیت رات سے کرنا ضروری نہیں۔ اگر ضحوۂ کبریٰ یعنی دوپہر سے پہلے نیت کرلی تب بھی یہ روزے ہو جائیں گے۔ اور ان تین روزوں کے علاوہ قضائے رمضان، نذر غیر معین قضا وکفارہ کے روزوں کی نیت صبح عین اجالا شروع ہونے کے وقت یا رات میں کرنا ضروری ہے۔ ان میں سے کسی روزہ کی نیت اگر دس بجے دن میں کی تو وہ روزہ نہ ہوا۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اول مصری ص ۱۳۸ میں ہے،" جاز صوم رمضان ولنذر المعین والنفل بنية ذالك اليوم او بنية مطلق الصوم اوبنية النفل من الليل الیٰ ما قبل نصف النهار وهو المذكور فى الجامع الصغير۔ و شرط القضاء والكفارات ان يبت و يعين كذا فى الفتاویٰ و كذا النذر المطلق هكذا فى السراج الوهاج۔ لہٰذا آپ کا روزہ صحیح ہے۔

﴿۲۸۸﴾فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بغیر سحری کے روزہ رکھنا کیسا ہے؟۔ بینوا توجروا۔ سائل قاری ابرار احمد نقشبندی

الجواب: سحری کے روزہ رکھنا جائز ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری) مگر سنت یہ ہے کہ سحری

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کھا کر روزہ رکھے کہ حدیث شریف میں اس کی بہت فضیلتیں آئی ہیں۔

طبرانی اوسط میں اور ابن حبان صحیح میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا!

''اللہ اور اس کے فرشتے سحری کھانے والوں پر درود بھیجتے ہیں۔''

اور امام احمد حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایات ہے کہ سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا'' سحری ساری کی ساری برکت ہے۔اسے نہ چھوڑنا اگرچہ ایک گھونٹ پانی ہی پی لے اس لیے کہ سحری کھانے والوں پر اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں۔''

﴿۳۸۹﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ روزہ کی حالت میں انجکشن لگوانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟ (سائل قاری محمد عرفان نیازی)

الجواب: تحقیق یہ ہے کہ انجکشن سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔کیونکہ اس کے بارے میں ضابطہ کلیہ یہ ہے کہ جماع اور اس کے ملحقات کے علاوہ روزہ کو توڑنے والی صرف وہ دوا اور غذا ہے جو مسامات اور رگوں کے علاوہ کسی منفذ سے صرف دماغ یا پیٹ میں پہنچے۔گوشت میں ٹیکہ لگانے سے دوا مسام کے ذریعے جسم تک پہنچتی ہے اس لئے فاسِد روزہ نہیں،رگ کے ٹیکہ میں اختلاف ہے اس سے پرہیز بہتر ہے فقہا کی تصریحات ملاحظہ فرمالیں　درمختار مع شامی جلد دوم ص ۱۰۸ میں ہے،''الضابط وصول ما فیہ صلاح بدنہ لجوفہ۔''ردالمحتار میں ہے،''الذی ذکرہ المحققون ان معنی لامفطر وصول ما فیہ صلاح البدن الی الجوف اعم منکونہ غذاءً او دواءً''

الصلوۃ والسلام علیک یا سیدی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اورفتاویٰ عالمگیری جلداول مطبوعہ مصرص ۱۹۱ میں ہے،" اکثر المشائخ علی ان العبرة للوصول الی الجوف والدماغ ۔"ان سب عبارتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ غذا اور دوا اسی وقت روزہ توڑے گی جب دماغ یا پیٹ تک کسی منفذ سے پہنچے بلکہ بعض حضرات نے صرف منفذ تک پہنچنے پر اکتفا کیا ہے۔اس لیے کہ ان کی تحقیق پر دماغ سے پیٹ تک براہ راست تعلق ہے۔

شامی جلددوم ص ۱۰۳ میں بحر سے ہے،" التحقیق ان بین جوف الراس و جوف المعدة منفذاً اصلیاً فما وصل الیٰ جوف الراس یصل الیٰ جوف البدن ۔"

مسامات اوررگوں کی وساطت کے بغیر پہنچنے کی قید اس لیے لگائی گئی ہے کہ عام کتب فقہ میں مذکور ہے کہ اگر دماغ یا پیٹ کے زخم میں دوائی ڈالی تو روزہ اس وقت ٹوٹے گا جب کہ اور در حقیقت دماغ اور پیٹ میں پہنچ جانے کا ظن غالب ہو۔درمختار مع شامی جلد دوم ص ۱۰۲ میں ہے،" لو اقطر فی اذنه دهناً او داویٰ جائفة اوامة فوصل الدواء حقیقة الی جوفه و دماغه "لفظ حقیقتاً کا یہی فائدہ ہے کہ دوا اگر زخم کے راستہ سے دماغ یا پیٹ میں پہنچی تو روزہ ٹوٹ گیا اور رگوں یا مسامات کے ذریعہ پہنچی تو نہیں ٹوٹا۔اس لیے کہ جب کوئی دوا خصوصاً تر دوا ڈالی جائے گی تو عروق ومسامات کے ذریعہ ضرور دماغ تک پہنچے گی۔اگر عروق ومسامات کے ذریعہ دوا کا پہنچا روزہ توڑ دیات تو یہ قید بیکا تھی بناء علی یہ تصریح ہے کہ اگر آنکھ میں دوا ڈالی یا سرمہ لگایا تو روزہ نہیں ٹوٹا اگر چہ دوا کا قطرہ حلق میں محسوس ہوکر سرمہ تھوک یا رینٹھ کے ساتھ نکلے۔

فتاویٰ عالمگیری جلداول مطبوعہ مصرص ۱۹۰ پر ہے،" لو اقطر شیئا من الدواع فی عینه لا یفسد صومه عند ناوان وجد طعمه فی حلقه واذا بزق فرای اثر الکحل و لونه فی

بزاقه عامة المشائخ على انه لا يفسد صومه كذا فى الذخيرة وهو الاصح هكذا فى التبيين"

درمختار مع شامی جلد دوم ص ۹۸ میں ہے، "اوادهن اواكتحل وان وجد طعمه فی حلقه"
اسی کے تحت شامی میں ہے،" ای طعم الكحل او الدهن كما فى السراج و كذا لو بزق فوجه لونه فى الاصح بحر۔ قال فى النهر لا ن الموجود فى حلقه اثرد اخل المسام الذى هو خلل البدن والمفطوانما اهو الداخل من المنافذ الا تفاق على ان من اغتسل فى ماء فوجد برده فى باطنه انه لا يفطر۔"
دیکھئے صاحب نہر نے تصریح کردی کہ حلق میں محسوس ہوتھوک میں آجائے وہ چونکہ مسام کے ذریعہ آیا۔لہذا روزہ توڑنے والا نہیں، روزہ توڑنے والا وہ ہے جو منفذ سے دماغ یا پیٹ تک پہنچے۔اسی طرح کسی نے سوراخ ذکر میں تیل ڈالا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔اگرچہ تیل مثانہ تک پہنچ جائے اور علت یہ بیان فرمائی کہ سوراخ ذکر اور پیٹ کے درمیان منفذ نہیں۔

ہدایہ جلد اول ص ۲۰۰ میں ہے،" لو اقطر فى احليله لم يفطر عن ابى حنيفة وقال ابو يوسف يفطر وقول محمد مضطرب فيه فكانه وقع عند ابيبوسف ان بينه و بين الجوف منه" ردالمحتار جلد دوم ص ۱۰۰ میں ہے "ای قول ابی حنيفة و محمد معه فى الاظهر وقال ابو يوسف يفطر والاختلاف مبنى على انه هل بين المثانة والجوف منفذ اولا وهو ليس باختلاف على الحقيق والاظهر انه لا منفد له وانما يجتمع البول فيها بالترشح كذا يقول الا طباء زيلعى وافادانه لو بقى فى قصبة الزكرلا

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

یفسد اتفاقاً ولا شك فی ذالك۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام اعظم اور امام ابو یوسف کے اختلاف اس پر مبنی ہے کہ سوراخ ذکر اور پیٹ کے درمیان منفذ ہے یا نہیں۔ مسامات کے وجود سے کسی کا انکار نہیں۔ اگر مسامات کے ذریعہ پہنچنا روزہ توڑتا ہے تو سوراخ ذکر میں تیل ڈالنا بالاتفاق روزہ توڑ دیتا۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اول مطبوعہ مصر ص ۱۹۰ میں صاف تصریح ہے۔" وما یدخل من مسام البدن من الدهن لا یفطر هكذا فی شرح المجمع۔"

ثابت ہو گیا کہ اندرون جسم کسی جگہ دوا یا غذا کا مسام کے ذریعہ سے پہنچا روزہ نہیں توڑتا۔ جب یہ ذہن نشین ہو گیا کہ روزہ توڑنے والی وہ دوا اور غذا ہے جو مسامات کے علاوہ کسی منفذ سے دماغ اور پیٹ تک پہنچے تو اس انجکشن کی حقیقت پر غور کیجئے، جو انجکشن گوشت میں لگتا ہے اس کے بارے میں تو ظاہر ہے کہ وہ پورے جسم میں مسامات ہی کے ذریعہ پہنچتا ہے لہٰذا اس سے روزہ کا نہ ٹوٹنا ظاہر ہے۔ رگ کا انجکشن تو اس کے جسم میں پہنچنے کی کیفیت یہ ہے کہ دوا خون کے ساتھ جسم میں پھیلتی ہے۔ ماہرین تشریح جانتے ہیں کہ خون رگوں سے دل میں جاتا ہے اور وہاں سے پھر واپس رگوں میں آتا ہے دل سے دماغ اور پیٹ تک کوئی منفذ نہیں اس لیے رگوں کے انجکشن سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ تاہم اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ اس سے بچنے کے لیے رگ کے انجکشن سے پرہیز کریں۔

﴿۲۹۰﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ روزہ افطار کرنے کی دعا (اللھم انی لك صمت) افطار کرنے سے پہلے پڑھنی چاہے یا بعد میں؟ بینوا توجروا۔　　　　(سائل عرفان خان میانوالی)

الجواب: روزہ افطار کرنے کی دعا افطار کے بعد پڑھی جائے۔ حدیث شریف میں ہے، "عن معاذ بن زهرة قال ان النبی صلی الله علیه وسلم كان اذاافطر قال اللهم لك صمت و علی رزقك افطرت (مشكوٰة شريف ص ١٧٥) حضرت ملا علی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں، "(كان اذاافطر قال) ای دعا و قال ابن الملك ای قراء بعد الافطار"

﴿۳۹۱﴾ فتویٰ شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کول گیٹ یا گل منجن وغیرہ کے استعمال سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں اور اگر ٹوٹے گا تو اس کا کفارہ کیا ہوگا؟ بینوا توجروا۔ (سائل قاری فیض الرحمٰن نظامی میانوالی)

الجواب: حالت روزہ میں کسی طرح کا منجن یا ٹوتھ پیسٹ وغیرہ کا استعمال بلاضرورت مکروہ ہے۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمت امام احمد رضا بریلوی رضی عنہ ربہ القوی تحریر فرماتے ہیں، منجن وٹوتھ پیسٹ وغیرہ حرام و ناجائز نہیں۔ جب کہ اطمینان کافی ہو کہ اس کا کوئی جز حلق میں نہ جائے گا مگر بے ضرورت کراہت ضرور ہے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ص ۶۱۴) اگر اس کا کچھ حصہ حلق میں چلا گیا اور حلق میں اس کا مزہ محسوس ہوا تو روزہ جاتا رہا مگر اس صورت میں صرف قضا واجب ہوگی کفارہ نہیں۔ ردالمحتار جلد دوم ص ۹۸ میں ہے، "اكل مثل سمسمة من خارج يفطر الا مضغ بحيث تلاشت فی فم الا ان يجد الطعم فی حلقه۔"

اور حضرت صدر الشریعہ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ غلطی سے پانی وغیرہ کوئی چیز حلق میں چلی گئی تو صرف قضا واجب ہوگی (بہار شریعت حصہ پنجم ص ۱۱۹)

﴿۲۹۳﴾**فتـــوی شـرعـی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میت کے طرف سے نماز اور روزوں کے فدیہ نکالنے کا مسئلہ کیا ہے؟۔سائل محمد شفیع اللہ خان سہراب والا میانوالی

الجواب: حدیث شریف میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا، "من مات و علیه صوم شهر فلیطعم عنه مکان کل یوم مسکین"

یعنی جو کوئی مر جائے اور اس پر روزے کی قضا باقی ہو تو اس کی جانب سے ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلایا جائے۔حضور ﷺ اور فرماتے ہیں "لا یصوم احد عن احد و لا یصلی احد عن احد و لکن یطعم عنه" کوئی کسی کی جانب سے روزہ رکھے اور نہ نماز پڑھے ہاں اس کی طرف سے کھانا کھلائے۔(مراقی الفلاح مع طحطاوی ص ۲۳۸) اور سید العماء حضرت سید احمد طحطاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں، "قد ورد النص فی الصوم باسقاطه بالفدیة واتفقت کلمة المشایخ علی ان الصلاة کالصوم استحسانا لکونها اهم منه"

یعنی فدیہ دے کر روزہ ساقط کرنے کے بارے میں نص وارد ہے اور مشائخ اس بات پر متفق ہیں کہ اس مسئلہ میں نماز روزہ کی مثل ہے اس لیے کہ وہ روزہ سے اہم ہے۔(طحطاوی علی مراقی ص ۲۳۷) لہٰذا جو شخص مر جائے اور اس کے ذمہ نماز روزہ کی قضا باقی ہو اور کفارہ کی وصیت کر جائے تو ورثا اسے ادا کریں۔حضرت علامہ حلبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں، "لو مات و علیه صلوات فائتة واوصیٰ بالکفارة یعطی لکل صلاة نصف صاع من بر کالفطرة و کذا حکم الوتر و الصوم من ثلث ماله ولو لم یترك مالا یستقرض وارثه نصف صاع مثلا و یدفعه لفقیر ثم یدفعه الفقیر للوارث ثم و ثم حتی یتم۔"

یعنی اگر کوئی قضا نمازیں اپنے ذمہ لے کر مر گیا اور کفارہ کی وصیت کر گیا تو ہر نماز اور ہر روزہ کے بدلے نصف صاع گیہوں صدقہ فطر کی طرح اس کے تہائی مال میں سے دیئے جائیں۔ اور اگر میت نے کچھ مال نہ چھوڑا تو اس کا وارث مثلاً نصف صاع گیہوں لے کر ایک نماز یا ایک روزہ کے بدلے کسی غریب کو دے۔ پھر وہ غریب اسی وارث کو واپس کر دے۔ اور اسی طرح اتنی بار لوٹ پھیر کرے کہ سب نمازوں اور روزوں کا فدیہ ادا ہو جائے۔ اسی کو حیلہ اسقاط بھی کہتے ہیں۔

﴿۲۹۴﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں صدقہ فطر کس شخص پر واجب ہوتا ہے؟۔ نیز زکوٰۃ اور صدقہ فطر کے نصاب میں کیا فرق ہے؟۔

بینوا توجروا۔ (سائل ماسٹر عبدالغفور قاسمی میانوالی۔)

الجواب: صدقہ فطر ہر مرد، عورت مسلمان پر واجب ہوتا ہے جو مالک نصاب ہوں خواہ وہ روزہ رکھیں یا نہ، پاگل، نابالغ۔ گھر میں رہنے والے ملازموں کا صدقہ فطر بھی سرپرست پر ادا کرنا واجب ہوگا۔ درمختار میں ہے، "تجب علی کل مسلم ولو صغیر امجنونا ذی نصاب فاضل عن حاجه الاصلية وان لم ینمّ۔"

(۲) زکوٰۃ کے نصاب میں مال کا نامی ہونا شرط ہے۔ یعنی ساڑے سات تولہ سونا، ساڑھے باون تولہ چاندی یا ان میں سے کسی ایک کی قیمت کا سامان تجارت یا روپیہ کا حاجت اصلیہ سے زائد ہونا ضروری ہے۔ اور وجوب زکوٰۃ کے لئے صاحب نصاب کا عاقل و بالغ ہونا بھی شرط ہے۔ اور صدقہ فطر کے نصاب میں مال کا نامی ہونا شرط نہیں۔ یعنی اگر کسی کے پاس سونا، چاندی کا نصاب نہ ہو اور نہ ان میں سے کسی ایک کی قیمت کا سامان تجارت روپیہ ہو مگر حاجت اصلیہ سے زائد ہو تو

صدقہ فطر واجب ہو جائے گا۔ کسی کے پاس تانبہ پیتل کے برتن ہوں مگر تجارت کے لیے نہ ہوں اور حاجت اصلیہ سے زائد ہوں اوران کی قیمت سونا یا چاندی کے نصاب کے برابر ہو تو ان برتنوں کے سبب صدقہ فطر واجب ہو جائے گا۔ مگر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ اور صدقہ فطر میں صاحب نصاب کا عاقل و بالغ ہونا شرط نہیں۔

﴿۳۹۴﴾**فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جو شخص روزہ نہ رکھے اس پر صدقہ فطر واجب ہے یا نہیں؟ (سائل محمد نصر اللہ خان ولد ظفر اللہ خان میانوالی

الجواب: صدقہ فطر واجب ہونے کے لیے روزہ رکھنا شرط نہیں۔ لہٰذا جو شخص کہ مالک نصاب ہو اگر کسی عذر مثلاً سفر، مرض، بڑھاپے کی وجہ سے یا معاذ اللہ بلا عذر روزہ نہ رکھے جب بھی اس پر صدقہ فطر واجب ہے۔ رد المحتار جلد دوم ص ۷۶ میں ہے،" تجب الفطرة وان افطر عامدًا"۔ پھر آگے لکھتے ہیں "من افطر لكبر او مرض او سفر يلزمه صدقة الفطر۔"

﴿۳۹۵﴾**فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عید کا دن آنے سے پہلے صدقہ فطر ادا کر دیا تو جائز ہے یا نہیں؟ بینوا و توجروا۔ سائل محمد ذیشان ساکن میانوالی

الجواب: عید کا دن آنے سے پہلے ماہ رمضان میں بلکہ ماہ رمضان سے پہلے بھی صدقہ فطر ادا کر دیا تو جائز ہے۔

فتاوی عالمگیری جلد اول مصری ص ۱۷۹ میں ہے،" ان قدموها على يوم الفطر جاز ولا تفصيل بين مدة ومدة وهو الصحيح۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

باب الاعتکاف

(اعتکاف کے مسائل)

﴿۲۹۶﴾فتــــوی شــرعـــی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، قرآن وسنت کی روشنی میں اعتکاف کا مفہوم واضح فرمادیں؟ بینوا توجروا۔ سائل محمد اسماعیل میانوالی

الجـواب: تفسیر کبیر، تفسیر قرطبی اور لسان العرب میں اعتکاف کا یہ معنی بیان ہوا ہے کہ کسی پر دائمی نگاہ رکھنا اس سے رخ نہ موڑنا، کسی جگہ ٹک جانا، مسجد میں قیام کرنا، ''عـاكـفـون فـي الـمســاجـد'' کا مطلب ہے، مسجد میں ٹھہر جاتے ہیں، صرف انسانی ضرورت کے لیے باہر نکلتے ہیں۔ آدمی مسجد میں نماز ادا کرتا اور قرآن پڑھتا ہے۔ مسجد میں عبادت کی نیت سے ٹھہرنے کو اعتکاف کہا جاتا ہے۔ اسی طرح مفردات راغب میں اعتکاف کا یہ معنی درج ہے کہ کسی چیز پر متوجہ ہونا اور بطور تعظیم اس کے ساتھ لگ جانا، شریعت میں اعتکاف کا مطلب ہے بطور عبادت مسجد میں ٹھہرنا۔

﴿قـرآن کـی روشـنـی مـیـں﴾ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، ''و اذا بـوانا لا براهيم مكان البيت ان لا تشرك بي شيئا و طهر بيتي للطائفين والقائمين والركع السجود''۔ اور جب ہم نے ابراہیم کو اس گھر کا ٹھکانا ٹھیک بتادیا اور حکم دیا کہ میرا کوئی شریک نہ کرنا اور میرا گھر پاک صرف رکھنا طواف کرنے والوں اور اعتکاف بیٹھنے والوں اور رکوع وسجود کرنے والوں کے لیے۔ (الحج ۲۲، ۲۶)

﴿حـدیـث پـاك کـی روشـنـی مـیـں﴾ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، ''ان الـنـبـي صلى الله عليه وسلم كان يعتكف العشر الاواخر من رمضان حتى توفاه الله ثم اعتكف ازواجه من بعده۔''

رسول اللہ ﷺ رمضان مبارک کا آخری عشرہ اعتکاف بیٹھتے تھے۔ یہاں تک کہ اللہ نے آپ ﷺ کو وفات دی۔ آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کی ازواج مطہرات (پاکیزہ بیویوں) نے اعتکاف کیا۔ (بخاری و مسلم) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، (رسول اکرم ﷺ ہر رمضان میں ایک بار قرآن کا دور ہوتا تھا۔ جس سال آپ کی وفات ہوئی اس سال دو بار قرآن کا دور کیا گیا۔)"و كان يعتكف كل عام عشرا فاعتكف عشرين في العام الذي قبض۔" ہر سال دس دن اعتکاف فرماتے، مگر وفات کے سال بیس دن اعتکاف فرمایا، (بخاری) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں، "كان رسول الله صلى الله عليه و سلم اذا اعتكف ادنى الى راسه وهو في المسجد فارجله و كان لا يدخل البيت الا لحاجة الانسان۔" جب رسول اللہ ﷺ اعتکاف بیٹھتے مسجد میں سے اپنا سر مبارک میرے قریب کرتے، میں آپ کو کنگھی کرتی۔ انسانی حاجت کے علاوہ گھر میں نہیں آتے تھے۔ (متفق علیہ) ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں، "حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھا میں نے زمانہ جاہلیت میں مسجد حرام میں ایک رات اعتکاف کی نذر مانی تھی۔ فرمایا" فاوف بنذرك"، تو اپنی نذر پوری کرو۔ (متفق علیہ)۔

"ان قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ سے عبادت کے لئے اعتکاف بیٹھنا ثابت ہوتا ہے۔

﴿۲۹۷﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، اعتکاف کے بنیادی مسائل کی وضاحت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔ سائل اشرف پائی خیل میانوالی۔

الجواب: اعتکاف کی درجہ ذیل شرائط ہیں، ﴿۱﴾ اعتکاف کی نیت کرنا ﴿۲﴾ مرد کے

لیے ایسی مسجد جہاں با جماعت نماز ادا کرنے کا اہتمام ہو۔ سب سے افضل وہ اعتکاف ہے جو مسجد حرام میں کیا جائے۔ پھر مسجد نبوی میں، پھر مسجد اقصیٰ میں پھر جامع مسجد پھر جہاں زیادہ لوگ ہوں۔ عورت اپنے گھر کی مسجد میں اعتکاف بیٹھے اور بغیر انسانی حاجت کے اس سے باہر نہ نکلے۔ اگر عورت اس مسجد میں اعتکاف بیٹھی جہاں با جماعت نماز کا اہتمام ہے جائز ہے۔ اگر مسجد کی جگہ نہیں تو خود کسی حصہ کو مسجد قرار دے لے اور اس میں اعتکاف بیٹھے۔ اس کو مسجد بیت کہتے ہیں۔ عورت کا مسجد بیعت میں اعتکاف بیٹھنا افضل ہے۔ ﴿۳﴾ واجب اعتکاف کے لیے روزہ شرط ہے۔ نفلی کے لیے شرط نہیں۔ کم از کم اعتکاف کی کوئی حد نہیں۔ یہاں تک کہ مسجد میں گیا اور مسجد سے نکلتے وقت تک کی نیت اعتکاف کر لی تو یہ بھی جائز ہے۔ ﴿۴﴾ اعتکاف کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ مسلمان ہو، عاقل ہو، جنابت سے پاک ہو، عورت حیض و نفاس سے پاک ہو۔ ﴿۵﴾ صحت اعتکاف کے لیے بالغ ہونا شرط نہیں۔ لہٰذا سمجھدار بچے کا اعتکاف بھی صحیح ہے۔ اسی طرح مرد ہونا ضروری نہیں، عورت بھی اعتکاف بیٹھ سکتی ہے مگر خاوند موجود ہو تو اس کی اجازت سے اعتکاف بیٹھے۔

اعتکاف کے مستحبات (آداب)

فضول باتیں نہ کرے۔ افضل مسجد میں اعتکاف بیٹھے۔ مثلاً مسجد حرام، مسجد نبوی ﷺ، جامع مسجد، تلاوت قرآن کرتا رہے، حدیث کا مطالعہ کرے۔ علمی گفتگو کرے اور علم پڑھے پڑھائے، رسول اللہ ﷺ اور باقی انبیائے کرام کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کرے۔ نیک لوگوں کے حالات پڑھے۔ دینی موضوعات پر بات چیت کرے۔ ایسی باتیں کر سکتا ہے جن میں گناہ نہ ہو۔ (فتاویٰ عالمگیری میں بھی اسی قسم کا حکم ہے)۔

اعتکاف بیٹھنے کی خوبیاں اعتکاف میں بندہ اپنے آپ کو کلی طور پر اللہ کی رضا وقرب میں مصروف کر لیتا ہے اور اللہ سے دور کرنے والے امور سے اپنے آپ کو دور کر لیتا ہے۔ معتکف اپنا پورا وقت اللہ کی بندگی میں لگا دیتا ہے اور اعتکاف بیٹھنے والا اپنے آپ کو فرشتوں کی طرح کر لیتا ہے۔ جو اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کرتے ہیں۔ جس کا حکم ہوتا ہے۔ جو شب وروز اللہ کی تسبیح وتہلیل کرتے ہیں اور ذرہ بھر اکتاہٹ محسوس نہیں کرتے۔ روزے دار اللہ کا مہمان ہوتا۔ (فتاویٰ عالمگیری ج ا ص ۲۱۱)

اعتکاف توڑنے والی چیزیں شرعی عذر کے سوا مسجد سے باہر نکلنا، خواہ جان کر ہو یا بھول کر، عورت بھی اپنے گھر میں اعتکاف کی جگہ سے نکل کر گھر کے دوسرے حصوں میں بلا وجہ نہیں جا سکتی۔ انسانی حاجات کے لیے باہر جا سکتے ہیں۔ مثلاً پیشاب وغیرہ۔ بغیر غسل حاجت کے نہانا اعتکاف کو توڑ دیتا ہے۔

علاوہ ازیں کھانا پینا مسجد میں ہی ہوگا۔ اگر اس مسجد میں جمعہ نہیں ہوتا تو دوسری مسجد میں نماز جمعہ کے لیے جا سکتا ہے۔ اندازے سے اس وقت نکلے کہ وہاں چار رکعت سنتیں پڑھ کر خطبہ سن سکے۔ یونہی جمعہ ادا کرنے کے بعد چھ سنتیں ادا کرنے کے لیے مسجد میں ٹھہر سکتا ہے۔

(عالمگیری ج ا ص ۲۱۲) ﴿۱﴾ اگر کسی عذر کی وجہ سے مسجد سے نکلا، مثلاً مسجد منہدم ہوگئی۔ یا زبردستی نکال دیا گیا اور اسی وقت دوسری مسجد میں چلا گیا۔ استحساناً اس کا اعتکاف نہ ٹوٹا۔ (بدائع الصنائع، عالمگیری) ﴿۲﴾ یونہی جان یا مال کے ڈر سے ایسا کیا۔ اعتکاف نہ ٹوٹا۔ (عالمگیری) ﴿۳﴾ بیمار کی عیادت یا نماز جنازہ کے لیے نکلا تو اعتکاف ٹوٹ گیا۔

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(عالمگیری، بحرالرائق) ﴿۴﴾ اگر رمضان کے آخری عشرے کا مسنون اعتکاف نہیں بلکہ نذر مان کر اپنے اوپر واجب کردہ اعتکاف ہے، خواہ عشرہ اخیرہ کا ہو یا کسی اور وقت کا، اگر نذر مانتے وقت یہ شرط لگالی کہ نماز جنازہ میں شریک ہوگا۔ بیمار کی عیادت کرے گا۔ علمی مجلس میں شرکت کے لیے جائے گا۔ جائز ہے۔ (عالمگیری) ﴿۵﴾ معتکف پر جماع یا اس کی طرف مائل کرنے والے اسباب جیسے بوس وکنار وغیرہ حرام ہیں۔ (عالمگیری)

احتلام سے روزہ نہ ٹوٹتا ہے نہ اعتکاف

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کتاب الحج

(حج کا بیان)

﴿۲۹۸﴾ فتویٰ شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، حج و عمرہ کیا ہے۔ اس کی کیا شرائط ہیں۔ نیز اس کی کتنی قسمیں ہیں؟ بینوا توجروا۔ سائل شفیق خان میانوالی۔

الجواب: حج اسلام کا رکن ہے اور اس کا شمار ضروریات دین میں ہے۔ حج کے واجب ہونے کا اقرار کرنے کے باوجود حج نہ کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ اور اس کے واجب ہونے سے بھی انکار کر دینا کفر کا موجب ہے۔ ارشاد رب العزت ہے کہ، "ولله على الناس حج البيت من استطاع اليه سبيلا و من كفر فان الله غنى عن العالمين"

ترجمہ: اور اللہ کے لیے لوگوں پر اس گھر کا حج کرنا واجب ہے اگر اس راہ کی استطاعت رکھتے ہوں اور جو انکار کرے تو خدا تمام عالمین سے بے نیاز ہے۔ (آل عمران ۹۷)

آیت میں حج کے ترک کرنے والوں کو کافر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جو اس کی اہمیت کی عظیم ترین دلیل ہے۔ اگر کسی شخص میں فرضیتِ حج کے شرائط موجود ہوں تو وہ فوراً اس فریضہ کو انجام دے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص حج کئے بغیر مر جائے جو نہ کسی اہم ضروری کام میں مصروف رہا ہو نہ بیماری کی وجہ سے مجبور رہا ہو اور نہ ہی بادشاہ وقت نے اسے حج کرنے سے روکا ہو تو ایسی شخص کی موت یہودی یا نصرانی کی موت ہوگی۔

حج کی شرائط بالغ ہونا، عاقل ہونا، آزاد ہونا، مال، صحت و توانائی، راستہ کی آزادی، حج کے وقت میں گنجائش ہونے کے اعتبار سے مستطیع ہونا

حج کی قسمیں حج کی تین قسمیں ہیں،

حج تمتع، حج قران، حج افراد

عمرہ کی قسمیں : عمرہ تمتع ،عمرہ مفردہ ،عمرہ تمتع حج تمتع سے پہلے ہوتا ہے۔

عمرہ پانچ اجزاء سے مرکب ہے: میقات میں عمرہ کی نیت سے احرام کا باندھنا (تلبیہ پڑھنا) (کعبہ کا طواف کرنا) (دو رکعت نماز طواف ادا کرنا) (صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا) (تقصیر یعنی سعی کرنے کے بعد بال کٹوانا۔)۔

اگر عمرہ مفردہ ہو تو بال کٹوانے کے بعد دو رکعت نماز طواف بھی پڑھنی ہوتی ہے۔

حج تمتع عمرہ تمتع کے بعد انجام دیا جاتا ہے۔اور یہ تیرہ چیزوں پر مشتمل ہے۔

(۱) مکہ میں احرام باندھنا،۲۔عرفات میں وقوف کرنا،(۳) مشعر الحرام میں وقوف کرنا،(۴) منیٰ میں رمی جمرات (شیطان مردود کو کنکریاں مارنا) کرنا،(۵) منیٰ میں قربانی کرنا،(۶) منیٰ میں قربانی کے بعد سر کا منڈوانا یا تقصیر کرنا،(۷) کعبہ کا طواف کرنا،(۸) دو رکعت نماز طواف پڑھنا،(۹) کوہ صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا،(۱۰) طواف کرنا،(۱۱) طواف کی دو رکعت نماز پڑھنا،(۱۲) ذی الحجہ کی گیارہویں کی شب منیٰ میں گزارنا،(۱۴) گیارہویں اور بارہویں ذی الحجہ میں تینوں شیطان کو کنکریاں مارنا اور تیرہویں تاریخ کو یہ عمل ان حضرات کے لیے ہے۔جنہوں نے تیرہویں کی شب منیٰ میں گزاری تھی۔

محرمات احرام اور اس کے کفارات

﴿۱﴾ احرام میں مردوں کو سلے کپڑے پہننا حرام ہے۔(اس صورت میں کفارہ ایک بکری ہے)

﴿۲﴾ بری یا بحری جانوروں کا شکار کرنا، شکاری کا پتہ بتانا یا شکار کی طرف اشارہ کرنا یا شکار کیے ہوئے جانور کا گوشت کھانا۔(کفارہ ایک بکری ہے)

﴿۳﴾عورت سے جماع (ہمبستری) کرنا (کفارہ ایک اونٹ ہے)

﴿۴﴾عورت کو بوسہ دینا (کفارہ ایک بکری ہے)

﴿۶﴾عورت کو شہوت کی نظر سے دیکھنا یا اس کو جنسی خواہش کے ساتھ لمس کرنا ((کفارہ ایک بکری ہے) ﴿۷﴾استمناء منی کا کسی بھی طریقہ سے خارج کرنا (کفارہ ایک اونٹ ہے)

﴿۸﴾عقد کرنا یا پڑھنا دونوں حرام ہے۔ (کفارہ ایک اونٹ ہے) ﴿۹﴾وہ سرمہ جو زینت کے لیے لگایا جائے جس میں خوشبو ہو تو حرام ہے۔ (کفارہ ایک بکری ہے) ﴿۱۰﴾مردوں کے لیے موزہ یا وہ جوتا یا چپل وغیرہ پہننا جو بند ہو، اس کا پہننا۔ (کفارہ ایک بکری ہے) ﴿۱۱﴾جنگ و جدال جھوٹ بولنا اور غصہ وغیرہ کرنا۔ (کفارہ ایک بکری ہے) ﴿۱۲﴾جوں وغیرہ کا مارنا۔ (کفارہ ایک مشت گندم ہے) ﴿۱۳﴾تیل سے مالش کرنا ((کفارہ ایک بکری ہے) ﴿۱۴﴾جسم کے بال کا کاٹنا یا اکھاڑنا۔ (کفارہ ایک بکری ہے) ﴿۱۵﴾جھوٹی قسم کھانا، گالیاں دینا۔ (کفارہ ایک بکری ہے) ﴿۱۶﴾جسم سے خون کا نکالنا، دانتوں کا اکھاڑنا (کفارہ ایک بکری ہے)

﴿۱۷﴾مردوں اور عورتوں کا سر ڈھانکنا اور احتیاط یہ ہے کہ سر پر ایسی کوئی چیز نہ رکھے مثال کے طور پر کوئی ایسا بوجھ رکھنا جو سر کو ڈھنک لے، نیز سر کو پانی یا دوسری سیال چیزوں مثلاً گلاب اور سرکہ میں ڈبونا بھی جائز نہیں اور اگر سر کو دھوئے تو رومال یا تولیہ سے خشک نہ کرے۔ (کفارہ ایک بکری ہے) ﴿۱۸﴾مرد و عورت کا آئینہ میں دیکھنا۔ ﴿۱۹﴾عورت کا زینت کی غرض سے زیوارات کا پہننا۔ ﴿۲۰﴾چشمہ اور انگوٹھی وغیرہ کا زینت کی غرض سے استعمال کرنا ﴿۲۱﴾مشک و زعفران کافور وغیرہ جیسی خوشبودار چیزوں کا استعمال کرنا نیز بنا بر احتیاط واجب کسی بھی قسم کا عطر استعمال کرنا

یا ایسا لباس پہننا بھی جائز نہیں ہے جس میں سے عطر کی بو آرہی ہو چاہے پہلے سے ہی اس میں عطر لگایا گیا ہو۔ ﴿۲۲﴾ عورت کا نقاب، چادر یا کسی بھی شئی سے چہرہ کو چھپانا۔

﴿۳۹۹﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، احرام باندھنے کا طریقہ کیا ہے اسکی وضاحت فرمادیں؟ بینوا توجروا۔ سائل عمر فاروق میانوالی

الجواب: احرام باندھنے سے پہلے سر کے بال سنواریں، خط بنوائیں، مونچھیں کتریں، زیر ناف بال اور بغل کے بال صاف کریں، احرام کی نیت سے غسل کریں، ورنہ کم از کم وضو کریں، پھر سر اور داڑھی میں تیل لگائیں، کنگھا کریں، جسم پر ایسی خوشبو لگائیں جس کا دھبہ نہ لگے۔ اس کے بعد مرد حضرات سلے ہوئے کپڑے اتار کر احرام کی ایک سفید چادر ناف کے اوپر بطور تہبند باندھیں، اور دوسری چادر اوڑھیں، سر اور دونوں بازو فی الحال ڈھک لیں اور ایسے جوتے چپل اتاریں جس سے پیروں کے پشت کی ابھری ہوی ہڈی چھپ جاتی ہو، ہوائی چپل پہنیں، جن میں مذکورہ ہڈی کھلی رہتی ہے۔

اگر ممنوع یا مکروہ وقت نہ ہو تو احرام کی نیت سے سر ڈھک کر عام نفلوں کی طرح دو رکعت نفل پڑھیں، اگر پہلی رکعت میں الحمد شریف کے بعد سورۂ کافرون اور دوسری رکعت میں سورۂ اخلاص پڑھیں تو بہتر ہے اور اگر مکروہ وقت ہو تو بغیر دو رکعت نفل پڑھے عمرہ کی نیت کریں۔

اس کے بعد اپنا سر کھولیں، البتہ دونوں کاندھے چادر سے ڈھکے رہنے دیں اور قبلہ رخ بیٹھ کر اس طرح عمرہ کی نیت کریں،

اے اللہ میں آپ کی رضا کے لیے عمرہ کا ارادہ کرتا ہوں، آپ اس کو میرے لیے آسان کر دیجئے اور

قبول کرلیجئے۔

نیت کرتے ہی درمیانی آواز سے تین مرتبہ تلبیہ کہیں، تلبیہ یہ ہے،

لبیک اللھم لبیک ، لبیک لا شریک لک لبیک

ان الحمد و النعمۃ لک والملک لا شریک لک

اس کے بعد درود شریف پڑھ کر دعا مانگیں۔ "اللھم انی اسئلك رضاك والجنة و اعوذ بك من سخطك والنار۔ "**ترجمہ:** اے اللہ میں آپ کی رضا اور جنت مانگتا ہوں اور آپ کی ناراضگی اور دوزخ سے پناہ مانگتا ہوں) نیت اور تلبیہ پڑھتے ہی احرام بندھ گیا، احرام کی پابندیاں شروع ہوگئیں۔ ان کا دھیان رکھیں، اور کثرت سے تلبیہ پڑھتے رہیں۔

خواتین کا طریقہ احرام خواتین تمام سلے ہوئے کپڑے اور جوتے وغیرہ بدستور پہنی رہیں، البتہ احرام باندھنے سے پہلے جو کام اوپر لکھے گئے ہیں، ان میں سے جو کام ان کے مناسب ہیں وہ ان کو انجام دیں، اگر ماہواری نہ آرہی ہو اور مکروہ وقت بھی نہ ہو تو احرام کی نیت سے دو رکعت نفل ادا کریں، ورنہ غسل کر کے یا صرف وضو کر کے قبلہ رخ بیٹھ جائیں، چہرے سے کپڑا ہٹائیں، سر پر ایسا ہیٹ پہن لیں جس کے گتہ پر نقاب سلی ہوئی ہو، جس میں چہرہ نہ جھلکے اور آنکھوں کے سامنے باریک جالی لگی ہوئی ہو، تاکہ راستہ نظر آسکے، اس ہیٹ کی ٹوپی پر برقعہ اوڑھیں، برقعہ کی نقاب پیچھے کرلیں، اور جسم برقعہ سے ڈھانپیں، اس طرح نامحرم مردوں سے پردہ بھی ہو جائے گا اور ہیٹ کی نقاب بھی چہرہ سے دور رہے گی، سہولت کے لیے یہ طریقہ لکھا گیا ہے، اگر کسی اور طریقہ سے یہ مقصد حاصل ہو تو اس کو بھی اختیار کیا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد عمرہ کی نیت کر

کے فوراً تین مرتبہ تلبیہ کہہ لیں، جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے، لیجئے عمرہ کا احرام بندھ گیا، اب خواتین آہستہ آواز سے بکثرت تلبیہ پڑھتی رہیں اور جو دعا اوپر لکھی گئی ہے وہ یا دیگر دعائیں کرتی رہیں، احرام کی پابندیوں کا خاص خیال رکھیں،

حج کے احرام باندھنے کا بھی یہی طریقہ ہے جو اوپر لکھا گیا، صرف نیت میں عمرہ کی جگہ حج کا لفظ ادا کیا جائے گا۔

مفید مشورہ پاکستان سے بذریعہ ہوائی جہاز مکہ مکرمہ جانے والے خواتین وحضرات کے لیے مشورہ ہیکہ ائر پورٹ پر آخری وقت میں احرام باندھیں بعض مرتبہ احرام باندھنے کے بعد جہاز کی روانگی منسوخ یا مؤخر ہوجاتی ہے، جس کی وجہ سے احرام کی حالت میں رہنا دشوار ہوتا ہے۔

ہوائی جہاز میں احرام باندھنے کی آسان صورت یہ ہے کہ اوپر جتنے کام لکھے گئے ہیں۔ وہ سب گھر یا ایئر پورٹ پر کرلیں، لیکن نیت اور تلبیہ ابھی نہ کہیں، کیونکہ احرام اور اس کی پابندیاں نیت کرنے اور تلبیہ پڑھنے کے بعد شروع ہوتی ہیں، جب ہوائی جہاز فضاء میں بلند ہوجائے اور آپ اپنی سیٹ پر اطمینان سے بیٹھ جائیں، اس وقت یا کچھ دیر بعد، یا میقات پہنچنے سے پہلے جہاز میں نیت اور تلبیہ کہیں۔

﴿۳۰۰﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، حج کے موقع پر بھی کیا عورتوں کو پردہ کرنا چاہیے؟ **بینوا توجروا**۔ سائل نبیلہ انجم خان میانوالی۔

الجواب: مسلمان خواتین جب گھر سے باہر نکلیں، خواہ حج یا عمرہ کے لیے بھی نکلیں یا کسی اور کام سے، قرآن وسنت کی رو سے ان پر فرض ہے کہ وہ شرعی پردہ کرکے نکلیں، بے پردہ نہ

نکلیں، اور شرعی پردہ یہ ہے کہ خواتین سر سے پیر تک اپنے پورے جسم کو کسی موٹی، سادہ اور لمبی چوڑی چادر یا برقعہ سے اس طرح چھپائیں کہ اس میں سارا جسم کپڑے اور دوپٹہ وغیرہ میں اچھی طرح چھپ جائے، صرف ایک آنکھ راستہ دیکھنے کے لیے کھلی رہے یا برقعہ میں آنکھوں کے سامنے نقاب میں باریک جالی لگالیں، جس سے راستہ بھی نظر آئے اور نامحرم مردوں کو ان کا چہرہ اور آنکھیں بھی نظر نہ آئیں، ہاتھوں میں دستانے اور پیروں میں موزے ہوں تو اور بھی بہتر ہے۔

اس سلسلہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کچھ ارشادات نقل کیے جاتے ہیں،

﴿۱﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دوزخ والوں کی دو جماعتیں ہیں، جن کو میں نے (ابھی) دیکھا نہیں (کیونکہ ابھی وہ ظاہر نہیں ہوئیں، بعد میں ان کا ظہور ہوگا) ایک جماعت ان لوگوں کی ہوگی جن کے پاس بیلوں کے دم کی طرح کوڑے ہوں گے، جن سے وہ لوگوں کو (ناحق) ماریں گے۔ دوسری جماعت ایسی عورتوں کی ہوگی جو کپڑے پہنے ہوئے ہوں گی (لیکن اس کے باوجود) ننگی ہوں گی، مائل کرنے والی اور مائل ہونے والی ہوں گی، ان کے سر اونٹوں کے کوہانوں کی طرح بڑے بڑے ہوں گے، جو جھکے ہوئے ہوں گے، یہ عورتیں نہ جنت میں داخل ہوں گی، نہ اس کی خوشبو سونگھیں گی، اور اس میں شک نہیں کہ جنت کی خوشبو دور مسافت سے سونگھی جاتی ہے۔ (مسلم شریف) ﴿۲﴾ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ، میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا، میری امت کے آخر میں ایسے مرد ہوں گے جو کجاوہ کے مانند

زین پر سوار ہوں گے، اور مساجد کے دروازوں پر اتریں گے، ان کی عورتیں کپڑے پہننے کے باوجود ننگی ہوں گی، ان کے سروں پر بالوں کا جوڑہ ایسا ہوگا جیسے کمزور بختی اونٹوں کا کوہان، (انہیں دیکھو تو) ان پر لعنت کرو! کیونکہ وہ ملعون عورتیں ہیں، اگر تمہارے بعد کوئی اور امت ہوتی تو تمہاری عورتیں ان کی خدمت اسی طرح کرتیں جس طرح پہلی امتوں کی عورتوں نے تمہاری خدمت کی (یعنی وہ تمہاری لونڈی بنادی گئیں) (ابن حبان)

﴿۳﴾ ایک طویل حدیث میں آنحضرت ﷺ نے ایسی عورت کے بارے میں جہنم میں عذاب ہونا بیان فرمایا، جو نامحرم مردوں سے اپنے سر کے بال نہیں چھپاتی تھی، بے پردہ اور کھلے سر ان کے سامنے آتی تھی، چنانچہ فرمایا، (شب معراج میں) میں نے دیکھا کہ ایسی عورت اپنے (سر کے) بالوں کے ساتھ جہنم کے اندر لٹکی ہوئی ہے اور اس کا دماغ (ہنڈیا کی طرح) پک رہا تھا۔

(الکبائر ص ۱۹۳)

ان احادیث سے بے پردہ عورتوں کے لیے جو عذاب بیان کیا گیا ہے، وہ یہ ہے کہ ایسی عورتیں دوزخی ہیں اور دوزخ سخت عذاب کی جگہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے پناہ دے۔

اس لیے خواتین کو چاہیے کہ بے پردگی سے بچیں، خاص طور پر حج وعمرہ کے سفر میں مکہ مکرمہ سے رہائش کے دوران، مسجد الحرام میں طواف اور سعی کے دوران، وہاں کے بازاروں میں، منیٰ، میدان عرفات میں جہاں حج کا سب سے بڑا رکن ادا ہوتا ہے۔، اور اللہ تعالیٰ کی بے شمار رحمتوں کا نزول ہوتا ہے وہاں بے پردگی اختیار کر کے اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت نہ دیں، مزدلفہ میں، اسی طرح مدینہ منورہ کے سفر میں، مدینہ طیبہ کی قیام گاہ میں، مسجد نبوی ﷺ میں، کیونکہ حج وعمرہ گناہوں کو

معاف کرانے کے لیے اور مغفرت چاہنے کے لیے ہیں، دانستہ گناہ کرنے کے لیے نہیں ہیں۔ اور حرمین شریفین میں جس طرح ہر نیکی کا ثواب بہت زیادہ ہے اس کا وبال بھی بہت سخت ہے، اس لیے اس مبارک سفر میں بے پردگی کے سنگین گناہ سے بے حد بچیں۔ اس کے علاوہ بھی زندگی بھر شرعی پردہ کی پابند رہیں، اللہ پاک توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

﴿۳۰۱﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں گذارش ہے کہ ہمارے امام وخطیب و مدرس شعبہ حفظ کے استاذ قاری نور احمد کو اللہ تعالیٰ نے حج بیت اللہ سے سرفراز فرمایا وہ چھٹیوں کی تنخواہ کا مطالبہ کرتا ہے، آیا از روئے شرع ہم کمیٹی والے ان کے مطالبہ کو منظور کریں تو کیا جائز ہوگا۔؟ بینوا توجروا۔ سائل صوفی محمد رمضان موسیٰ خیل میانوالی

الجواب: فتاویٰ برکاتیہ نے لکھا ہے کہ حج کی ادائیگی میں جو ایام صرف ہوئے ان ایام کی تنخواہ کا مطالبہ جائز نہیں اور ایسے مطالبہ کو منظور کرنا بھی جائز نہیں۔ اس لیے کہ مدرس ان ایام کی تنخواہ کا مستحق نہیں ہے۔

جیسا کہ شامی جلد سوم مطبوعہ ہند ص ۴۰۸ میں ہے" ان المدرس ونحوه اذا اصابه عذر من مرض او حج بحيث لا يمكنه الماشرة لا يستحق المعلوم لا نه اراد الحكم في المعلوم على نفس المباشرة فان وجدت استحق المعلوم والا فلا وهذا هوا الفقه

هذا ما ظهر لي والعلم عند الله تعالىٰ و رسول جل جلاله وصلے الله تعالىٰ عليه وسلم۔

نوٹ: اگر تعطیلات کے سلسلہ میں پہلے سے کوئی طے شدہ معاہدہ ہے تو اسی پر عمل ہوگا۔

الحمد للہ و الصلاۃ و السلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

﴿۳۰۳﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں دو سوال ارسال کر رہا ہوں ۔ دونوں کے قرآن و حدیث کے مطابق جواب دے کر ہم پر احسان فرمائیں ۔ ہماری دعا ہے کہ آپ کا سایہ جماعت اہلسنت پر تادیر قائم رہے ۔ حضور اکرم ﷺ کی قبر انور پر دعا کرنا کیسا ہے نیز سلام عرض کرنا کیا جائز ہے؟ سائل قاری محمد نعیم بھوروی کالاباغ میانوالی

الجواب: قبر پر دعا کرنا نہ فقط جائز بلکہ سنت ہے ۔ چنانچہ مسلم شریف میں حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، "کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کلما کان لبیتھا من رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بخرج من اخر اللیل الی البقیع فیقول السلام علیکم دار قوم مؤمنین واتا کم ما توعدون غدا مئو جلون وانا ان شاء اللہ بکم لا حقون اللھم اغفر لا ھل البقیع الغرقد۔ (مشکوٰۃ شریف صفحہ ۱۵٤)"

جب کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حضرت عائشہ کی باری ہوتی تھی تو آخر رات میں بقیع (قبرستان مدینہ طیبہ) کی طرف تشریف لے جاتے ۔ پس فرماتے تم پر سلام ہو ۔ اے اہل سرائے مومنین تمہیں جس چیز کا وعدہ کیا گیا تھا وہ مل چکا ۔ کل روز قیامت ہم ان شاء اللہ تم سے ملنے والے ہیں ۔ اے اللہ بقیع غرقد والوں کو مغفرت کر ۔

مسلم شریف میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، "کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعلمھم اذاتی القبر السلام علیکم اھل الدیار من المومنین والمسلمین وانا ان شاء اللہ بکم لا حقون نسئل اللہ لنا ولکم العافیۃ ۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۱۵٤)

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو جب وہ قبور کی طرف روانہ ہوتے یہ کلمات تعلیم کرتے تھے، تم پر سلام ہو اے اہل سرائے مومنین و مسلمین ہم بھی انشاء اللہ تم سے ضرور ملنے والے ہیں۔ ہم اللہ سے اپنے لیے اور تمہارے لیے عافیت کا سوال کرتے ہیں۔) ان احادیث شریفہ سے ثابت ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی قبر پر دعا کی اور امت کو قبر پر دعا کرنے کی تعلیم بھی دی۔ تو قبر پر دعا کرنا سنت ہو گیا۔ اسی بنا پر سلف وخلف نے قبور پر دعائیں کیں۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، "قبر موسیٰ کاظم رحمته الله عليه ترياق اكبر است مر قبول اجابت دعا۔ (از جذب القلوب)

ترجمہ: حضرت موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ کی قبر قبولیت واجابت دعا کے لیے تریاق اکبر ہے۔ بلکہ یہ حضرت امام شافعی بھی خود مزار حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ پر حاضر ہوتے ہوئے دعا کرتے۔ "انی اتبرك بابی حنيفة واجئی الی قبره فاذا عرضت لی حاجة صليت ركعتين وسالت الله تعالیٰ عند قبره فتقضی سريعا۔ (ردالمحتار مصری جلد ۱ ص ۳۹)

ترجمہ: میں امام ابو حنیفہ کے ساتھ تبرک حاصل کرتا ہوں۔ اور ان کی قبر پر حاضر ہوتا ہوں مجھے جب کوئی حاجت پیش ہوتی ہے تو دو رکعت نماز پڑھتا ہوں اور ان کی قبر کے پاس اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں تو وہ حاجت پوری ہو جاتی ہے۔ قبور عامۃ المومنین اور اولیاء صالحین پر دعا کرنا نہ فقط معمول امت بلکہ سنت سے ثابت ہوا۔ قبور انبیاء کرام پر اور خصوصاً سید الانبیاء محبوب کبریا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر پر دعا کرنے کا ہمیں حکم فرمایا گیا ہے۔

حضرت علامہ امام شیخ تقی الدین سبکی شفاء السقام میں اسی بحث دعا میں یہ فرماتے ہیں،

"نقول زيارة قبر النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ثبت فيها هذه المعاني الاربعة (زيارة القبور اما لتذكر الموت والاخرة او الدعا لا جله او للتبرك باهله او لا داء حقهم) اما الاول فظاهر واما الثاني فلا نا ما مورون بالدعاء له و ان كان هو غنيا بفضل الله عن دعائنا والثالث والرابع فلانه لا احد من الخلق اعظم بركة منه ولا اوجب حقا علينا منه فالمعنى الذى فى زيارة قبره لا يوجد فى غيره ولا يقوم غيره مقامه۔ (شفاء السقام ص ٦٥)"

تو قبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت یہ چاروں منافع ثابت ہوتے ہیں۔ موت اور آخرت کا یاد کرنا، اہل قبر کے لیے دعا کرنا، اہل قبر سے تبرک حاصل کرنے کے لیے، اہل قبر کا حق ادا کرنے کے لیے، تو پہلا نفع تو ظاہر ہے۔ اور دوسرا نفع یہ کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دعا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بفضل خدا ہماری دعا سے مستغنی ہیں۔ ان پر فضل خدا بہت ہے۔ تیسرا اور چوتھا نفع یہ ہے کہ مخلوق میں کوئی ان سے زائد برکت والا نہیں۔ اور نہ ہم پر ان سے زائد کسی کا حق واجب ہے تو جو نفع ان کی قبر شریف کی زیارت میں ہے تو وہ کسی کی زیارت قبر میں نہیں پایا جاتا کوئی ان جیسا نہیں ہوسکتا۔

ان عبارات سے ثابت ہوگیا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم پر حق ہے تو اس حق کے ادا کرنے اور روضۂ اطہر پر حاضر ہوکر دعا کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ تو روضہ اطہر پر دعا کا کرنا نہ فقط جائز بلکہ سنت سے ثابت ہوا۔

علامہ قاضی عیاض شفا شریف میں اور علامہ علی قاری ان کی شرح میں لکھتے ہیں، "قال بعضهم

رأيت انس ابن مالك اتى قبرا لنبى صلى الله عليه و سلم فوقف (اى بين يديه) فرفع يديه حتى ظننت انه افتتح الصلوة فسلم على النبى صلى الله عليه و سلم ثم انصرف (لا يعرف استحباب رفع اليدين فى ذالك المقام عن احد من العلام ولعله دعا الله سبحانه و تشنفع به عليه السلام۔ (شرح شفا ص ١٥٢)"

بعض محدثین نے کہا میں نے حضرت انس بن مالک کو دیکھا کہ وہ قبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہوئے اور ان کے سامنے کھڑے ہوئے۔ پھر اپنے ہاتھ اٹھائے یہاں تک کہ میں نے خیال کیا انہوں نے درود شروع کیا۔ اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام پیش کیا پھر واپس ہوئے۔ اس مقام میں رفع یدین کا مستحب ہونا علماء میں سے کسی نے منقول نہیں، تو غالباً حضرت انس نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ توسل کیا۔

بیہقی نے دلائل النبوۃ میں اور ابن ابی شیبہ نے بسند صحیح اپنے مسند میں حضرت مالک الدردا رضی اللہ عنہ سے روایت کی "اصاب الناس قحط فى زمان عمر بن الخطاب رضى الله عنه فجاء رجل (اى بلا بن الحارث الصحابى) الى قبر النبى صلى الله عليه و سلم فقال يا رسول الله استسق الله لا متك فانهم قد هلكو افاتاه رسول الله صلى الله عليه و سلم فى المنام فقال ائنت عمر فاقرئه السلام و اخبره انهم ليسحون۔

(وفاء الوفاء مصرى ج ٢ ص ٤٢١)"

کہ خلافت حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں قحط سالی میں لوگ مبتلا ہوئے۔ حضرت بلال بن حارث صحابی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف پر حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ اپنی امت کو

سیراب کیجئے۔ اللہ سے بارش طلب کیجئے کہ وہ ہلاک ہو جائیں گے۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خواب میں تشریف لائے اور فرمایا، کہ عمر کے پاس جا کر ان سے سلام کہنا اور ان کو خبر دینا کہ وہ بیشک سیراب کئے جائیں گے۔ علامہ ابن حجر نے الجواہر المنظم میں اور حافظ عبداللہ نے مصباح الظلام میں حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کی، "قد طلع علینا اعرابی بعد ما دفن رسول الله صلى الله عليه وسلم بثلاثة ايام فرمى بنفسه على قبرالنبى صلى الله عليه وسلم حثا من ترابه على راسه و قال يا رسول الله قلت فسمعنا قولك و وعيت عن الله سبحانه وما وعينا عنك و كان فيما انزل عليك " ولو انهم اذظلمو انفسهم جائوك فاستغفرو االله الاية" و قد ظلمت و جئتك تستغفر لى فنو دى من القبر انه قد غفرلك۔ (وفاء الوفاء مصرى ج۲ ص ٤١٢)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن کرنے کے تین دن بعد ہمارے روبرو ایک اعرابی آئے اور وہ قبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر گر پڑے اور اپنے سر پر خاک مزار انور ڈالنے لگے اور عرض کرنے لگے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے فرمایا پس ہم نے آپ کی بات کو سنا اور میں نے اللہ سبحانہ کے کلام اور آپ کے کلام کو محفوظ کیا۔ اور آپ پر نازل شدہ کلام میں سے یہ آیت ہے۔ اور اگر انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور وہ آپ کے پاس آئیں۔ اللہ سے مغفرت چاہیں۔ تا آخر آیت۔ تو میں نے ظلم کیا ہے اور آپ کے پاس حاضر ہوا ہوں۔ تو آپ میری مغفرت طلب کیجئے۔ تو قبر شریف سے آواز آئی کہ تجھکو بخش دیا گیا۔

ان احادیث سے ثابت ہو گیا کہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے بھی قبر اطہر پر حاضر ہو کر

صرف سلام ہی عرض نہیں کیا بلکہ دعا بھی کی۔

﴿۳۰۴﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبرانور کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا کیسا ہے؟۔میرے رشتے دار نجدی سختی سے منع کرتے ہیں۔کیا شریعت پاک میں آپ ﷺ کی قبرانور کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونے والا مشرک ہے؟ بینوا توجروا۔ سائل قاری محمد نعیم

الجواب: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبرانور کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا یہ آداب میں سے ایک بہترین ادب ہے۔جس کی علمائے عظام وفقہائے کرام نے بھی تصریح کی ہے۔فقہ کی مشہور کتاب فتاویٰ عالمگیری میں ہے، "ثم ینهض فیتوجه الی قبره فیقف عند رأسه مستقبل القبلة ثم یدنو منه ثلثة اذرع او اربعة ول یدنو منه اکثر من ذالك ولا یضع یده علی جدار التربة فهو اهیب و اعظم للحرمة و یقف کما یقف فی الصلوة۔(عالمگیری جلد ۱ ص ۱۳٦)

زائر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبرانور کی طرف متوجہ ہو کر سر مبارک کے مقابل قبلہ طرف متوجہ ہو کر سر مبارک کے مقابل قبلہ رو کھڑا ہو بقدر تین یا چار گز فاصلہ کے اور اس سے زائد قریب نہ ہو اپنا ہاتھ بنظر ادب تربت مبارک کی دیوار پر نہ رکھے۔اور اس طرح کھڑا ہو جیسے نماز میں کھڑا ہوتا ہے۔مراقی الفلاح میں ہے، "ثم تنهض متوجها لی القبر الشریف فتقف بمقدار اربعة اذرع بعیدًا عن المقصورة الشریفة بغایة الادب ۔ستدبر القبلة محاذ یا لراس النبی صلی الله علیه وآله وسلم ووجهه الاکرم۔(طحطاوی مصری ص ۴۲۳)

پھر قبر شریف کی طرف متوجہ ہو کر کھڑا ہو۔ اور بقدر چار گز کے گنبد شریف سے فاصلہ پر بغایت ادب قبلہ کو پشت کر کے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر اقدس و چہرۂ انور کے مقابل کھڑا ہو۔

شیخ الاسلام علامہ سید سمہودی نے "وفاء الوفاء باخبار دار المصطفٰی" میں سلسلہ آداب زیارت میں فرمایا، "و منها ان توجه بعد ذالك الى القبر الكريم مستعينا بالله تعالىٰ فى رعاية الادب فى هذه الموقف العظيم فيقف بخشوع و خضوع " (و فيه ايضا) فينبغى ان يقف بين يديه كما و صفنا (وفيه ايضا) قال الكرمانى من الحنيفية و يضع يمينه على شماله كما فى الصلوة۔ (وفاء الوفا مصرى جلد ۲ ص۴۳۷)

منجملہ آداب زیارت کے یہ ہے کہ قبر کریم کی طرف متوجہ ہو اس مقام عظیم میں رعایت ادب کی اللہ تعالیٰ سے اعانت طلب کرنے والا ہو، پھر خشوع و خضوع کے ساتھ کھڑا ہو، پس مناسب ہے کہ ہم نے جس طرح ذکر کیا قبر شریف کے سامنے کھڑا ہو۔ امام کرمانی حنفی نے کہا کہ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر اس طرح رکھے جیسا کہ نماز میں رکھتا ہے۔ علامہ محقق شیخ عبد الحق محدث دہلوی جذب القلوب میں بیان آداب زیارت میں فرماتے ہیں، "و در وقت سلام آنحضرت ووقوف در آنجناب با عظمت دست راست رابر دست چپ بنهد چنانچه در حالت نماز کند، کرمانی که از علماء حنفیه است تصریح کرده است۔ (جذب القلوب ص۱۶۸) بوقت سلام سامنے کھڑے ہونے میں باحترام دہنے ہاتھ کو بائیں پر ایسے رکھے جس طرح حالت نماز میں رکھتا ہے، علماء حنفیہ میں سے امام کرمانی نے اس بات کی تصریح کی ہے، شیخ الاسلام علامہ سید احمد دحلان الدرر السنیہ میں ناقل ہیں، "ذکر علماء النمناسك

ایضا ان استقبال قبره الشريف ووقت الزيارة والدعاء افضل من استقبال القبله قال العالمة المحقق الكمال بن الهمّام ان استقبال القبر الشريف افضل من استقبال القبله۔(دررالسنيه مصرى ص ۲۲) نیز علماء مناسک نے کہا کہ بوقت زیارت ودعا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر شریف کی طرف متوجہ ہونا قبلہ کی طرف متوجہ ہونے سے افضل ہے۔

علامہ محقق ابن ہمام نے فرمایا کہ بیشک قبر شریف کی طرف متوجہ ہونا روبقبلہ ہونے سے بہتر ہے۔

ان کثیر عبارات فقہاء وعلماء کرام سے ثابت ہوگیا کہ زائر کا بوقت زیارت وسلام ودعا قبر شریف کے سامنے قبلہ کی طرف پشت کرکے اور مزار اطہر کی طرف منہ کرکے مواجہ شریف اور سر اقدس کے مقابل بغایت ادب بخشوع وخضوع اس طرح دونوں ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا افضل ہے۔ جیسے نماز میں دہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر باندھ کر بصد خشوع وخضوع کھڑا ہوتا ہے۔ اسی کی تصریحات مذاہب اربعہ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی کی کتب میں موجود ہیں۔ بلکہ خود ائمہ مذاہب سے بھی اس میں تصریحیں مروی ہیں۔ مسند امام اعظم میں خود امام اعظم سے مروی ہے، ”ابو حنيفة عن نافع عن ابى عمر رضى الله عنهما قال من السنة ان تاتى وقبر النبى صلى الله عليه واله وسلم من قبل القبلة و تجعل ظهرك الى القبلة و تستقبل القبر بوجهك ثم تقل السلام عليك ايها لنبى و رحمة الله وبركاته۔(مسند امام اعظم ج ۱ ص ۵۲۳)

امام اعظم نافع سے راوی اور وہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے راوی انہوں نے فرمایا، یہ سنت ہے کہ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر اطہر پر قبلہ کی جانب سے آئے اور قبلہ کی طرف اپنی پشت کرنا اور قبر شریف کی جانب اپنا منہ کرلینا، پھر عرض کرنا آپ پر سلام ہو اے نبی اور اللہ کی

رحمت اور اور اس کی برکتیں۔ امام مالک رحمتہ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا جب کوئی شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر شریف پر حاضری کا ارادہ کرے تو وہ قبلہ کی طرف تو پشت کر لے اور قبر شریف کی طرف منہ کرے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سلام پیش کرے پھر دعا کرے۔ علامہ سبکی نے شفاء السقام میں خود اپنے مذہب شافعی کو نقل کیا، "وعن اصحاب الشافعي و غيره يقف و ظهره الى القبلة ووجهه الى الحظيرة وهو قول ابن حنبل۔ (شفاء السقام ص ۱۱۳) اصحاب شافعی وغیرہ سے منقول ہے کہ زائر اس طرح کھڑا ہو کہ اس کی پشت تو قبلہ کی طرف اور اس کا چہرہ گنبد شریف کی طرف ہو اور یہی امام احمد ابن حنبل کا قول ہے، علامہ زرقانی شرح مواہب لدنیہ میں مذہب شافعی کو نقل فرماتے ہیں، "عن مالك قال اذا سلم على النبى صلى الله عليه وآله وسلم و دعا يقف ووجهه الى القبر لا الى القبلة و يدنو ويسلم ولا يمس القبر بيده والى هذا مذهب الشافعي والجمهور، (زرقانی مصری ج۸ ص ۳۰۵)

امام مالک نے فرمایا جب کوئی شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سلام پیش کرے اور دعا کرے تو یوں کھڑا ہو کہ اس کا چہرہ قبر شریف کی طرف ہو قبلہ کی طرف نہ ہو اور قریب ہو جائے اور سلام پیش کرے۔ اور اپنے ہاتھ روضہ انور کو مس نہ کرے۔ یہی امام شافعی اور جمہور کا مذہب ہے۔

"وفيه ايضا اما دعاء فان الجمهور و منهم الشافعية والمالكية والحنفية على الاصح عندهم كما قال العلامة الكمال بن الهمام على استحباب استقبال القبر الشريف واستدبار القبلة لمن اراد الدعاء۔ (زرقانی مصری ج۸ ص ۳۱٤)"

لیکن دعا کرنا تو بیشک جمہور اوران میں شافعی اور مالکی بھی داخل ہیں۔اور صحیح قول کی بنا پر احناف بھی ہیں۔جیسا کہ علامہ ابن ہمام حنفی نے فرمایا کہ اس شخص کے لیے جو دعا کرنے کا ارادہ کرے قبر شریف کی طرف منہ کرنا اور قبلہ کی طرف پشت کرنا مستحب ہے۔

علامہ سبکی شفاء السقام میں امام محدث فقیہ ابن بطہ حنبلی کی ''کتاب الابانہ'' سے ناقل ''تاتی القبر تستقبله و تجعل القبلة وراء ظهرك و تقول السلام عليك ايها النبى و رحمة الله،(شفاء السقام ص ۱۱۲)

تو قبر شریف پر حاضر ہو کر اس کی طرف منہ کر اور قبلہ کو پس پشت کر اور کہہ کہ آپ پر سلام ہو اے نبی اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں۔یہی علامہ سبکی شفاء السقام میں مذہب حنبلی کی ''کتاب المستوعب'' سے ناقل ہیں:''قال يجعل القبر تلقاء وجهه و القبلة خلف ظهره والمنبر عن يساره وذكر كيفية السلام و الدعا۔ (شفاء السقام ص ۱۱٤)

کہا کہ قبر شریف کو اپنے چہرہ کے سامنے قبلہ کو اپنی پشت کے پیچھے اور منہ کو اپنے بائیں طرف رکھے اور کیفیت سلام اور دعا کا ذکر کیا۔علامہ سید احمد دحلان الدرالسنیہ میں مکہ شریف کے مفتی حنابلہ شیخ محمد کا فتویٰ نقل کرتے ہیں''ان المعتمد عند الحنابلة هو ما ذكره السائل اعنى استحبات استقبال القبر عند الدعاء و استحباب التوسل و المنكر لذلك جاهل بمذهب الامام احمد (الدرالسنيه مصرى ص ۲۱) بیشک حنبلیوں کا معتمد مذہب وہ ہے جس کو سائل نے ذکر کیا۔یعنی بوقت دعا قبر انور کی طرف منہ کرنا مستحب ہے۔اور توسل کرنا جائز ہے،اور جو اس کا انکار کرے وہ امام احمد کے مذہب سے جاہل ہے۔

٭٭٭

ان عبارات سے ثابت ہوگیا کہ اصحاب مذاہب اربعہ حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ، حنبلیہ بلکہ خود ائمہ اربعہ کی تصریحات نے یہ ظاہر کر دیا ہے کہ جو شخص بقصد زیارت روضۂ منورہ حاضر ہو تو وہ قبر شریف کے سامنے کھڑا ہو۔ اور قبلہ کی طرف پشت اور قبر شریف کی طرف منہ کر کے سلام پیش کرے اور دعا کرے۔ اور نہایت ادب و احترام کے ساتھ بخشوع و خضوع دونوں ہاتھ باندھ کر اس طرح کھڑا ہو جیسے نماز میں ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوتا ہے۔ یہی امت کے لیے بہتر و افضل ہے۔ اور بوقت زیارت احسن ادب بھی ہے۔ اور اہل اسلام کا معمول ہے۔ امت نے جب اس بات پر اتفاق کر لیا تو یہ ہرگز گمراہی نہیں ہو سکتی۔ آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فیصلہ دیدیا ہے،

''لا یجمع امة محمد علی ضلالة و ید الله علی الجماعة و من شذ فی النار (رواه الترمذی عن ابن عمر رضی الله عنهما) امت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گمراہی پر جمع نہ ہوگی۔ اور اللہ کی مدد جماعت پر ہے اور جو جماعت سے نکلا دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ تو اب اس جماعت مسلمین کا مخالف صرف یہ فرقہ وہابیہ نجدیہ ہوا، بحکم حدیث یہ فرقہ گمراہ و جہنمی ثابت ہوا۔

﴿۲۰۴﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا عورت بغیر محرم کے حج کر سکتی ہے؟ بینوا توجروا۔ سائل ملک جاوید اقبال طرہ باز ٹاؤن میانوالی

الجواب: عورت خواہ جوان ہو یا بوڑھی ہر عورت پر وجوب حج کے لیے محرم کا ہونا شرط ہے۔ اگر محرم نہ ہو تو عورت پر حج واجب ہی نہیں ہوتا۔ اسی طرح عورت پر محرم کے سفر حج کا نفقہ بھی واجب و لازم ہے، پس عورت اپنے رشتہ دار عورتوں کے ساتھ یا اپنے غیر محرم مردوں کے ساتھ شرعا حج کو نہیں جا سکتی۔ محرم شوہر اور وہ ہر مرد ہے جس سے عورت کا نکاح دوامی اور ابدی

طریقے پر بسبب قرابت، رضاعت، یا مصاہرت حرام ہو، بشرطیکہ محرم غیر زوج عاقل بالغ ہو اور فاسق نہ ہو بلکہ مرد صالح اور امین ہو۔

فتاویٰ عالمگیری مصری جلد اول ص ۲۰۴ میں ہے، "و منها المحرم للمرأة شابة كانت او عجوزاً اذا كان بينها بين مكة مسيرة ثلثلة ايام، و ان كان اقل من ذلك خحت بغير محرم كذا فى البدائع، هكذا فى المحيط و المحرم الزوج و من لا يحوز منا كحتها على التابيد بقرابة اور ضاع او مصاهرة كذا فى الخلاصة و يشترط ان يكون ما مونا عاقلا بالغاحرا كان او عبدا كافرا كان او مسلما كذا فى فتاوىٰ قاضى خان و تحب عليها النفقة والراحلة فى ما لها للمهرم ليحج بها (ملخصا)

اسی میں سے محرم کا ہونا ہے عورت چاہے جوان ہو یا بوڑھی اگر مکہ تک سفر تین دن کا ہے ایسا ہی المحیط میں ہے اور محرم شوہر ہے یا جس سے نکاح ہمیشہ کے لیے حرام ہے۔ یہ حرمت نکاح کے رشتہ کی وجہ سے ہو یا رضاعت کی وجہ سے یا مصاہرت کی وجہ سے۔ ایسا ہی الخلاصہ میں ہے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ محرم محفوظ کردار کا ہو۔ عاقل، بالغ ہو، خواہ غلام ہو یا آزاد، مسلمان ہو یا کافر۔ ایسا ہی فتاویٰ قاضی خاں میں ہے۔ محرم کے تمام اخراجات عورت کے ذمہ ہوں گے۔

مجمع الانہر استنبولی جلد اول ص ۲۳۳ میں ہے، "(و) مع وجود (زوج او محرم للمرأة) الشابة والعجوز بعد ما كانت خالية عن العدة اية عدة كانت و ظاهره ان المحرم شرط الوجوب و فى الاصلاح وهو الصحيح ان كان بينها و بين مكة مسافة سفر (ولا تحج المرأة) بلا احد هما اى الزوج والمحرم (ملخصا)

شوہر یا محرم کا وجود ضروری ہے۔ عورت خواہ جوان ہو یا بوڑھی، کسی بھی طرح کی عدت سے بھی خالی ہونا ضروری ہے۔ ظاھر یہ ہے کہ محرم کا ہونا حج کے واجب ہونے کے لیے شرط ہے، اگر اس کے اور مکہ کے درمیان تین دان تین رات کے سفر کی مسافت ہے۔ عورت شوہر یا محرم میں سے کسی ایک کے بغیر حج نہ کرے۔ اسی میں ہے، "ولا یجب علیھا التزوج ھذا علی قول من قال ھو شرائط الوجوب کما فی اکثرا الکتب" (المحیط)

عورت پر حج کے لیے شادی کرنا ضروری نہیں۔ یہ اس قول کی بنیاد پر ہے جس نے کہا کہ محرم کا ہونا شرائط وجوب میں سے ہے۔ جیسا کہ اکثر کتابوں میں ہے،

اکثر حج کے ارادے سے جانے والا کوئی مرد ہندہ سے نکاح کرنے پر راضی ہو جائے اور ہندہ بھی نکاح پر راضی ہو تو بعد نکاح ہندہ اس شوہر کے ساتھ سفر حج کو شرعا جا سکتی ہے۔ بشرطیکہ شوہر اپنے خرچہ سے حج کرنا منظور کر لے، اور ہندہ پر سفر حج کا خرچ اور ارنہ ڈالے۔

رد المحتار میں ہے، "قولہ (مع الکراھۃ) ای التحریمیۃ للنھی فی حدیث الصحیحین لا تسافر المرأۃ ثلثا الا و معھا محرم زاد مسلم فی روایۃ اوزوج۔

کراہت سے مراد کراہت تحریمی ہے۔ کیونکہ صحیحین کی حدیث میں ممانعت آئی ہے، تین دن کی مسافت کی صورت میں عورت بغیر محرم سفر نہ کرے، مسلم کی روایت میں اوزوج یا شوہر کی زیادتی ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

باب الذبائح

(ذبح کا بیان)

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

﴿۳۰۵﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، حلال جانوروں مثلاً دنبہ، مرغ اور گائے وغیرہ کا چمڑا مع گوشت یا گوشت الگ بھون کر یا پکا کر کیا ہم کھا سکتے ہیں کچھ لوگ اختلاف کرتے ہیں وضاحت کریں نیز حلال جانوروں کا کپورے کھانا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔ سائل محمد اصغر علی بھوروی میانوالی

الجواب: ذبح شرعی کے باوجود حلال جانوروں کا کپورہ کھانا حرام ہے

فتاویٰ عالمگیری جلد پنجم مطبوعہ مصر ص ۲۵۶ میں ہے" ما یحرم اکله من اجزاء الحیوان سبعة الدم المسفوح والذکر والا ثنتان والقبل، والغدة، والمثانة، والمرارة کذا فی البدائع"۔ یعنی حلال جانوروں میں سات چیزیں حرام ہیں، (۱) بہتا ہوا خون (۲) آلہ تناسل (۳) دونوں خصیے یعنی کپورے (۴) شرمگاہ (۵) غدود (۶) مثانہ (۷) اور پتہ ایسے ہی بدائع میں ہے۔ اور حلال جانوروں کا چمڑا بعد ذبح شرعی مع گوشت یا گوشت سے الگ بھون کر یا پکا کر کھانا جائز ہے، (فتاویٰ رضویہ جلد ہشتم ص ۳۲۴)

﴿۳۰۶﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ قربانی کا بکرا پورے سال کا ہے اور دوسرا دانت ابھی نہیں نکلا ہمارے امام صاحب کہتے ہیں دوبارہ دانت نکلیں گے تب قربانی درست ہوگی۔ آپ ہی اس کی وضاحت کریں۔ بینوا وتوجروا۔ سائل ناصر خان میانوالی۔

الجواب: قربانی کے بکرا کی عمر سال بھر ہونا ضروری ہے دوبارہ دانت کا نکلنا ضروری نہیں لہٰذا بکرا اگر واقعی سال بھر کا ہے تو اس کی قربانی جائز ہے اگر چہ اس کے دانت دوبارہ نہ نکلے

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ہوں ۔ درمختار مع شامی جلد ۵ ص ۲۰۴ میں ہے، "صح الثنی فصاعد او الثنی هوا بن حول من الشاة ملخصا"۔

﴿۲۰۷﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ میں نے بکری ذبح کی اس کے پیٹ سے بچہ نکلا کیا ہم اس کا گوشت استعمال کر سکتے ہیں ؟ بینوا توجروا۔ سائل محمد اکرم محلہ گئوشالہ میانوالی

الجواب: جس بکری کے پیٹ میں بچہ نکلے وہ زندہ ہو یا مردہ اگر وہ شرعی طریقہ پر ذبح کی گئی ہے تو اس کا گوشت کھانا جائز ہے۔ اور جو بچہ کہ اس کے پیٹ میں زندہ نکلے اگر چاہیں تو اس کو بھی ذبح کر دیں اور چاہیں تو باقی رکھیں۔ لیکن قربانی کے جانور میں سے زندہ بچہ نکلے تو اس کا ذبح کرنا ضروری ہے۔

﴿۲۰۸﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ کیا خرگوش کا گوشت کھا سکتے ہیں؟ بینوا توجروا۔ سائل محمد آصف شہزاد تری خیل میانوالی۔

الجواب: خرگوش جانور کا گوشت کھانا حلال ہے۔ کہ حضور اکرم ﷺ نے اس کا بھنا ہوا گوشت تناول فرمایا ہے اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو بھی اس کے کھانے کی اجازت دی ہے۔ جیسا کہ ھدایہ جلد چہارم ص ۴۲۵ میں ہے، "لا باس باکل الارنب لا نالنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اکل منه حین اهدیٰ الیه مشویا وامر اصحابه رضی اللہ تعالیٰ عنهم باکل منه ۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

﴿۳۰۹﴾ **فتویٰ شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ میرے بھائی نے مچھلی تالاب سے پکڑی اور اس کو گھر لا کر برتن میں چھوڑ دیا۔ کچھ دنوں کے بعد وہ مرگئی۔ کیا اس کو ہم کھا سکتے ہیں؟ بینوا توجروا۔ سائل ظفر کندیاں میانوالی

الجواب: مچھلی اگر تھوڑے پانی یا جگہ کی تنگی کے سبب مرگئی تو اس کا کھانا جائز ہے۔ ایسا ہی درمختار و ردالمحتار جلد ۵ صفحہ ۱۹۵ میں ہے، اور بہار شریعت حصہ پانزدہم ص ۱۲۶ میں سے وہ گھڑے یا گڑھے میں مچھلی پکڑ کر ڈال دی اور اس میں پانی تھوڑا تھا اس وجہ سے یا جگہ کی تنگی کی وجہ سے مرگئی تو وہ مری ہوئی مچھلی حلال ہے۔

﴿۳۱۰﴾ **فتویٰ شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ جانور جو بغیر ذبح کے مرجاتا ہے یعنی حرام ہو جاتا ہے اس مردہ جانور کا چمڑہ اتارنا اسے فروخت کرنا اور فروخت سے حاصل شدہ رقم کو استعمال کرنا کیا ہے؟ بینوا وتوجروا۔ سائل سیف الرحمن میانوالی۔

الجواب: صرف انسان اور خنزیر کے جسم کے کسی بھی حصہ مثلاً گوشت، ہڈی، پٹھے، چربی، کھال، بال وغیرہ سے فائدہ اٹھانا استعمال کرنا، بیچنا، خریدنا حرام ہے۔ ان کی قیمت لینا دینا حرام ہے۔ انسان وہ قابل عزت و احترام ہے۔ اس کے جسم کے اجزاء کو استعمال کرنا اس کی توہین ہے۔ خنزیر کا اس لیے کہ وہ نجس العین ہے۔ باقی ہر جانور کے چمڑے، ہڈی، پٹھا وغیرہ کو رنگنا آلائش سے صاف کر کے استعمال میں لانا جائز ہے۔ فقہائے اسلام فرماتے ہیں "کل اھاب دبغ فقد طھر و جازت الصلوٰۃ فیہ والوضوء منہ الا جلد الخنزیر والآدمی۔" خنزیر اور

آدمی کے چمڑے کے علاوہ جو بھی چمڑا رنگ دیا جائے پاک ہو جاتا ہے۔ اس میں نماز جائز اور اس سے وضو کرنا درست ہے۔ کیونکہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا، "ایما اهاب دبغ فقد طهر" جو بھی چمڑا رنگ لیا جائے وہ پاک ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ سیدہ میمونہؓ کی مردہ بکری کے پاس سے گذرے، فرمایا اس کے (چمڑے) کو رنگ کر تم نے فائدہ کیوں نہ اٹھایا؟ عرض کی گئی یا رسول اللہ ﷺ یہ مردار ہے، فرمایا مردار کا کھانا حرام ہے۔ (اس کا چمڑا منع نہیں) (ہدایہ مع القدیر، ص ۸۱ ج ۱، درالمختار معی دارالمختار شامی ص ۲۰۳، ج ۱) علامہ علاؤالدین بن ابوبکر بن مسعود الکاسانی الحنفی فرماتے ہیں، "منها الدباغ للجلو دالنجسة فلاد: اغ تطهير للجلود كلها الاجلد الانسان والخنزير۔ پاک کرنے کا ایک طریقہ، پلید چمڑوں کے لئے رنگنا ہے۔ انسان اور خنزیر کے علاوہ تمام چمڑوں کا پاک کر دیتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، "ایما اهاب دبغ فقد طهر كالخل تخلل فتحل" جس چمڑے کو رنگ لیا جائے پاک ہو جاتا ہے، جیسے شراب سے سرکہ بنا لیا جائے تو حلال ہو جاتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک قوم کے صحن سے گذرے ان سے پانی مانگا ایک عورت نے کہا! یا رسول اللہ ﷺ صرف ایک مشکیزے میں پانی ہے جو مردار کے چمڑے سے بنا ہوا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، "الست دبغتها فقالت نعم فقال دباغها طهورها۔" تو نے اسے رنگا نہیں بولی یا رسول اللہ ﷺ رنگا ہے۔ فرمایا اس کی دباغت (رنگنا ہی) اس کی پاکی ہے۔ (بدائع الصنائع ص ۸۵ ج ۱)

پس چمڑا انسان اور خنزیر کے سوا کسی بھی جانور کا ہو اسے دباغت یعنی رنگنے کے بعد استعمال میں لانا

اس کی خرید وفروخت کرنا، اسے ہبہ کرنا جائز ہے۔ دباغت کے مراحل سے گذار کر آلائشوں سے پاک صاف کرنا ایک معقول طریقہ ہے۔ پہلے دور میں یہ مقصد مہینوں بعد حاصل ہوتا تھا۔ فضا میں تعفن بہت زیادہ پھیلتا تھا۔ مگر آج کل کیمیکلز کے ذریعے بآسانی کم سے کم وقت میں مقصد حاصل ہوتا ہے۔ لہٰذا دباغت کے بعد اس سے جو چاہیں بنائیں اور استعمال میں لائیں۔

﴿۳۱۱﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، برائلر مرغی کھانا کیسا ہے، قرآن وسنت کی روشنی میں اس کی وضاحت کردیں؟

سائل محمد آصف بلوچ میانوالی

الجواب: جواب سمجھنے سے پہلے دو باتیں سمجھنا بہت ضروری ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ حلت اور حرمت ایسی چیزیں نہیں ہیں کہ جن کا تعلق انسان کے ذوق اور مزاج کے ساتھ ہو، جسے انسانی ذوق چاہے اس کو حلال اور جسے چاہے حرام سمجھ لے بلکہ یہ شریعت ہے جس کا خالق کائنات نے اپنے بندوں کو مکلّف بنایا ہے۔ اس لیے حلال وہی چیز ہے جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زباں پر حلال کردیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے، ”**ولا تقولوا لما تصف السنتکم الکذب ھذا حلال و ھذا حرام لتفتروا علی اللہ الکذب ان الذین یفترون علی اللہ الکذب لا یفلحون (النحل ۱۱۶)**

ترجمہ: اور اپنی زبانوں کے جھوٹ بنا لینے سے یہ مت کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے تا کہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھو یقیناً وہ کامیاب نہیں ہوں گے۔ جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں۔)

الصلاۃ والسلام علیک یا سیدی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

دوسری بات یہ ہے کہ حلال اور حرام عقل کے تابع نہیں اور نہ ہی قیاسات اور مادی وسائل سے ان کا اثبات کیا جاسکتا ہے او جو لوگ اسے مادی وسائل اور عقل کے تابع بناتے ہیں وہ گمراہی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ قرآن مجید اور سنت نبوی ﷺ میں کوئی ایسی چیز نہیں ملتی جس سے برائلر مرغی کا حرام ہونا ثابت ہو سکے۔ بلکہ حدیث سے مرغی کا حلال ہونا ثابت ہے۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، "رائیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یا کل دجاجا،" صحیح بخاری مع الفتح الباری ج۹ ص ۵۶۱۔ یہ حدیث صحیح مسلم، دارمی، بیہقی اور مسند احمد میں بھی ہے۔ میں نے نبی کریم ﷺ کو مرغی کا گوشت کھاتے ہوئے دیکھا۔

امام بخاری نے اس پر باب باندھا ہے۔ باب لحم الدجاج اور امام ترمذی بھی فرماتے ہیں

باب ماجاء فی اکل الدجاج: نبی کریم ﷺ تو پاکیزہ کھانا ہی کھاتے تھے اور ایسے کھانے کے قریب تک نہیں جاتے تھے کہ جس میں کراہت ہو۔ نبی کریم ﷺ کا مرغی کا گوشت کھانا اس کے حلال ہونے کی واضح دلیل ہے۔ اس کے بعد کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ مرغی کے گوشت کو حرام قرار دے۔ صرف اس شبہ سے کہ اس کی خوراک میں حرام چیزیں استعمال ہوتی ہیں۔ کیونکہ حلت اور حرمت میں جانور کی غذا کا اعتبار نہیں بلکہ شریعت کا اعتبار ہے۔ کیونکہ بعض ایسے جانور ہیں کہ جن کی خوراک پھل، سبزیاں، اور حلال اشیاء ہیں اس کے باوجود وہ حرام میں مثلاً گیدڑ بندر وغیرہ ایسے جانوروں کو کھانا ہرگز حلال نہیں۔ حالانکہ ان کی خوراک غالباً پاکیزہ ہوتی ہے لیکن شریعت نے انہیں حرام قرار دیا ہے۔

اگر حرام اور حلال ہونے کی علت جانور کے کھانے (خوراک) کو تسلیم کر لیں کہ جس کی خوراک

پاک ہے اور حلال ہوگی اس کا گوشت حلال اور جس کی خوراک نجس ہوگی اور حرام ہوگی اس کا
گوشت حرام ہوگا۔ تو فرض کریں کہ کوئی شخص خنزیر کے بچے کو پیدائش ہی سے گھر میں پالتا ہے اسے
حلال اور پاک غذا مہیا کرتا ہے تو کیا وہ حلال ہو جائے گا۔ اگر اس بارہ میں کوئی شخص اپنی عقل کو
فیصل مانے گا تو اس کے مطابق تو حلال ہوگا۔ کیونکہ اس نے کبھی حرام اور نجس چیز کھائی ہی نہیں اور
اگر اپنا فیصلہ شریعت کی طرف لے جائے گا تو شریعت کے مطابق یہ حرام ہوگا۔
ان تمام دلائل سے معلوم ہوا کہ حلت اور حرمت میں جانور کی خوراک کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ شریعت
کا اعتبار رہوگا۔

شبہ کا رد جو لوگ برائلر مرغی کو حرام قرار دیتے ہیں وہ اسے جلالہ پر قیاس کرتے ہیں۔ جسے
نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حرام قرار دیا ہے۔ جیسا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث
میں ہے، "نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن اكل الجلالة والبانها۔"
ابوداؤد ترمذی ابن ماجہ کہ نبی کریم ﷺ نے جلالہ کے کھانے سے اور ان کے دودھ سے منع کیا ہے۔
اس حدیث سے جلالہ کی قطعی حرمت ثابت نہیں ہوتی بلکہ اس کے استعمال سے اس وقت تک
روکا گیا ہے۔ جب تک کہ اس کی گندی خوراک کی بدبو زائل نہ ہو جیسا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما
کے صحیح اثر سے ثابت ہے کہ "انه كان يحبس الد جاجة الجلالة ثلاثا۔"
رواہ ابن ابی شیبہ اور علامہ ناصر الدین البانی نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ ارواہ الغلیل جلد ۸
ص ۱۵۱: عبداللہ بن عمرؓ جلالہ مرغی کو تین دن بند رکھتے تھے (پھر استعمال کر لیتے تھے) یہ صرف اس
لیے کرتے تھے تا کہ اس کا پیٹ صاف ہو جائے اور گندگی کی بدبو اس کے گوشت سے جاتی

رہے۔اگر جلالہ کی حرمت گوشت کی نجاست کی وجہ سے ہوتی تو وہ گوشت جس نے حرام پر نشوونما پائی ہے کسی بھی حال میں پاک نہ ہوتا۔جیسا کہ ابن قدامہ نے کہا ہے،

"ولو نجست الجلالة لما طهرت بالحبس۔"

کہ اگر جلالہ نجس ہوتی تو دو تین دن بند کرنے سے کبھی پاک نہ ہوتی۔المغنی جلد۹ص۴۱۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے اس صحیح اثر سے معلوم ہوتا ہے کہ جلالہ کی حرمت اس کے گوشت کا نجس اور پلید ہونا نہیں بلکہ علت اس کے گوشت سے گندگی کی بدبو وغیرہ کا آنا ہے۔

جیسا کہ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں،"والمعتبر فی جواز کل الجلالة زوال رائحة النجاسة ان تعلف بالشیئی الطاهر علی الصحیح۔ (فتح الباری جلد ۹ ص ٥٦٥)

جلالہ کے کھانے کا لائق ہونے میں معتبر چیز نجاست وغیرہ کی بدبو کا زائل ہونا ہے۔یعنی جب بدبو زائل ہوجائے تو اس کا کھانا درست ہے۔علامہ صنعانی بھی فرماتے ہیں،

"قیل بل الاعتبار بالرئحة والنتن (سبل السلام ج ٤ ص ۷۷)

کہ جلالہ کے حلال ہونے میں بدبو کے زائل ہونے کا اعتبار کیا جاتا ہے۔جلالہ کے بارے میں اہل لغت کے اقوال جان لینے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں

اکثر اہل لغت نے لکھا ہے،"الجلالة هی البقرة التی تتبع النجاسات "

(لسان العرب جلد۲ص۳۳۶،الصحاح للجوهری جلد۴ص۱۶۵۸القاموس المحیط جلد۱ص۵۱۹

کہ جلالہ وہ گائے ہیں جو نجاسات کو تلاش کرتی ہیں۔ابن منظور الافریقی لکھتے ہیں،والجلالة من الحیوان التی تاکل الجلة العذرة۔(لسان العرب جلد ۲ ص ۳۳٦) کہ جلالہ وہ حیوان

اور انسان کا پاخانہ وغیرہ کھاتے ہیں

اس قول کے مطابق برائلر مرغی جس کو لوگ حرام قرار دیتے ہیں جلالہ بنتی ہی نہیں ہے، کیونکہ وہ انسان کا پاخانہ نہیں کھاتی ۔لہٰذا اسے جلالہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ اس میں جلالہ کی علت نہیں پائی جاتی اور جب علت نہ رہی تو جلالہ والا حکم بھی اس پر نہیں لگ سکتا۔

لہٰذا برائلر مرغی جس کی غذا حلال اور حرام چیزوں کے مرکبات سے تیار ہوتی وہ حلال ہے جس میں کوئی شبہ نہیں ۔ اس کی غذا کا اعتبار نہیں بلکہ شریعت کا اعتبار ہے۔ جس نے اسے حلال قرار دیا ہے ۔ نیز جب حرام چیز کی حقیقت بدل جائے اس پر شرعا حرمت کا حکم نہیں لگایا جا سکتا جسطرح گدھا نمک کی کان میں گر کر مر جائے اور نمک ہو جائے تو اس کا کھانا جائز ہے مرغیوں کے خوراک میں استعمال ہونے والا خون وغیرہ کی حقیقت بدل جاتی ہے اس لئے اس پر حرمت کا حکم باقی نہ رہا۔

آخر میں یہ بھی اچھی طرح یاد رہے کہ مرغی کی خوراک میں جو خون مردار اور دوسری حرام اشیاء ڈالی جاتی ہیں اگر چہ یہ انسانوں کے لیے حرام ہیں ۔ جانوروں کے لیے نہیں کیونکہ وہ تو مکلف ہی نہیں ہیں ۔لیکن اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے انسانوں کے لیے جن اشیاء کا کھانا حرام قرار دیا ہے۔ ان کی خرید وفروخت بھی حرام قرار دی ہے ۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں "لعن الله اليهود۔ ثلاثا ان الله حرم عليهم الشحوم فباعوها واكلوا اثمانها و ان الله اذا حرم على قوم اكل شيئ حرم عليهم ثمنه (صحيح سنن ابى داؤد للالبانى ج۲ ص٦٦٧ و احمد)"

اللہ تعالیٰ یہودیوں پر لعنت کرے۔ آپ ﷺ نے یہ کلمات تین مرتبہ دہرائے پھر کہا اللہ تعالیٰ نے ان

پر چربی کا کھانا حرام کر دیا تو انہوں نے اسے فروخت کر کے اس کی قیمت استعمال کرنی شروع کر دی اور یقیناً اللہ تعالیٰ جس کسی قوم پر کسی چیز کا کھانا حرام کر دیتا ہے۔ اس کی قیمت بھی ان پر حرام کر دیتا ہے۔ اور ایک روایت میں یہ لفظ ہیں، "ان اللہ حرم الخمر و ثمنها و حرم الميتة و ثمنها و حرم الخنزير و ثمنه (صحيح ابو دائود ج ٢ ص ٦٦٦)"

بے شک اللہ تعالیٰ نے شراب مردار خنزیر کو حرام قرار دیا ہے اور ان کی قیمتیں بھی حرام کی ہیں۔

رسول کریم ﷺ کے ان فرامین سے معلوم ہوتا ہے کہ جن چیزوں کا کھانا انسان کے لیے حرام ہے اس کی خرید و فروخت کرنا بھی حرام ہے۔ ایسا کرنے والا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا مرتکب ہے اور حرام کمائی کھانے اور جمع کرنے میں مصروف ہے۔

ہمارے ان بھائیوں کو چاہیے کہ وہ مرغی کی خوراک تیار کرنے میں حرام اشیاء کی خرید و فروخت سے اجتناب کریں خوراک میں مردار اور خون ڈالنے کی بجائے مچھلی کا چورا ڈال لیں۔ جب حلال چیز کی خرید و فروخت میں کفایہ ہے تو پھر حرام کی کیا ضرورت ہے؟ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو قرآن و سنت پر عمل کرنے کی توفیق دے۔ آمین۔

﴿۲۱۳﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ ہماری گائے گابھن قریب المرگ میں نے شریعت کیمطابق ذبح کر دی۔ ذبح شدہ گائے کا گوشت تقسیم کر دیا۔ ہمارے گاؤں کے حاجی صوفی حسین خان پڑھے لکھے آدمی ہیں۔ سکول ماسٹر ریٹائرڈ ہیں۔ انہوں ے کہا گاے کا گوشت حرام ہے۔ کیونکہ اس میں مرا ہوا بچھڑا نکلا ہے۔ آپ ہی از روئے شرع بتائیں کے گائے کا گوشت کھانہ صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(سائل عامر خان نیازی وانڈھار بناز خیلانوانہ میانوالی۔)

الجواب: اگر مالک مسلمان ہے اور اس نے گائے زندہ کو صحیح طور پر ذبح کیا ہے اللہ تعالیٰ کے نام پر تو وہ حلال ہے، قرآن کریم میں واضح فرمان ہے، "**فکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ ان کنتم بایٰتہ مومنین (پ۸ ع ۱ آیت ۱۱۸)**" یعنی اگر اللہ تعالیٰ کی آیتیں مانتے ہو تو کھاؤ ان جانوروں سے جو اللہ کے نام پر ذبح کیے گئے اور اگلی آیت میں ہے،

"**وما لکم لا تاکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ و قد فصل لکم ما حرم علیکم**" الآیۃ. یعنی تمہیں کیا ہوا کہ اس جانور سے نہ کھاؤ جس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو اور یونہی بکثرت حدیثیں ہیں اور کتب فقہ میں حلال لکھا ہے فتاویٰ عالمگیری ج ۴ ص ۷۳ میں ہے، "**واذا علمت حیوتھا یقیناً و قت الذبح اکلت بکل حال**، یعنی جب جانور مریض کی زندگانی یقیناً معلوم ہو ذبح کے وقت تو وہ ہر حال میں حلال ہے۔ کھایا جائے۔۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ حاملہ جانور کو ذبح کیا جائے اور اس کے پیٹ سے مرا ہوا بچہ نکلے تو وہ بچہ حرام ہے۔ کہ اس پر اللہ تعالیٰ کے نام پر چھری چلی نہیں تو یہ اور مسئلہ ہے نا کہ ماں حرام ہوگئی۔

﴿۲۱۳﴾ فتویٰ شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، طوطا حرام ہے یا حلال وضاحت فرمادیں؟ بینوا توجروا۔ سائل امیر احمد خان نیازی گلمیری میانوالی۔

الجواب: طوطا حلال ہے، قرآن کریم میں ہے، **خلق لکم ما فی الارض جمیعا** اور یہی احادیث شریفہ اور قواعد وضوابط شرعیہ سے ثابت ہے اور پھر اس کی صاف صاف تصریح ہے۔ میزان شعرانی ج ۲ ص ۶۲ اور رحمۃ الامہ ج ا ص ۱۷۱ میں ہے، والببغاء یعنی طوطا حلال ہے،

فتاویٰ برہنہ ج ۲ ص ۱۵۲ میں ہے، وہمچنیں طوطا ولیہ الفتوی'

﴿۲۱۴﴾ فتـــوی شـــرعـــی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، ہمارے علاقہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ ذبح فوق العقدہ حرام ہے یا حلال۔ شرعی فتویٰ سے آگاہ فرمائیں؟ بینوا توجروا۔ سائل ظفر اللہ خان میانوالی۔

الجواب: شرعاً ذبح رگوں کے کاٹنے کا نام ہے۔ چار رگیں مری، حلقوم، ودجان، (سانس، کھانے پینے والی رگ، اور دونوں طرف مجریٰ خون کی رگیں) ان میں سے تین رگیں کٹ جائیں تو جانور حلال ہوتا ہے۔ عموماً ذبح مافوق العقدہ میں تین رگیں نہیں کٹتی اس لیے جانور کو حرام سمجھا جاتا ہے۔ اس کا تعلق دیکھنے سے ہے اگر رگیں کٹ جائیں تو جانور حلال ہوگا۔ حدیث مقدسہ میں عروق رگوں کا کاٹنا حلت کی شرط قرار دیا گیا ہے۔

(بہار شریعت حصہ ۱۵ ص ۹۵، فتاویٰ فیض الرسول ج ۲ ص ۴۲۵، فتاوی عالمگیری ج ۵، ص ۲۵۰، فتاوی نوریہ ج ۳ ص ۳۹۶)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کتاب الاضحیہ

(قربانی کا بیان)

﴿۳۱۵﴾فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، عشرہ ذی الحجہ کے فضائل وضاحت فرمادیں؟ بینوا توجروا۔ سائل اکرم شیخ میانوالی۔

الجواب: (۱)عشرہ ذی الحجہ کی فضیلت آں حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اس ماہ کے پہلے دس دن بہت عظیم المرتبہ ہیں۔ (اس طور سے) کہ ہر دن کے روزہ کے بدلے اللہ تعالیٰ ایک سال کے روزوں کا ثواب عطا فرماتے ہیں۔ اور ہر رات کے قیام کا ثواب لیلۃ القدر کے قیام کے ثواب کے برابر بخشتے ہیں۔ (ترمذی شریف)

(۲)عرفہ کے روزے کی فضیلت۔ ذی الحجہ کی نویں تاریخ وعرفہ کے دن کا روزہ رکھنے والے کیلیے اللہ تعالیٰ دو برس کے گناہ معاف فرماتے ہیں۔ ایک سال گزشتہ کا گناہ اور ایک سال آئندہ کا گناہ (صحیح مسلم شریف)

ایک روایت میں ہے کہ عرفہ کے دن روزہ رکھنے والے کو ایک ہزار دن کے روزوں کا ثواب ملتا ہے۔ (سنن کبریٰ بیہقی)

(۳)نماز عید الاضحی۔ مرد اور عورت غسل کر کے اچھا صاف، ستھرا اور اگر ممکن ہو تو نیا لباس پہن کر (مرد خوشبو بھی لگا کر) بغیر کچھ کھائے عیدگاہ جائیں۔ بخاری ومسلم شریف۔

عیدگاہ میں وقت مقررہ پر پہنچ جائیں۔ آفتاب ایک نیزہ بلند ہو جائے تو نماز ادا کر لی جائے۔ راستہ میں بلند آواز سے تکبیر پڑھتے ہوئے جائیں۔ اور تکبیر پڑھتے ہوئے دوسرے راستے سے واپس آئیں اس کے بعد قربانیاں کی جائیں۔

(٤)قربانی کی فضیلت اسلام کے ہر عمل میں خلوص نیت شرط ہے۔ اگر نیت مخلصانہ ہے

تو قربانی بہت بڑے اجر وثواب کا عمل ہے۔ فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ''بکل شعرۃ حسنۃ''
یعنی قربانی کے جانور کے ہر ہر بال اور ہر ہر روئیں کے بدلے میں ایک ایک نیکی لکھی جاتی ہے۔ اور
فرمایا، ''وما عمل ابن آدم من عمل یوم النحر احب الی اللہ من اھراق الدم'' یعنی عید
قربانی کے دن قربانی سے زیادہ پیارا کوئی عمل نہیں　　(مشکوٰۃ باب الاضحیہ)

(۵) قربانی کی تاکید آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں،

''من کان لہ سعۃ ولم یضح فالا یقربن مصلانا ابن ماجہ و کذا فی الدرایۃ''
یعنی جو شخص قربانیکی استطاعت کے باوجود قربانی نہیں کرتا وہ ہمارے ساتھ عید گاہ میں نہ آئے۔
انصاف یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ سلم جو کہ معصوم تھے اور جن کو جنت کی بشارت دنیا ہی
میں مل چکی تھی۔ پھر بھی آپ ہر سال قربانی کرتے تھے۔ (ترمذی شریف)

(۶) جانور کیسا ہونا چاہیے۔ جانور تمام عیبوں سے سالم، فربہ وتندرست ہونا
چاہیے جو جانور لنگڑا یا کانا ہو اس کے کان کٹے یا اوپر یا نیچے سے چیرے ہوئے ہوں یا سینگ ٹوٹی
ہوئی ہو یا بہت دبلا ہو۔ تو ایسا جانور قربانی کے لیے خرید نہ کیا جائے۔ (ترمذی وابداؤد وغیرہ) البتہ
اگر قربانی کا جانور صحیح سالم لایا گیا ہو۔ بعد میں کوئی معمولی نقصان پہنچ جائے تو کچھ ہرج نہیں اسکی
قربانی جائز ہے۔ حضرت ابو سعید خدری فرماتے ہیں کہ میں نے قربانی کے لیے ایک مینڈھا خریدا۔
اس پر بھیڑیے نے حملہ کیا۔ اس کی ایک ٹانگ کا گوشت کھا لیا تو نبی کریم ﷺ سے میں نے مسئلہ
پوچھا کہ اس کی قربانی درست ہوگی یا نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ضح بہ یعنی تم
اس کی قربانی کرو (منتقی ابواب الاضاحی ص ۱۷۳)

(۷) قربانی کا مقرر شدہ جانور قربانی کے لیے مقرر کیا ہوا جانور نہ بیچے۔ اگرچہ اس کی قیمت سے دوسرا جانور خرید کر قربانی کرنے کی نیت ہو۔ (سند احمد) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک بختی اونٹ قربانی کے لیے مقرر کیا۔ اس کے بعد اس کی قیمت تین سو اشرفی ملتی ہے کیا میں اسے بیچ کر اس کے معاوضہ میں دوسرا اونٹ قربانی کے لیے خرید لوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، "الا انحرھا ایاہ" یعنی نہیں اسکو ذبح کرو (ابوداؤد) قربانی کے لیے مقرر شدہ جانور کا تبادلہ بھی دوسرے جانور سے جائز نہیں ہے۔ (تلخیص)

(۸) بدست خود قربانی اپنے ہاتھ سے کرنا افضل ہے اگر یہ نہیں تو کم از کم ذبح کے وقت اپنی قربانی کے پاس موجود ہو اور دعا مانگے۔

(۹) ذبح کرنے کا مسنون طریقہ زیاد بن جبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک بار میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی معیت میں منیٰ سے گزر رہا تھا۔ یکا یک میں نے دیکھا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ایک شخص کو اونٹ ذبح کرنے طریقہ بتا رہے تھے وہ شخص اونٹ کو بٹھا کر نحر کر رہا تھا تو آپ نے اس کو فرمایا، ابعثا اقیامہ مقیدۃ سنۃ محمد ﷺ یعنی اونٹ کو کھڑا کر کے پاؤں چاروں باندھ کر خنجر حلقوم میں برچھی گھسانا چاہیے۔ یہی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے۔ (سمدن احمد جلد دوم ص ۳)

مفسرین حضرات نے تحریر فرمایا ہے کہ دس راتیں جن کی بوجہ عظمت وفضیلت اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے اسی عشرہ ذوالحجہ کی ہیں۔ یہی وہ دس دن ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے اعمال قبول فرماتا ہے۔ حتیٰ کہ ارکان خمسہ اسلام میں سے ایک بڑا رکن حج انہی دونوں میں ادا کیا جاتا ہے قربانی

جو مخصوص عبادات میں شمار ہوتی ہے اسی عشرہ میں ادا کی جاتی ہے۔ اس کی فضیلت میں بہت سی احادیث مروی ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث شریف میں ہے،

ترجمہ: عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی دن ایسا نہیں جس میں اعمال صالح اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہو سکتے ہیں جیسا کہ ان دس دنوں میں لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جہاد بھی اس کے برابر نہیں۔ ہاں جو شخص گھر سے جان و مال لے کر نکل آیا اور میدان جنگ میں شہید ہوا۔ وہ اس کے برابر ہو سکتا ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے: "عن ابی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم مامن ايام احب الی الله ان يتعبد له فيها من عشر ذی الحجة يعدل صيام كل يوم منها لصيام سنة و قيام كل ليلة منها بقيام ليلة القدر

(ترمذی ، ابن ماجه)"

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تمام سال میں کوئی دن ایسا نہیں کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے تو عشرہ ذی الحجہ سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کو محبوب ہو۔ اس میں ہر دن کا روزہ سال کے روزے کے برابر ہے اور رات کا قیام لیلۃ القدر کے قیام کے باربر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "واذكروا الله فی ايام معدودات" (سورہ بقرہ) یعنی اللہ تعالیٰ کو گنتی کے ایام میں یاد کرو۔ ان گنتی کے دنوں میں یعنی عشرہ ذی الحجۃ میں چند دن خاص طور پر ذکر الٰہی کا حکم وارد ہوا ہے۔ باقی وقت میں بالعموم اور نماز کے بعد بالخصوص تکبیریں پڑھنا سنت ہے۔ یوم عرفہ کی صبح سے تکبیریں کہنا شروع کرے اور آخری یوم

تشریق کی عصر کو ختم کردے۔ذی الحجہ کی گیارہویں یا بارہویں ، تیرہویں تاریخ کو ایام تشریق کہتے ہیں۔تکبیرات کے الفاظ یہ ہے، "اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد۔الغرض ذی الحجہ کا اول عشرہ مسلمانوں کے واسطے خدا کی خوشنودی اور رحمت کا پیغام ہے۔اس میں ہر عبادت کا ثواب دیگر ایام کی نسبت زیادہ ہوتا ہے۔

جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **ترجمہ** : ام المومنین حضرت ام سلمہؓ نے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب ذی الحجہ کا عشرہ آجائے تو جو شخص تم میں سے قربانی کرنا چاہے وہ اپنے بال اور اپنے جسم پر سے کچھ نہ اتارے اور ایک روایت میں ہے کہ جو شخص ذالحجہ کا چاند دیکھے اور قربانی بھی کرنا چاہتا ہو وہ اپنے بال اور ناخن وغیرہ کچھ نہ اتارے (امام نوویؒ وشارح صحیح مسلم) اس نہی کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں "والحکمۃ فی النھی ان یبقی کامل اعضا سقر من النار" یعنی جس کا ارادہ قربانی کا ہو اس کو ناخن بال وغیرہ اتارنے کیوں منع ہیں؟ اس لیے منع ہیں کہ وہ آگ سے کامل طور پر آزاد ہو جائے۔

﴿۳۱۶﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ تین بھائی ہیں۔ اور سب ایک گھر میں ہیں اور ان سب کا باپ نہیں ہے۔ لہٰذا بڑا بھائی مالک ہے۔ تو آیا قربانی سب کے نام سے واجب ہوگی یا صرف بڑے بھائی کے نام؟ بینوا وتوجروا۔(سائل اقرار احمد میانوالی)

الجواب: اگر تینوں بھائی ایک گھر میں ہیں اور تینوں بھائیوں کا مشترکہ مال نصاب پورا نہیں ہے تو کسی پر قربانی واجب نہیں اور اگر تین کا نصاب پورا ہے تو ہر بھائی پر قربانی واجب

ہے۔ اس لیے کہ اس صورت میں ان میں ہر ایک مالک نصاب ہے اور بڑا بھائی مالک بہ معنی انتظام کار ہے نہ کہ حقیقی مالک۔

﴿۳۱۷﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں،

اگر قربانی کے دن گذر گئے اور کوئی شخص قربانی نہ کرسکا لیکن وہ صاحب نصاب ہے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟　　(سائل محمد جلال الدین میانوالی)

الجواب: اسی قسم کے سوال کے جواب دیتے ہوئے صاحب فتاویٰ برکاتیہ لکھتے ہیں کہ شخص مذکور اگر قربانی کا جانور خرید چکا تھا تو اسی کو صدقہ کرے۔ اور اگر نہیں خریدا تھا تو ایک بکرا کی قیمت صدقہ کرنا اس پر واجب ہے۔ اگر ایسا نہ کرے گا تو گنہگار ہوگا۔

ردالمحتار جلد ۵ ص ۲۰۴ میں ہے: "ذکر فی البدائع ان الصحیح ان الشاۃ المشتراۃ للاضحیۃ اذالم یضح بھا حتی مضی الوقت یتصدق الموسر بعینھا حیۃ کالفقیر بلا خلاف بین اصحابنا اور اسی کتاب کے اسی صفحہ میں ھے، ان لم یشترو ھو موسر وقد مضت ایامھا تصدق بقیمۃ شاۃ تجزی للاضحیۃ"۔

لہٰذا اس آدمی کو چاہیے کہ قربانی کا جانور یا اس کی قیمت صدقہ کرے۔

﴿۳۱۸﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ عید الضحیٰ کی قربانی دسویں ذی الحجہ کو نماز فجر کے بعد اور عید کی نماز سے پہلے کرنا کیسا ہے؟

(سائل ڈاکٹر صلاح الدین میانوالی)

الجواب: شہر میں نماز عید الاضحیٰ سے پہلے قربانی کرنا جائز نہیں ہے لیکن دیہات میں

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

دسویں ذی الحجہ کو بعد نماز فجر قبل نماز عید الاضحیٰ قربانی کرنا جائز ہے۔ بلکہ طلوع صبح صادق ہی سے جائز ہے۔لیکن مستحب یہ ہے کہ سورج نکلنے کے بعد کرے۔

درمختار میں ہے "اول وقتها بعد الصلوٰة ان ذبح فی مصر و بعد طلوع فجر یوم النحر ان ذبح فی غیره (ملخصاً) اورفتاویٰ قاضی خان میں ہے،" فاما اهل السواد و القری، والرباطات عند نا یجوز لهم التضحیة بعد طلوع الفجر الثانی من الیوم العاشر من ذی الحجة"۔اورفتاویٰ عالمگیری جلداول ص ۲۹۰ میں ہے،" والوقت المستحب لتضحیة فی حق اهل السواد بعد طلوع الشمس و فی حق اهل المصر بعد الخطبة کذا فی الکتب الفقه۔

﴿۳۱۹﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں،

اگر عید الاضحیٰ کے دن شہر میں کوئی فتنہ ہو جائے یا کرفیو لگ جائے اور لوگوں کا نماز پڑھنے کے لیے نکلنا بھی منع ہو تو اس صورت میں لوگ قربانی کس وقت کریں؟ بینوا توجروا۔ سائل احمد حسن میانوالی

الجواب: جب کہ شہر میں فتنہ کے سبب یا کرفیو وغیرہ کی وجہ سے عید کی نماز پڑھنا ممکن نہیں تو اس صورت میں دسویں ذوالحجہ ہی کو شہر میں بھی طلوع فجر کے بعد ہی سے قربانی کرنا جائز ہے۔درمختار مع شامی جلد۵ ص ۲۰۳ میں ہے" فی البزازیة بلدة فیها فتنة فلم یصلوا وضحوا بعد طلوع الفجر جاز فی المختار۔ اور شامی میں ہے قوله جاز فی المختار لان البلدة صارت فی هذا الحکم کالسواد اتقانی و فی التتارخانیة و علیه الفتوی۔"

﴿۳۲۰﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ میری بیوی صاحب نصاب ہے مگر قربانی نہ کرسکی ایام قربانی گزر چکے ہیں اب وہ کیا کرے۔

بینوا توجروا۔　　　　(سائل عبدالمجید بھوروی میانوالی)

الجواب: برادرم عبدالمجید بھوروی صاحب اگر آپ کی بیوی قربانی کا جانور خرید چکی تھی تو اسی کو صدقہ کرے۔ اور اگر نہیں خریدا تھا تو ایک بکرا کی قیمت صدقہ کرنا اس پر واجب ہے۔ اگر ایسا نہ کرے گی تو گنہگار ہوگی۔ ردالمحتار جلد ۵ ص ۲۰۴ میں ہے، "ذكر في البذائع ان الصحيح ان الشاة المشتراة للاضحية اذالم يضح بها حتى مضى الوقت يتصدق الموسر بعينها حية كالفقير بلا خلاف بين اصحابنا ۔

اور اسی صفحہ میں ہے، " ان لم يشتر وهو موسر و قد مضت ايامها تصدق بقيمة شاة تجزى للاضحية ۔

﴿۳۲۱﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ میرے بھائی کے پاس اتنا مال نہیں کہ وہ نصاب کو پہنچ سکے لیکن زمین ہے۔ اگر وہ زمین بیچ ڈالے یا فصل پیدا ہو جائے تو نصاب سے کئی گناہ زیادہ ہو جائے گا۔ کیا اس پر قربانی اور زکوۃ واجب ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔　　　　(سائل محمد افضل آرائیں میانوالی)

الجواب: جس شخص کے پاس کھیتی کی زمین اتنی ہے کہ اگر اس کو بیچ ڈالے تو نصاب سے کئی گنا زیادہ ہو جائے تو وہ شخص مالک نصاب ہے۔ اور اس پر قربانی وفطرہ واجب ہے۔ البتہ زکوۃ واجب نہیں کہ کھیت کا وظیفہ عشر یا خراج ہے اور زکوۃ وعشر ایک ساتھ جمع نہیں ہوتے۔ ھکذا فی فتح

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

القدیر۔ اور قربانی واجب ہونے کے لیے صرف اتنا ضرور ہے کہ وہ ایام قربانی میں اپنی تمام اصلی حاجتوں کے علاوہ چاندی کے (52.6) تولہ کے مالک ہو چاہے وہ مال نقد ہو یا بیل بھینس یا فصل البتہ کاشتکار کے ہل کے بیل اس کی حاجت اصلیہ میں داخل ہیں۔

ایسا ہی احکام شریعت حصہ دوم ص ۱۷۷ میں ہے۔

﴿۳۲۲﴾فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ ہم گائے کی قربانی کر رہے ہیں۔ ہماری کل تعداد چھ ہے۔ ہم سب کی خواہش ہے کہ ساتویں قربانی ہم حضور ﷺ کے نام کی کریں۔ کیا کر سکتے ہیں؟ یا صرف ایک آدمی کو پورا کرنا ہوگا؟

بینوا توجروا۔　　　　(سائل محمد امین آرائیں میانوالی)

الجواب: قربانی کا ساتواں حصہ جو رسول ﷺ کے نام سے ہو اس کو سب حصے دار برابر برابر شریک ہو کر پورا کریں یا ایک شخص پورا کرے دونوں صورتیں جائز ہے۔ اسمیں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔ ساتواں حصہ ضرور علیحدہ کریں۔ اسی طرح والدین کی قربانی، عقیقہ، نذر کو بھی شامل کیا جائے سکتا ہے۔

﴿۳۲۳﴾فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ مسجد کی تعمیر میں چرم قربانی کی رقم شامل کی جا سکتی ہے یا نہیں؟ جواب وضاحت سے عنایت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔ سائل محمد اسد خان، محمد وارث خان پائی خیل میانوالی

الجواب: قربانی کا چمڑا صدقہ کرنا واجب نہیں ہے۔ اسی لیے فقہائے کرام تصریح فرماتے ہیں کہ اس کو باقی رکھتے ہوئے اپنے کسی جائز کام میں بھی لا سکتا ہے۔ مثلاً اس کا مصلی بنائے

الصلوۃ والسلام علیک یا سیدی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

، یا چلنی اور مشکیزہ وغیرہ بنائے۔ یا کتابوں کی جلدوں وغیرہ میں لگائے یہ سب جائز ہے۔

فتح القدیر جلد ۶ ص ۴۳۷ میں ہے، " الا نتفاع بنفس جلد الاضحیة غیر محرم۔

یعنی قربانی کے چمڑے کو باقی رکھتے ہوئے اسے کام میں لانا حرام نہیں ہے۔

درمختار شامی جلد ۵ ص ۲۰۹ میں ہے، " یتصدق بجلدها او یعمل منه نحو غربال و جراب و قربة و سفرة و دلو۔"

یعنی قربانی کا چمڑا صدقہ کر دے۔ یا چلنی، ہتھیلی، مشکیزہ، دسترخوان اور ڈول وغیرہ بنائے۔

فتاویٰ عالمگیری جلد ۵ مصری ص ۲۶۵ میں ہے، " یتصدق بجلد ها او یعمل منها نحو غربال و جراب۔ "یعنی قربانی کا چمڑا صدقہ کرے یا چلنی اور تھیلی وغیرہ بنائے۔

فتاویٰ قاضی خاں جلد ثالث مع ہندیہ ص ۳۸۷ میں ہے، " لا باس بان یتخذ من جلد الاضحیة فروا او بساطا او متکاء یجلس علیه۔"

یعنی قربانی کے چمڑے کا کوٹ، بستر یا بیٹھنے کے لیے تکیہ بنانے میں کوئی حرج نہیں۔

فتاویٰ بزازیہ جلد سوم مع ہندیہ ص ۲۷۹ میں ہے،"یجوز الانتفاع بجلد هابان یتخذ فراشا او فروااو جرابا او غربلا "یعنی قربانی کے چمڑے کو اپنے کام میں لانا جائز ہے۔ کہ بستر بنائے یا پوستین، تھیلی اور چلنی بنائے۔ بلکہ قربانی کے چمڑے کو ایسی چیزوں سے بھی بدل سکتا ہے کہ جس کو باقی رکھتے ہوئے اپنے کام میں لائے جیسے چلنی، مشکیزہ اور کتاب وغریہ البتہ کسی ایسی چیز سے نہیں بدل سکتا کہ جس کو ختم کر کے فائدہ حاصل کرے۔ مثلاً چاول ، گیہوں اور گوشت وغیرہ۔

فتاویٰ ہندیہ جلد ۵ مصری ص ۲۶۵ میں ہے،" لا باس بان یشتری به ما لا ینتفع به الا بعد

الاستهلاك نحو اللحم و الطعام ۔"

فتاویٰ قاضی خان میں ہے،" لا باس بانيتنفع باهاب الاضحية او يشترى بها الغربال والمنخل ۔ فتاویٰ بزازے میں ہے،" له ان يشترى متاع البيت كالجراب و الغربال والخف لا الخل والزيت والحم ۔"

ان حوالہ جات سے خوب ظاہر ہوگیا کہ قربانی کے چمڑے کا وہ حکم نہیں ہے جو زکوۃ، عشر اور صدقہ فطر کا ہے کہ چرم قربانی کا صدقہ کرنا واجب نہیں ۔ اور اگر صدقہ کرے تو اس میں تملیک شرط نہیں ۔ اور زکوۃ وغیرہ میں تملیک شرط ہے ۔ اس لیے زکوۃ کا مال مسجد یا مدرسہ کی تعمیر میں صرف کرنا جائز نہیں ۔ كما صرح فى الكتب الفقه اور چرم قربانی کو مسجد یا اس کے مینار وغیرہ کی تعمیر میں صرف کرنا جائز ہے ۔ خواہ متولی مسجد کو چمڑا دے کہ وہ بیچ کر مسجد کی تعمیر پر صرف کرے یا مسجد میں صرف کرنے کی نیت سے بیچ کر اس کی قیمت مسجد کو دے ہر طرح جائز ہے خود استعمال نہ کریں ۔ اور بہار شریعت کی عبارت کا یہی مطلب ہے ۔ فتاویٰ عالمگیری ج ۵ ص ۲۶۵ میں ہے،" لو باعها بالدراهم ليتصدق بها جاز لا نه قربة كا لتصدق كذا فى التبيين و هكذا فى الهداية والكافى ۔" فتاویٰ بزازیہ میں ہے،" له ان يبيعها بالدراهم ليتصدق بها ۔"

فتاویٰ خانیہ میں ہے،" ان باعه بدراهم او فلوس يتصدق بثمنه فى قول اصحابنا رحمهم الله تعالىٰ ۔ جوہرہ نیرہ جلد ثانی ص ۲۵۵ میں ہے" فان باع الجلد او لا اللحم بالفلوس اوالدراهم اوالحنطة تصدق بثمنه لا ن القربة انتقلت الىٰ بدله "

حدیث شریف میں جو بیچنے کی ممانعت ہے اس سے مراد اپنے لیے بیچنا ہے ۔

فتاویٰ عالمگیری میں: ''لا يبيعه بالدراهم لينفق الدراهم على نفسه و عياله۔

یعنی اپنی ذات پر اور اپنے اہل و عیال پر خرچ کرنے کے لیے چمڑے کو بیچنا جائز نہیں۔

اور خانیہ میں ہے: ''ليس له ان يبيع الجلد لينفق الثمن علىٰ نفسه او عياله''

یعنی قربانی کے چمڑے کو اس لیے بیچنا کہ اس کی قیمت اپنی ذات پر یا اپنے اہل و عیال پر خرچ کرے گا جائز نہیں۔ اور اگر اپنی ذات پر صرف کرنے کی نیت سے بیچا تو اس کی قیمت کو صرف کرنا جائز نہیں۔ کہ اب اس کا صدقہ کرنا واجب ہے۔ اور صدقہ واجبہ میں تملیک شرط ہے۔

کفایہ میں ہے: '' اذاتمو لها بالبيع وحب التصدق كذا فى الايضاح ۔''

﴿۲۲۴﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، جس جانور کی پیدائشی دم نہ ہو، کیا اس کی قربانی ہو سکتی ہے؟ بینوا توجروا۔ سائل قربان علی میانوالی۔

الجواب: پیدائشی دم نہ ہونا ہمارے امام الائمہ علیہ الرحمہ کے نزدیک مانع قربانی نہیں ہے، شامی ج۵ ص۲۸۳ میں ہے، ''ذكر فى الاصل عن ابى حنيفة انه يجوز خانية''

اور قاضی خاں علیہ الرحمہ ج۴ ص۴۸۷ میں فرماتے ہیں، ''والشاة اذا لم يكن لها اذن ولا ذنب خلقة يجوز قال محمد لا يكون هذا ولو كان لا يجوز و ذكر فى الاصل عن ابى حنفية انه يجوز'' اور قاضی خان علیہ الرحمہ کا تقدیم یجوز دلیل ترجیح و اختیار ہے کہ خطبہ میں تصریح فرما چکے ہیں خلاصہ تحریر یہ ہے کہ دم کٹے جانور کی قربانی جائز ہے۔

﴿۲۲۵﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، بکرے کو خصی کیا گیا۔ حتی کہ چمڑا چیر کر خصیے بھی نکال لیے۔ اب بکرا قربانی کے لائق ہے۔

بینوا توجروا۔ (سائل ماسٹر محمد طارق PAF کالونی میانوالی۔)

الجواب: ایسا بکرا جو سوال میں مذکور ہے کی قربانی جائز ہے۔ کنز الدقائق لاہوری ص ۳۴۸، شرح الوقایہ ج ۴ ص ۳۳۷، ہدایہ ج ۴ ص ۱۴۶، درالمختار مع الشامی ج ۵ ص ۲۸۲، مبسوط ج ۱۲ ص ۱۱، فتاویٰ خیریہ ج ۲ ص ۱۷۶، خلاصۃ الفتاویٰ ج ۴ ص ۳۱۴، فتاویٰ عالمگیری ج ۴ ص ۸۰ میں ہے، "والنظم من الخلاصة والذكر منها افضل اذا كان خصيا۔ یعنی بھیڑ بکری سے نر بہتر ہے جب کہ خصی ہو کیونکہ خصی کا گوشت بہتر ہوتا ہے۔

مبسوط میں ہے، "وكان ابراهيم يقول ما يزاد في لحمه بالخصاء انفع للمساكين مما يفوت بالا نثيين اذلا منفعة للفقراء في ذلك اور ایسے ہی اور معتبرات میں بھی ہے اور لغتِ عرب میں خصی کہتے ہی اسے ہیں جس کے خائے نکالے گئے ہوں، منتہی الارب ج ۱ ص ۳۳۲ ۵ میں ہے۔

﴿۳۲۶﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، ایک ایسی گائے جس کے تین تھنوں سے دودھ آتا ہے اور ایک سے دودھ نہیں آتا اور ہے بھی چھوٹا کٹا ہوا ہے اور نہ کوئی بظاہر بیماری، آیا ایسی گائے کی قربانی جائز ہوگی؟ سائل صوفی محمد ادریس مسلم بازار میانوالی

الجواب: ایسی گائے کی قربانی شرعاً جائز ہے، خلاصۃ الفتاویٰ ج ۴ ص ۳۲۱ میں ہے، "والتي لا ينزل لهالبن غير علة"

شامی ج ۵ ص ۲۸۳ میں ہے، "وذكر فيها جواز التي لا ينزل لها لبن من غير علة"

نیز فتاوی عالمگیری ج ۴ ص ۸۰، ۸۱ میں ہے "ومن الابل والبقر اذا انقطع اللبن من ضر

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

عیمها" بعدازفرمایا، "کل عیب یزیل المنفعة علی الکمال او الجمال علی الکمال یمنع الا ضحیة وما لا یکون بهٰذاه الصفة لا یمنع"

تو ثابت ہوا کہ تین تھنوں والی گائے کی قربانی جائز ہے

﴿۳۲۷﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں،

کہ میں نے دنبہ اس نیت سے رکھا کہ قربانی کرونگا مگر اس کی قربانی نہ کر سکا اب اس کے بارے میں شریعت مطہرہ کیا حکم دیتی ہے؟ بینوا توجروا۔ سائل محمد اکرام اللہ خان سہراب والا میانوالی

الجواب: اگر اس بکرا کو قربانی کے لیے غنی یعنی مالک نصاب نے پرورش کی تھی اور امسال اس نے اپنے نام سے کوئی دوسری قربانی بھی نہیں کی تو وہ بکرا صدقہ کر دیا جائے۔ اور اگر امسال کوئی دوسری قربانی اپنے نام سے کر چکا ہے تو آئندہ سال کی قربانی کے لئے اس بکرے کو باقی رکھا جا سکتا ہے۔ اور اگر غریب صاحب نصاب نہیں قربانی کی نیت سے بکرا خریدا تھا اور ایام قربانی گذر گئے اس نے قربانی نہیں کی تو اس صورت میں بھی اسی زندہ بکرے کو صدقہ کر دیا جائے۔ اور اگر غریب کے پاس پہلے ہی سے بکرا تھا اور اس نے قربانی کی نیت کر لی تھی یا خریدنے کے بعد قربانی کی نیت کی۔ تو ان صورتوں میں غریب پر قربانی واجب نہ ہوئی۔ لہٰذا اگر ان دونوں صورتوں میں ایام قربانی گذر گئے اور غریب نے قربانی نہ کی تو اس بکرے کو صدقہ کرنا واجب نہیں۔ آئندہ سال کے لیے اسے قربان کر سکتا ہے اگر چاہے تو بیچ کر اس کی قیمت اپنے مصرف میں بھی لا سکتا ہے۔ ردالمحتار جلد۵ صفحہ۲۰۴ میں ہے،" ذکر فی البدائع ان الصحیح ان الشاة المشتراة للا ضحیة اذالم یضح بها حتی مضی الوقت یتصدق الموسر بعلینها حیة کا لفقیر

بلا خلاف بين اصحابنا ۔ اوراسی صفحہ میں ہے،" لو كانت فی ملكه فنوی ان يضحی بها اواشتراها ولم ينوالا ضحية وقت الشراء ثم نویٰ بعد ذلك لا يجب لا ن النية لم تقارن الشراء فلا تعتبرا ۔"

﴿۲۲۸﴾فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں،

کہ میرے پاس ایک بکرا ہے جو کہ نہایت صحت مند ہے ۔ میں اس کی قربانی کرنا چاہتا تھا لیکن میرے بھائی نے کہا کہ یہ بکرا ۱۵ دن چھوٹا ہے اس کی قربانی نہیں ہوگی ۔ آپ ہی اس سلسلہ میں میری مدد فرمائیں؟ بینوا توجروا ۔ سائل جنید ذیشان میانوالی

الجواب: اس بکرے کی قربانی جائز نہیں خواہ کتنا ہی فربہ ہو قربانی کے بکرے کی عمر سال بھر ہونا ضروری ہے ۔ ردالمحتار میں ہے ۔ "لو ضحی بسن اقل لا يجوز"

اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے ۔ لو ضحی با قل من ذلك شيئاً لا يجوز ۔

﴿۲۲۹﴾فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں،

کہ جانوروں میں کس جانور کی قربانی کی جائے اور اس میں ہر ایک کی عمر کی حد کیا ہے ۔ نیز بھینسے کی قربانی کرنا کیسا ہے وضاحت فرمادیں؟ بینوا توجروا ۔ سائل رفیق احمد کندیاں میانوالی

الجواب: اونٹ، گائے، بھینس، بکری، بھیڑ اور دنبہ کی قربانی کرنا جائز ہے ۔ اونٹ کی عمر پانچ سال ہو، گائے بھینس دو سال کی اور بکری ایک سال کی ۔ ان جانوروں کی اس سے کم عمر ہو تو قربانی جائز نہیں ۔ اس کے علاوہ دنبہ اور بھیڑ کی عمر ایک سال ہونا افضل ہے ۔ بھیڑ کا چھ ماہ کا بچہ اگر اتنا بڑا ہو کہ دور سے دیکھنے میں سال بھر کا معلوم ہوتا ہو تو اس کی بھی قربانی جائز ہے ۔

درمختار میں ہے،" وضح الجذع ذو ستة اشهر من الضان ان كان بحيث لو خلط بالثنايا لا يمكن التميز من بعد وصح الثنى فصاعد امن الثلاثة (وهى الابل والبقر بنوعيه و الشاة بنوعيه ردالمحتار) والثنى هو ابن خمس من الابل وحولين من البقرا والمحاموس وحول من الشاة والمعز۔ بھینس، بھینسے کی قربانی حدیثوں سے ثابت ہے۔ کہ جاموس بقر کی ایک قسم ہے اور بقر کی قربانی حدیثوں میں مذکور ہے۔ جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا" البقرة عن سبعة والجزور عن سبعة رواه مسلم وابو دائود و اللفظ" یعنی بقر اور اونٹ کی قربانی سات آدمیوں کی طرف سے کافی ہے۔ (مسلم ابوداؤد)

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے" قال كنا مع رسول الله صلى الله عليه و سلم فى سفر فحضر الا ضحى فاشتر كنا فى البقرة سبعة رواه الترمذى والنسائى و ابن ماجه۔" یعنی انہوں نے فرمایا کہ ہم سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے کہ بقر عید آ گئی تو ہم ایک بقر میں سات آدمی شریک ہوئے۔ (ترمذی شریف، نسائی ابن ماجہ) اور ہدایہ کتاب الاضحیہ میں ہے،" يدخل فى البقرا لجاموس لا نه من جنسه۔" یعنی بقر میں بھینس بھی داخل ہے۔ اس لیے کہ بھینس بقر کی جنس سے ہے۔ اور کتاب الزکاۃ میں ہے۔" احواميس والبقر سواء لا نه اسم البقر يتنا ولهما اذهو نوع منه۔" یعنی بھینس اور بقر حکم میں برابر ہیں کہ بقر کا لفظ ان دونوں کو شامل ہے۔ اس لیے کہ بھینس بقر کی ایک نوع ہے۔ اور بدائع الصنائع میں ہے" الحاموس نوع من البقر بديلى انه يضم ذلك الى البقر فى

باب الزكوة ۔" یعنی بھینس بقر کی ایک قسم ہے دلیل یہ ہے بھینس زکوٰۃ کے مسئلے میں بقر سے ملائی جاتی ہے۔اور فتاویٰ قاضی خاں میں ہے،" و كذا الجاموس لانه نوع من البقر ۔"یعنی بھینس کی بھی قربانی جائز ہے۔اس لیے کہ وہ بقر کی ایک نوع ہے۔اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے،" الجاموس نوع من البقر ۔ "یعنی بھینس گائے کی ایک قسم ہے۔اور ردالمحتار میں ہے۔" الجاموس نوع من البقر و كذا لامعز نوع من الغنم بدليل ضمها في الزكوٰة" یعنی بھینس بھینسا بقر کی ایک قسم ہے۔دلیل یہ ہے کہ وہ زکوٰۃ میں شامل کی جاتی ہے۔اور فتاوی بزازیہ میں ہے۔" الجاموس يجوز فيها ۔"یعنی بھینس، بھینسا قربانی میں جائز ہے اور عربی لغت کی مشہور کتاب المنجد میں ہے" الجاموس ضرب من كبار البقرداجنا ۔"یعنی بھینس بقر کی ایک بڑی قسم ہے جو دودھ دینے والی ہوتی ہے۔گاؤ میش سنت از رسالہ کتاب غیاث اللغات میں ہے، جاموس در آخر سین مهمله معرب گا میش که مخفف گاؤ میش ست ازرساله معربات و دریں دیار مردم ایں زمانه بجهت قفرقه نرومادہ نررا جاموس گویند بتعریب و ماده راگاؤمیش کوانند ۔ فقہ اور لغت کے ان تمام شواہد کا خلاصہ یہ ہوا کہ بھینس بقر ہی کی ایک قسم ہے اس کی بھی قربانی جائز ہے اور یہ سب مسلمانوں کا مسلمہ مسئلہ ہے۔لہٰذا بھینسے کی قربانی کرنا جائز ہے۔

﴿۳۲۰﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ ہماری بکری نے بچہ دیا۔ یہ بکری کا بچہ کتیا کا دودھ پی لیتا چارہ بھی کھاتا تھا۔اب عیدالاضحیٰ آرہی ہے۔کیا ہم اس کی قربانی کر سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔سائل حفیظ آرائیں میانوالی

الجواب: بکری کا بچہ اگر کتنا کا دودھ برابر پیتا رہا تو وہ جلالہ کے حکم میں داخل ہے۔

بہار شریعت حصہ ۱۵ میں عالمگیری کے حوالہ سے ص ۱۲۷ پر درج ہے کہ بکری کے بچہ کو کتیا کا دودھ پلاتی رہی اس کا بھی حکم جلالہ کا ہے۔ اور جلالہ بکری کی قربانی کے سلسلے میں حکم یہ ہے کہ اسے دس دنوں تک باندھ کر چارہ کھلائیں کہ وہ اثر جاتا رہے بعدہ اس کی قربانی کر سکتے ہیں۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے، لا تجوز الجلالة وهی التی تاكل العذرة و لا تاكل غيرها فان كانت الجلالة ابلا تمسك اربعين يوما حتى يطيب لحمها و البقر يمسك عشرين يوماً والغنم عشرة ايام۔

والله تعالیٰ اعلم بالصواب

باب الحجاب

(پردہ کے احکام)

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

﴿۲۲۱﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ عورتوں کو پردہ کا کیا حکم ہے اور پردہ نہ کرنے کی کہاں تک رعایت ہے؟ اور مردوں کے لیے غیر محرم کو دیکھنے کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔ سائل رانا محمد الیاس میانوالی

الجواب: قرآن مجید میں ہے، "قل للمومنين يغضوا من ابصارهم و يحفظوا فروجهم ذالك اذكى لهم ان الله خبير بما يصنعون ۔ (سورة النور، آيت ۳۰)

یعنی مسلمان مردوں کو حکم دو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں یہ ان کے لیے بہت ستھرا۔ بے شک اللہ تعالیٰ کو ان کے کاموں کی خبر ہے۔ (کنزالایمان)

اس کے بعد والی آیت مبارکہ میں ایمان والی عورتوں کو حکم ہوا۔

اور مسلمان عورتوں کو حکم دو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی پارسائی کی حفاظت کریں اور اپنا بناؤ سنگھار نہ دکھائیں مگر جتنا خود ظاہر ہے اور دوپٹے اپنے گریبانوں پر ڈالے رہیں اور اپنا سنگھار ظاہر نہ کریں مگر اپنے شوہروں پر یا اپنے باپ یا شوہروں کے باپ یا اپنے بیٹے یا شوہروں کے بیٹے یا اپنے بھائی یا اپنے بھتیجے یا اپنے بھانجے یا اپنے محلہ کی عورتیں یا وہ بچے جنہیں عورتوں کی شرمگاہ کی چیزوں کی خبر نہیں اور زمین پر پاؤں زور سے نہ ماریں کہ جانا جائے ان کا چھپا ہوا سنگھار۔ اور اللہ کی طرف توبہ کرو۔

قرآن کریم میں دوسرے مقام پر ارشاد ہوا، "يا ايها النبي قل لازواجك وبنتك و نساء المومنين يدنين عليهن من جلابيبهن ذلك ادنیٰ ان يعرفن فلا يوذين لهم و كان الله غفورا رحيما (سورة الاحزاب، آيت ۵۹)"

یعنی اے نبی ﷺ اپنی ازواج اور صاحبزادیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے فرمادو کہ اپنی چادروں کا ایک حصہ اپنے منہ پر ڈالے رہیں یہ اس سے نزدیک تر ہے کہ ان کی پہچان ہو تو ستائی نہ جائیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (کنز الایمان)

ترمذی اور ابوداؤد میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر تھیں کہ حضرت عبداللہ ام مکتوم رضی اللہ عنہ آئے۔ حضور ﷺ نے ان دونوں سے فرمایا کہ پردہ کرلو، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ وہ تو نابینا ہیں ہمیں نہیں دیکھیں گے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کیا تم دونوں بھی اندھی ہو؟ کیا تم انہیں نہیں دیکھو گی؟ بیہقی میں حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہتے ہیں مجھے یہ خبر پہنچی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دیکھنے والے پر اور اس پر جس کی طرف نظر کی گئی اللہ کی لعنت۔ یعنی دیکھنے والا جب بلا عذر قصداً دیکھے اور دوسرا اپنے آپ کی بلا عذر نمائش کرائے۔

حدیث میں ہے، "المراۃ عورۃ فاذا خرجت استشرفها الشیطن"

(ابواب الرضاع ص ١٤٠)

یعنی عورت پر پردہ ہے جب وہ نکلتی ہے تو شیطان اسے جھانکتا ہے۔ حدیث شریف میں بحوالہ سنن نسائی لکھا ہے، "ایتکن خرجت الیٰ المسجد فلا تقربن طیبا (کتاب الزینۃ ص ٢٧٧)

جب تم میں سے کوئی عورت مسجد جائے تو وہ خوشبو نہ لگا کر جائے۔

عورتوں کے گھر سے نکلنے کے بارے میں اور پردے سے متعلق قرآن کریم کی یہ آیتیں اور چند احادیث جو اوپر لکھی گئی ہیں ان سے ہر مسلمان جس کے دل میں قرآن و حدیث کی عظمت اور اللہ

اوراس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کا جذبہ ہوتو وہ سمجھ لے گا کہ اللہ اور رسول ﷺ کا منشاء فتنہ کے دروازے کو بند کرنا ہے۔ اور فتنہ کی ابتداء نظر سے ہوتی ہے۔ اسی لیے اجنبی عورت کو دیکھنے پر احادیث میں سخت وعیدیں آئی ہیں، جو اوپر گذریں۔ اور مساجد میں جانے کے لیے یہ پابندی لگائی کہ خوشبو لگا کر اور زینت کر کے گھر سے نہ نکلیں اور مسجد نبوی میں مردوں پر یہ پابندی لگائی کہ سلام پھیرنے کے بعد قبلہ رو بیٹھے رہو۔ جب عورتیں پیچھے سے اٹھ کر چلی جائیں تو منہ موڑیں۔

لہٰذا ان عبارتوں سے واضح ہو گیا کہ عورتوں کے پردہ کرنے میں کوئی رعایت نہیں اور مردوں کا کسی غیر محرم کو دیکھنا بھی گناہ ہے۔

﴿۳۳۳﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ بے پردہ عورتوں کے اجتماع سے خطاب کرنا شریعت کی رو سے کیسا ہے نیز بے پردہ عورتوں کو قرآن وحدیث کی تعلیم کا کیا حکم ہے؟۔ بینوا توجروا۔ سائل فیض اللہ مہارانوالہ میانوالی

الجواب: عورتوں سے بلا حجاب مرد کو خطاب کرنا، ناجائز ہے۔ اور اگر درمیان میں پردہ ڈال دیا جائے تو جائز ہے۔ احکام نماز میں جن اعضاء کو چھپانا فرض ہے اس میں چہرہ داخل نہیں ہے۔ مگر خوف فتنہ کی وجہ سے قرآن کریم میں عورتوں کو حکم ہے،

"یدنین علیھن من جلابیبھن (سورۃ الاحزاب آیت ۵۹)"

ترجمہ: یعنی عورتیں اپنی چادروں کا ایک حصہ اپنے منہ پر ڈالے رہیں۔

اصل فتنہ عورتوں کو دیکھنے سے شروع ہوتا ہے۔ اس لیے حدیث شریف میں ہے، "العینان تزنیان (مسند الامام احمد بن حنبل جلد ۱ ص ۴۱۲)"

صلاۃ و السلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

یعنی آنکھیں زنا کرتی ہیں۔اس لیے اجنبی عورت کے چہرے کی طرف نظر کرنے کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے۔ابن ماجہ میں حدیث شریف ہے"قال رسول الله ﷺ من نظر الیٰ محاسن امراة اجنبية فيذاب في عينيه الانك" جوشخص کسی اجنبیہ عورت کے چہرہ کو دیکھے گا اس کی آنکھوں میں سیسہ پگھلا کر ڈالا جائے گا۔لہٰذا بے پردہ عورتوں سے خطاب میں اجتناب کرنا ضروری ہے۔اسی طرح قرآن وحدیث کے درس کے ناموں پر بے پردہ عورتوں کی تعلیم بھی گناہ ہے۔

﴿۳۳۳﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں،

آجکل دیکھا گیا ہے کہ عورتیں بغیر پردہ کے بازاروں میں سامان خریدتی ہیں۔اس سے ان کے شوہروں کے لیے کیا گناہ ہے؟ بینوا توجروا۔سائل امیر عبداللہ واںڈھی ارائیاں والی میانوالی۔

الجواب: بےحجابانہ طور پر عورتوں کا نکلنا ناجائز وحرام ہے۔اوران کے لیے سخت وعید ہے۔ان کے مردان کی اس حرکت پر مطلع ہونے کے باوجود منع نہیں کرتے اواس پر راضی بھی ہیں تو وہ بھی اس جرم میں گناہ اور وعید کے برابر کے شریک ہیں۔ان مردوں کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنی عورتوں کو پردہ کا پابند کریں۔ورنہ وہ بھی گناہگار ہونگے۔

﴿۳۳٤﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں،

کہ بوڑھی عورت کے لئے پردہ کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔سائل نصیر آرائیں میانوالی

الجواب: بوڑھی عورت بھی پردہ کرے گی۔مگر بوقت ضرورت چہرہ کھول سکتی ہے۔جبکہ فتنہ کا خوف نہ ہو۔

واللہ اعلم بالصواب

﴿۳۳۵﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں،

میں کسی اجنبی عورت کو بھول کر دیکھنے کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔ سائل جمیل احمد میانوالی

الجواب: شریعت نے اجنبی عورت کی طرف نظر کرنے پر پابندی لگائی ہے۔

حدیث شریف میں ہے، ''من نظر الیٰ محاسن امراۃ اجنبیۃ فیذاب فی عینہ الانك''

یعنی جو کوئی اجنبیہ عورت کے حسن و جمال کو دیکھے گا قیامت کے دن سیسہ پگھلا کر اس کی آنکھوں میں ڈالا جائے گا۔ اتفاقاً یا غیر ارادی طور پر نظر پڑ جانے پر مواخذہ نہیں ہے۔ مگر اس نظر کو باقی رکھنے پر مؤاخذہ (پوچھ گچھ) ہے۔

﴿۳۳۶﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں،

کہ ہمارے علاقہ کے امام مسجد کے پاس عورتیں تعویز لینے کے لئے آتی ہیں۔ وہ ان سے پردہ کا لحاظ کیئے بغیر ہنس ہنس کر باتیں وغیرہ کرتا ہے۔ ہم نے روکا تو کہتا ہے کہ کیا عورتیں ڈاکٹر کے پاس نہیں جاتیں۔ کیا ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔ سائل فاروق ملک میانوالی

الجواب: عالم ہو یا پیر یا امام مسجد، کسی کے سامنے غیر محرم عورتوں کا بے پردہ جانا جائز نہیں ہے۔ اور جو شخص بے حجاب عورتوں کے آنے پر راضی ہے وہ گناہ گار ہے۔ اس کو امام بنانا بھی ناجائز ہے۔ ڈاکٹروں کے پاس جانے کی اجازت اس صورت میں ہے جب کوئی لیڈی ڈاکٹر نہ ملے اور اجازت بھی بے پردہ جانے کی نہیں ہے۔ عورت پردے کے ساتھ جائے گی۔ لہٰذا ڈاکٹروں سے پردہ نہ کرنے والی عورتیں بھی غلط کرتی ہیں۔ انہیں بھی کسی نامحرم کے سامنے بے پردہ ہونے پر گناہ ملتا ہے۔ اگر مرد ڈاکٹر کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تو صرف مرض والی جگہ دکھانے کی

اجازت ہے دیگر جسم کا پردہ فرض ہے۔

﴿۳۳۷﴾فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ ہمارے محلہ میں عورتیں لاؤڈ سپیکر لگا کر میلاد پڑھتیں اور آواز دور دور تک سنائی دیتی ہے۔کیا یہ درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ سائل ضیاء اللہ میانوالی

الجواب: عورت کی آواز بھی عورت ہے۔اس لیے اسے بلند آواز میں قرآن بھی پڑھنا منع ہے۔اجنبی آدمی کو بلا ضرورت شرعی اپنی آواز نہیں سنا سکتی ہے۔ضرورت شرعی کا مطلب یہ ہے کہ شھادت وغیرہ میں اپنی آواز قاضی کو سنا سکے گی۔لہٰذا عورتوں کے میلاد پڑہانا بلند آواز سے جائز نہیں ہے۔ بہت بڑا مکان ہو اس میں عورتیں میلاد پڑھیں یا نعت خوانی کریں اور اس کی آواز باہر نہ جائے تو پھر جائز ہے۔ مائیک لگا کر پڑھنا اور آواز باہر کے مردوں کو سنانا جائز نہیں ہے۔یہی حکم تقاریر و نعت خوانی کا بھی ہے۔

﴿۳۳۸﴾فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ عورت اگر عدت میں ہو تو کن لوگوں سے پردہ کرے؟ بینوا توجروا۔ سائل وراثت علی میانوالی

الجواب: عدت اور غیر عدت میں پردہ کے احکامات میں کوئی فرق نہیں۔قبل عدت جن لوگوں سے پردہ فرض ہے دوران عدت بھی ان سے پردہ کرنا فرض ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتاب الفرائض

(وراثت کا بیان)

﴿۳۳۹﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں ایک عورت جو پہلے سے طلاق شدہ ہے۔ اس کی ایک لڑکی بھی ہے۔ کچھ عرصہ بعد اس عورت نے ایک دوسرے مرد سے شادی کر لی ہے۔ جب بچی جوان ہوئی تو اس کی شادی بھی ہوگئی۔ اب اس بچی کے بال بچے پیدا ہوتے ہیں۔ اور اس مرد نے ایک اور عورت سے شادی کر لی ہے۔ دوسری بیوی سے جو لڑکی پیدا ہوئی ہے۔ کیا وہ اس پہلی عورت کے لڑکوں سے شادی کر سکتی ہے؟ یا نہیں؟۔ انوار احمد سعید شاہ اسکندر آباد میانوالی

الجواب: حرمت دو قسم کی ہے۔ حرمت نسبی و حرمت رضاعی۔ نسبیاً وہ رشتے حرام ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید پ ۴ سورۃ النساء کی آیت نمبر ۲۲ پر فرمایا ہے۔ اس میں یہ رشتے داخل ہیں چونکہ جس عورت سکینہ کو زید نے نکاح کیا تھا اس کے ساتھ آنے والی بچی صفیہ کا رشتہ نسبی مرد سے ثابت نہ ہوا۔ اگر زید کی بیوی ہندہ کی اولاد کا رشتہ بچی صفیہ کی اولاد سے کرایا جائے تو شرعاً حرج نہ ہے۔

پہلے خاوند سے بیوہ

عورت سکینہ	زید مرد	سکینہ کی پہلے خاوند سے اولاد	
بچی صفیہ	لڑکا زید	شادی	بچی صفیہ

زید کا نکاح صفیہ سے شرعاً درست ہوگا۔

﴿۳۴۰﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ ایک خاتون مسماۃ چندنی فوت ہوئی۔ ایک سابق خاوند اس سے پہلے فوت ہوا۔ جس کی اولاد سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی تھی۔ ازاں بعد چندنی نے حاکم نامی شخص سے نکاح کیا۔ اس سے ایک لڑکا دو

لڑکیاں زندہ موجود ہیں۔یعنی متوفاۃ کی اولاد میں تین لڑکے اور دولڑکیاں اور خاوند موجود ہے۔تو اسکی وراثت کس طرح تقسیم ہوگی۔بینوا توجروا۔السائل احمد خان کڑی خیسور

الجواب: صورۃ مسئولہ کا جواب یہ ہے کہ کل وراثت کے 28 حصے کیئے جائیں۔جنس خاوند کو 7 ہر لڑکی کو 3,3,3 دیتے جائیں اور ہر لڑکے کو 6,6 دیتے جائیں۔

وراثت چندنی

خاوند	لڑکی	لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی
7	3	6	6	3	3

﴿۲۴۱﴾ فتویٰ شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ کوثر فاروق کانسٹیبل شہید کی جائیداد کس طرح تقسیم ہوگی۔بینوا توجروا۔

الجواب:

رقم-/300000

بیوی 1/4	والدین 1/6	
75000/	والد	والدہ
	25000/-	25000/-

احمد خان	ذکاء اللہ	رحمت اللہ	ضیاء اللہ	عالم خاتون	لال خاتون	پھلاں خاتون
31818/-	31818/-	31818/-	31818/-	15909/-	15909/-	15909/-

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

﴿۳۴۲﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں،

کہ متوفی طارق اعجاز انسپکٹر کی جائیداد کس طرح تقسیم ہوگی۔ بینوا توجروا۔ سائل اسلم اعجاز میانوالی

الجواب:

طارق اعجاز

بیوی طاہرہ سلطانہ	دختران		ابن		
	تسنیم افشان	مریم اعجاز	بابر اعجاز	نادر اعجاز	ذیشان علی

کل مال 300000/ کے آٹھ حصے ہونگے۔ بیوی مساۃ طاہرہ سلطانہ کو -/37500

حاصل ہوں گے۔ دونوں لڑکیوں مساۃ مریم اعجاز اور تسنیم افشان کو فی کس 32812/ ملیں گے۔

جبکہ تینوں لڑکوں بابر اعجاز، نادر اعجاز، ذیشان علی کو فی کس -/65625 کی رقم فی کس ملے گی۔

نوٹ ثبوت ورثاء بذمہ سائل خود ہے۔

﴿۳۴۳﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں،

محمد ریاض شہید کی جائیداد کس طرح تقسیم ہوگی بینوا توجروا۔ سائل محمد فیاض میانوالی

الجواب: محمد ریاض شہید -/300000

بیوہ رضیہ	والدہ	لڑکے		
	1/8	1/6		
-/37500	-/5000	محمد احسان	محمد اسحاق	محمد فیاض

فی لڑکا -/70833

﴿۳۴۴﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں،

کہ مسمی غلام نصیر الدین ایک فوجی فوت ہوا۔ اس کے پسماندگان میں والد غلام فرید اور والدہ عائشہ اور بیوہ صاحب اولاد کلثوم بی بی اور ایک بہن حلیمہ بی بی اور بچہ محمد ناصر موجود ہے۔ تو اب غلام نصیر الدین مذکور کی وراثت ان ورثاء میں کس طرح تقسیم ہوگی۔؟

واضح ہو کہ فوجی مذکور کو فوج کی جانب سے پینشن کا پیسہ ملتا ہے یا بطور انعام کوئی پیسہ ملتا ہے تو یہ پیسہ کس کو ملے گا۔ وراثت میں آئے گا یا صرف بیوی کا حق ہے۔ بینوا توجروا۔

(سائل فوجی مذکور کا والد غلام فرید۔)

الجواب: برتقدیر صدق سوال و بعد از مقدمات واجبہ مسئلہ کا جواب یہ ہے کہ شخص مذکور کی کل جائیداد منقولہ و غیر منقولہ بشمول پینشن و انعامات افواج پاکستان کے چوبیں حصے کیئے جائیں۔ جن کی تقسیم شرعی یوں ہوگی کہ باپ کو کل جائیداد سے اور ماں کو بھی کل جائیداد سے چھٹا چھٹا حصہ ملے گا۔ جب کہ بیوی کو کل مذکورہ رقم نے آٹھواں حصہ ملے گا۔ اور بہن اس صورت میں محروم ہوگی اسے کچھ نہ ملے گا۔ اور باقی ماندہ 13/13 حصے فوجی مذکور کے لڑکے محمد ناصر شہزاد کو ملے گا۔ 4,4 حصے ماں اور باپ کو الگ الگ ملے گا۔ اور بیوہ کو 3 حصے ملیں گے۔ باقی ماندہ حصے بیٹے محمد ناصر شہزار کو لیں گے اور بہن محروم ہوگی۔

غلام نصیر الدین 24

بیوہ	والد	والدہ	بہن	بچہ
کلثوم	غلام فرید	غلام عائشہ	حلیمہ	محمد ناصر شہزار

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

3	4	4	محروم	13/13

نوٹ: تمام مال کو مرد ہو یا عورت اکیلا ہڑپ نہیں کر سکتے۔ ایسا کوئی کرے تو سخت گناہ ہوگا۔ ھکذا السراجی

﴿۳۴۵﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں،

کہ ایک شخص مسمی صاحب شاہ فوت ہوا جس کے پسماندگان میں ایک بیوی تین بیٹیاں ایک بھائی اور دو بہنیں موجود ہیں۔ ان دونوں بہنوں کی ماں علیحدہ ہے۔ تو از روئے شرع شریف صاحب شاہ کی وراثت کس طرح تقسیم ہوگی۔ ''بینوفی الکتاب اتوجروا یوم الحساب''

(السائل جمعہ خان سکنہ چاپری)

الجواب: برتقدیر صدق سوال وبعد از مقدمات واجبہ صورت مسئلہ کا جواب یہ ہے کہ شخص مذکور کی کل جائیداد 288 حصے کئے جائیں۔ جسمیں آٹھواں حصہ زوجہ کو یعنی 36 اور 3 لڑکیوں کو کل مال کا دو تہائی حصہ یعنی 192 اور باقی ماندہ 60 ایک بھائی اور دو بہنوں میں تقسیم کریں۔ ایک بھائی کو 30 اور 15، 15 ہر ایک بہن کو ملے گا۔

زوجہ	3 لڑکیاں	1 بھائی	2 بہنیں
3/36	16/192	30	15,15 ہر ایک بہن کو ملے گا۔

﴿۳۴۶﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں،

کہ ایک شخص بے اولاد فوت ہوگیا۔ اس کے ورثا میں ایک سگی بہن چار علاقائی بھائی اور تین علاقائی بہنیں ہیں۔ میت کے ترکے کو شرعی طور پر کس طرح تقسیم کیا جائے۔ بینوا توجروا۔

(جاوید خان میانوالی)

الجواب: کتاب کے مطابق سگی بہن کا کل ترکہ سے نصف حق بنتا ہے۔ اور دوسرا نصف بھائیوں اور بہنوں میں، بہن کو ایک حصہ اور بھائی کو دو حصے ملیں گے۔ چار بھائی آٹھ، بہنیں شمار کر کے تین بہنیں جمع کر کے گیارہ بہیں بنائیں۔ بہن کو ایک حصہ اور بھائی کو دو حصے ملیں گے۔

﴿۳۴۷﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ مسمی غلام حبیب ولد احمد خان سکنہ موسیٰ خیل میانوالی فوت ہوا۔ اس کے پسماندگان میں ایک بیوہ مسماۃ نسیم بی بی 2 بھائی ولید اور محمد خان اور ایک بہن مسماۃ حیات بی بی موجود ہیں۔ تو از روئے شرع شریف مرحوم کی وراثت کسطرح تقسیم ہوگی۔ بینوا توجروا۔ اسلم خان میانوالی

الجواب: صورت مسئلہ کا جواب یہ ہے کہ مرحوم کی کل جائیداد منقولہ و غیر منقولہ میں سے بیوہ نسیم بی بی کو چوتھا حصہ ملے گا جیسا کہ ارشاد ہوا۔ " ولھن الربع مما ترکتم ان لم یکن لھن ولد " کہ اولاد نہ ہونے کی صورت میں بیوہ کو چوتھا حصہ ملے گا اور بقیہ تینوں حصے 2 بھائیوں میں اور ایک بہن میں یوں تقسیم ہوں گے۔ ہر بھائی کو دوگنا اور بہن کو ایک گنا ملے گا۔ چنانچہ قرآن موجود ہے " للذکر مثل حظ الانثیین " کہ ہر بھائی کو حصہ دو بہنوں جتنا ہے۔ طریقہ استخراج یہ ہے کہ کل جائیداد منقولہ و غیر منقولہ کے 20 حصے کریں۔ 5 بیوہ کو 6,6 بھائی کو اور 3 بہن کو دیں۔

بیوہ	بھائی	بھائی	بہن
5	6	6	3

﴿۳۴۸﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں،

کہ مسمی غلام جیلانی فوت ہوا جس کے پسماندگان ورثاء میں ایک بیوہ، ماں، بیٹی اور سگا بھائی اور دو سوتیلے بھائی موجود ہیں۔ تو از روئے شرع غلام جیلانی کا ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا۔ بینوا توجروا۔　　　　　　سائل محمد سلیمان

الجواب: مقدمات واجبہ صورت مسئلہ کا جواب یہ ہے کہ کل ترکہ کے چوبیس 24 حصے کردیئے جائیں۔ جن میں سے آٹھواں حصہ یعنی 3 بیوہ کو اور چھٹا حصہ ماں کو اور بیٹی کو نصف یعنی 12 اور بقیہ پانچ سگے بھائی کو اور سوتیلے بھائیوں کو اس صورۃ میں کچھ نہیں ملے گا۔

بیوہ	ماں	بیٹی	سگا بھائی	2 علاقائی بھائی
ثمن	سدس	نصف	خمسہ	محروم
3	4	12	5	0

﴿۳۴۹﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ شرعی طور بری میں رکھے گئے زیورات جو کہ اپنی برادری میں عزت کے لیے دلھن کو دیئے جاتے ہیں۔ جو کہ خالصتاً دلھا کی ملکیت ہوتے ہے۔ محض اس لیے بری میں رکھے جاتے ہیں کہ دلھن کے گھر آنے سے ہمارے زیورات بھی گھر واپس آجائیں گے۔ اور جن میں اس کو مالک نہیں بنایا جاتا۔ لہٰذا طلاق ہونے کی صورت میں کیا دلھن ان زیورات یا کسی قسم کی جائیداد وغیرہ میں حقدار ہوتی ہے یا نہیں؟۔ شریعت کی روشنی میں رہنمائی فرمائی جائے۔

ہماری معلومات شریعت کے مطابق جس طرح طلاق سے پہلے عورت اپنے شوہر کے مال میں

سے جس طرح چاہے خرچ کر سکتی ہے کوئی ممانعت نہیں ہے۔ اسی طرح طلاق کے بعد شریعت کے مطابق وہ سابقہ شوہر کے مال میں سے مہر کی رقم کے علاوہ کسی قسم کی رقم یا مال خرچ نہیں کر سکتی۔ لہٰذا مہربانی فرما کر فتوی جاری کیا جائے کہ شریعت نے اس مسئلہ کو کسطرح حل کیا ہے۔

بینوا و توجروا۔ شکریہ حاجی صدر دین خان میانوالی۔

الجواب: صورت مسئلہ کا جواب یہ ہے کہ جس مال میں یہ اشتباہ ہو کہ یہ چیز کس کی ملکیت ہے۔ تو ایسی صورت میں حکم عرف عام پر لازم ہے چنانچہ ہدایہ ربع آخرص ۱۱ حصہ نمبر ۵ پر ہے۔" تحیکم العرف عند الاشتباہ واجب۔" یعنی بوقت اشتباہ عرف عام کو حکم تسلیم کرنا واجب ہے۔ لہٰذا عرف عام کا حکم معتبر ہوگا۔ اگر مذکورہ سامان عرف میں مرد ہی کا رہتا ہے تو وہ مرد کا ہے۔ اگر وہ سامان عرف میں عورت کا ہوتا ہے تو وہ سامان عورت کو ہوگا۔ واضح ہو کہ ہمارے رسم ورواج میں بری کا سامان مرد ہی کا ہوتا ہے۔ اگر بالفرض منگنی ٹوٹ جائے تو کل سامان واپس کیا جاتا ہے۔ نوٹ: عرف کے تعین کے لیے علاقہ کے دو معززین کو حکم بنالیں انکا فیصلہ نافذ ہوگا۔

﴿۳۵۰﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ ایک شخص فوت ہوا۔ اس نے ورثاء میں ایک بیوہ، تین لڑکیاں، اور ایک بھائی چھوڑا۔ وراثت جائیداد منقولہ وغیر منقولہ کی تقسیم شرعاً کس طرح ہوگی۔ بینوا توجروا۔ السائل عطا محمد ساکن سوانس میانوالی

الجواب: صورۃ مسئلہ میں 1/8 حصہ بیوہ کو ملے گا۔ جب کہ بقیہ جائیداد تین حصوں میں تقسیم کردیں۔ 2/3 حصہ لڑکیاں حاصل کریں گی۔ 1/3 حصہ بھائی کو دیا جائے گا

واللہ اعلم بالصواب

﴿۳۵۱﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں،

کہ ایک شخص گل محمد ولد نور احمد سکنہ کالاباغ انتقال کر گیا۔ اس نے پسماندگان میں دو بیوائیں، چھ لڑکیاں اور ایک لڑکا چھوڑا۔ چھ لڑکیوں میں سے تین لڑکیاں والد نے خود شادی کر دی تھی۔ اور ان کو حصہ دے کر فارغ کر دیا تھا۔ انکو جہیز حصہ وغیرہ میں دیا تھا۔ جب کہ تین لڑکیاں اور لڑکا دو بیوائیں موجود ہیں۔ وراثت کی تقسیم کس طرح ہو گی۔ وراثت میں جائیداد منقولہ اور غیر منقولہ کی تقسیم کس طرح ہو گی۔ چوتھی بیٹی کو والد نے فیصلہ کے وقت حصہ دے کر فارغ کر دیا تھا۔

بینوا توجروا۔ محمد انوار سعید شاہ میانوالی

الجواب:

صورۃ مسئلہ اسطرح ہو گی

گل محمد

بیوہ نصیرہ بی بی　　بیوہ مہتاب بی بی　　مطلقہ امر بی بی

محمد عارف　　نسرین اختر　　فوزیہ گل　　بلقیس　　کنیز　　رفعت　　بی بی

قرض وغیرہ کی ادائیگی کے بعد وراثت کی تقسیم اسطرح ہو گی۔

۱۔ صورۃ مسئلہ میں بیوگان نصیرہ بی بی، مہتاب بی بی کو کل جائیداد کا 1/8 حصہ ملے گیا۔

۲۔ فیصلہ کرنے والے اس بات پر گواہی قائم کریں بلقیس، کنیز، رفعت کو والد نے حصہ دے دیا تھا۔ تو وہ پھر محروم ہونگی ورنہ وہ بھی حصہ دار ہوں گی۔

۳۔ بعد میں پیدا ہونے والی بچی کے متعلق جو تحریر والد اور اس لڑکی کی والدہ کے درمیان 1/2

اس پر عمل ہوگا۔

۴۔ باقی جائیداد دو حصوں میں تقسیم کر کے 1/8 حصہ محمد عارف اور 1/4 حصہ نسرین اختر 1/4 حصہ فوزیہ گل کو دے دیا جائے گا۔

﴿۳۵۲﴾ **فتویٰ شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں،

کہ ایک شخص شاہ جہان نامی فوت ہوا۔ اس نے وارثان بازگشت میں دو بیٹے چھوڑے۔ عبد العزیز نامی بیٹے کے دو فرزند ہیں۔ جب کہ نور خان ولد فوت ہوا اس کی بیوی گلاں نور خان سے پہلے انتقال کر گئی۔ تقسیم وراثت کس طرح ہوگی۔ بینوا توجروا۔

الجواب: مساۃ گلاں کی وفات کا ثبوت کہ وہ مسمی نور خان سے پہلے فوت ہوتی ہے۔ بزمہ سائل ہوگا۔ نور خان کی وراثت اس کے بھتیجوں خان محمد و فاضل میں برابر تقسیم ہوگی۔

﴿۳۵۳﴾ **فتویٰ شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں،

کہ ظفر حسین شہید کی جائیداد کس طرح تقسیم ہوگی بینوا توجروا۔ سائلہ بیوہ ظفر حسین شہید

ظفر حسین شہید -/300000

بیوہ نسیم فاطمہ	لڑکی	لڑکا	لڑکا
1/8	1/5	2/5	2/5
37500/-	52500/-	ہر ایک لڑکا کو -/105000 ملیں گے	

﴿۳۵۴﴾ **فتویٰ شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں،

(۱) اگر کلالہ اپنے کل ترکہ کی وصیت روبرو گواہان کسی شخص کے لیے کر جائے تو قبول ہوگی۔ جب

الصلوٰۃ والسلام علیک یا سیدی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اس ذی فرض اور عصبہ میں کوئی بھی باقی نہ ہو۔

(ب) اگر کسی کے لیے وصیت نہ کرے تو اس کے ترکہ کے لیے کیا حکم ہے۔

(ج) کیا پڑوسی صرف پڑوسن کی بنا پر وراثت کے مستحق ہو سکتے ہیں یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: حاجی ہدایت اللہ خان ولد چیئرمین حاجی غلام محمد کلالہ ہ اور اسکی میراث کی تقسیم قرآن وحدیث فقہ کی کتب میں مفصلہ مرقوم ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔'' يستفتونك قل الله يفتيكم فى الكلالة ----- والله بكل شئى عليهم۔

ترجمہ۔ اے محبوب تم سے فتویٰ پوچھتے ہیں تم فرمادو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں کلالہ میں فتوی دیتا ہے۔

تعریف کلالہ

کلالہ وہ شخص ہوتا ہے جو فوت ہونے کے بعد والدین اور اولاد کے لیے کچھ بھی نہ چھوڑے۔

مال میت کے چار مصارف جو مسلمان ہو جائے تو شرعاً اس کے مال مین چار حق ہیں۔

(۱) کفن دفن۔　(۲) ادائیگی قرض۔　(۳) میت کی وصیت

(۴) جو مال بچے مرنے ولاے کے وارثوں میں شریعت اسلامیہ کے مطابق تقسیم کیا جائے برصدق سائل کہ ذی فروض عصبہ میں سے کوئی بھی باقی نہیں ہے۔ اور اسے کل مال کی وصیت روبرو گواہاں کسی کے حق میں کردی ہے۔ اور گواہان شہادت کو تیار ہیں۔ تو ان کی گواہی کے مطابق اس کی وصیت جائز ہوگی۔

(جز ب) کلالہ اگر کسی کے لیے وصیت نہ کرے۔ ذی فرض عصبہ بھی نہ ہوں تو اس کا ترکہ بیت المال میں جمع ہوگا۔ لیکن اب بقول علامہ شامیؒ بیت المال کی بجائے ایسے وارث کا مال فقراء پر تقسیم

کر دینا چاہیے۔ رفاہِ عامہ تعمیر مساجد و مدرسہ وغیرہ بہترین مصرف ہے۔

(جزج) پڑوسن کے حقوق بلا ریب بے شمار ہیں۔لیکن تقسیم وراثت میں اگر ذی فرض وعصبہ نہ ہوتو ان کو کوئی مداخلت نہیں ہے۔

﴿۳۵۵﴾فتویٰ شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں،

کہ ایک شخص فوت ہوا جس کے ورثا میں دو مادری بھائی اور تین بھائی اور دو بہنیں سگی اور چار بچیاں موجود ہیں۔تو ان ورثا میں ترکہ کسطرح تقسیم ہوگا۔بینوا توجروا۔

السائل محمد ابراہیم محلہ نور پورہ میانوالی

الجواب: مقدمات واجبہ صورت مسئلہ کا جواب یہ ہے کہ متوفی کی کل جائیداد منقولہ و غیر منقولہ میں دو تہائی حصہ چار بچیوں کو اور باقی ماندہ تہائی تین سگے بھائی اور دو بہنیں سگی میں یوں تقسیم کریں کہ ہر پر بھائی کی نسبت دوگناہ مل جائے۔اس طرح دو مادری بھائی محروم ہوں گے۔ انہیں وراثت سے کچھ نہیں ملے گا۔تقسیم اس طرح ہے۔

متوفی گل محمد 3x 8 =24

۲ مادری بھائی	۳ سگے بھائی	۲ سگی بہنیں	۴ بچیاں
محروم	2,2,2	1,1,	2/14

﴿۳۵۶﴾فتویٰ شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں،

کہ ایک عورت مسماۃ اصل بانو کا ایک شخص مسمی غلام محمد سے نکاح ہوا۔اس سے صرف ایک لڑکا خان محمد پیدا ہوا۔اس کے بعد اصل بانو نے ایک اور شخص سے نکاح کیا چراغ گل سے دو بیٹے اعجاز حسین

اور ممتاز حسین پیدا ہوئے۔

اب اصل بانو فوت ہوئی تو اس کی متروکہ جائیداد کے آیا صرف دو آخری لڑکے حقدار ہیں یا پہلے خاوند سے پیدا شدہ لڑکا خان محمد بھی حقدار ہے۔ بینوا توجروا۔ سائل خان محمد سکنہ پیر پہائی ضلع میانوالی۔

الجواب: صورت مسئلہ کا جواب یہ ہے کہ اصل بانو کی کل جائیداد منقولہ وغیرہ منقولہ کے حقدار برابر برابر کے تینوں بیٹے ہیں۔ کیونکہ ماں کے بیٹے ہونے میں تو برابر کے حقدار ہیں۔ لہذا کسی ایک کو محروم کرنا اور دو پر وراثت تقسیم کرنا شرعاً غلط ہے۔

﴿۳۵۷﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ ایک شخص مسمی علی محمد ولد مولا بخش فوت ہوا۔ اس کے پسماندگان میں صرف ایک چچا زاد بھائی اور چچا زاد بہن موجود ہے۔ اس کے علاوہ کوئی قریب، بعید وارث موجود نہیں ہے۔

(السائل محمد رمضان)

الجواب: مقدمات واجبہ صورت مسئلہ کا جواب یہ ہے کہ شخص مذکورہ کی کل جائیداد منقولہ اور غیر منقولہ کا وارث شرعی اس کا چچا زاد بھائی ہوگا۔ اس صورت مذکورہ میں چچا زاد بہن وراثت سے محروم ہوگی کیونکہ چچا زاد بھائی قوت قرابت ہے۔ اور عصبہ بنفسہ کی چار قسموں سے ایک قسم ہے۔ جب کہ چچا زاد بہن عصبہ مع غیرہ اور عصبہ لغیرہ بھی بہن بنتی ہے۔

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں،

﴿۳۵۸﴾ فتویٰ شرعی: کہ ایک بچی اور ایک بچے نے ایک عورت کا دودھ ایک ساتھ پیا ہے۔ کیا اس دودھ شریک بچی کی دوسری بہنیں دودھ شریک بچے کے نکاح میں آسکتی ہیں۔

قرآن وسنت کی روشنی میں جواب دے کر ممنوع فرمائیں۔اللہ تعالیٰ ہم سب پر کرم فرمائے۔

بینوا توجروا۔منجانب مولوی علی نواز چک نمبر DB4 ضلع میانوالی۔

الجواب: صورۃ مسئولہ مذکورہ میں جواب یہ ہے کہ "و یحرم من الرضاع ما یحرم من انسب" ''جو رشتے نسب سے حرام ہیں وہی رشتے رضاع سے بھی حرام ہیں۔(ھدایہ اولین کتاب الرضاع ص ۳۲) نیز صاحب کنز الدقائق لکھتے ہیں "و زوج مرضعة لنبها منه اب لکرضیع وابنه اح وبنه اخت" (کنز الدقائق) ''مرضعہ کا خاوند جس خاوند سے مرضعہ کا دودھ ہے دودھ پینے والا کا باپ ہے اور اسی خاوند کا بیٹا دودھ پینے والے کا بھائی ہے اور اسی خاوند کی بیٹی دودھ پینے والی کی بہن ہے۔لہٰذا ان کا آپس میں نکاح نہیں ہوسکتا۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کل نفس ذائقۃ الموت

الصلوۃ والسلام علیک یا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

باب ضبط تولید

(ضبط تولید کے مسائل)

﴿۳۶۹﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں،

مانع حمل ادویات کا فروخت کرنا اور استعمال کرنا از روئے شرع شریف کیسا ہے؟

(سائل عاصم نواز ابا خیل میانوالی)

الجواب: مانع حمل ادویات کو فروخت کرنا جائز ہے۔لیکن استعمال کرنا صرف اس صورت میں جائز ہے کہ بیوی کی صحت اچھی نہ ہو،اور حمل ہونے سے صحت خراب ہونے کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں مستند ڈاکٹر کی تجویز کردہ دوائیں وقتی طور پر استعمال کی جائیں تو کوئی حرج نہیں۔ اور یہ '' عزل '' کے حکم میں ہے اور عزل شریعت میں جائز ہے۔فتویٰ شامی ج ۲ صفحہ ۴۱۲ میں لکھا ہے،'' یجوز لھا سد فم رحمھا کما تفعله النساء''یعنی اس کے لیے رحم کا سر بند کرنا جائز ہے جیسے عورتیں کیا کرتی ہیں۔لیکن حکومت جو برتھ کنٹرول پر روپیہ خرچ کر رہی ہے اور لوگوں کو منصوبہ بندی کی ترغیب دلا رہی ہے ان کا منشاء یہ ہے کہ دنیا کی آبادی بڑھنے سے خوراک کم ہو جائے گی۔مسائل میں اضافہ ہوگا۔اس نیت سے ان دواؤں کا استعمال ناجائز ہوگا۔رزق کی ذمہ داری اللہ رب العزت نے اپنے ذمے رکھی ہے۔قرآن پاک میں ہے،''و ما من دابة فی الارض الا علی الله رزقھا''اور زمین پر چلنے والا کوئی ایسا نہیں جس کا رزق اللہ کے ذمہ کرم پر نہ ہو،(کنز الایمان) خاندانی منصوبہ بندی اس خوف سے کہ رزق میں کمی ہو جائے گی۔یہ کافروں کا نظریہ ہے جن کے متعلق قرآن پاک میں ہے،''ولا تقتلوا اولادکم خشیة املاق نحن نرزقھم وایاکم ''اور اپنی اولاد کو قتل نہ کرو مفلسی کے ڈر سے۔ہم انہیں بھی روزی دیں گے اور تمہیں بھی (کنز الایمان)

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

لہٰذا اس نظریہ سے خاندانی منصوبہ بندی پر عمل کرنا حرام ہوگا۔ یہ قرآنی تعلیمات کے متصادم ہے۔

﴿۳۶۰﴾ **فتویٰ شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں،

کیا خاندانی منصوبہ بندی/اسقاط حمل جائز ہے؟ بینوا توجروا۔ سائل کریم نواز میانوالی۔

الجواب: اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ تھوڑے تھوڑے وقفے سے بچوں کی پیدائش سے بچہ یا زچہ کی صحت پر اور بچوں کی دیکھ بھال پر منفی اثرات پڑیں گے۔ تو اس صورت میں ہر عورت کے لیے ضبط تولید کے مفید اصولوں کا اپنانا نہ صرف جائز بلکہ مناسب تر ہے۔ بچے کی پیدائش پر ماں کو جن تکالیف، کمزوریوں اور دشواریوں سے گزرنا پڑتا ہے اس کا اندازہ عورتیں ہی کر سکتی ہیں۔ ہر ماں گویا مرکر دوبارہ زندہ ہوتی ہے۔ پھر پیدا ہونے والے بچے کو دو سال تک دودھ پلانا ماں کی برکات ہیں۔ ماں کے دودھ کا کوئی بدل ہرگز ہرگز نہیں۔ اب جلد جلد بچے پیدا کرنے سے ایک تو ماں کی جسمانی صحت بری طرح متاثر ہوتی ہے دوسرے بچوں کو ان کا وہ شرعی حق نہیں ملتا جو قرآن نے ان کو دیا ہے، حمل ٹھہرنے کے بعد اسقاط یا عورت کو بالکل بانجھ بنا دینا منع ہے۔ اگر عورتیں قرآنی تعلیمات کے مطابق بچوں کو پوری مدت دودھ پلائیں تو وقفہ خود بخود ہو جاتا ہے۔

قرآن پاک میں ہے، والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین (البقرہ ۲، ۲۳۳) مائیں اپنے بچوں کو مکمل دو سال دودھ پلائیں۔ گویا زچہ و بچہ کی صحت کمزور ہے اور ضرورت محسوس کریں تو خاندانی منصوبہ بندی پر عمل کر سکتے ہیں۔ لیکن اس میں کسی ماہر مسلمان ڈاکٹر کی رائے ضروری ہے۔ چار ماہ کے بعد اسقاط حمل شرعاً منع ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

﴿۳۶۱﴾فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، عزل کیا ہے اس کی وضاحت فرمادیں؟ بینوا توجروا۔ سائل اسماعیل آرائیں میانوالی۔

الجواب: عزل یہ ہے کہ ہم بستری کے وقت جب انزال کا وقت آئے تو مادہ منویہ کو رحم میں نہ جانے دے اور باہر گرادے تاکہ حمل نہ ہو۔ اگر ضبط ولادت ناجائز ہوتا تو شارع علیہ السلام کبھی اس کی اجازت نہ دیتے۔ جب سرکار نے اجازت دیدی تو اس کے جواز میں شک نہ رہا فقہائے کرام فرماتے ہیں، "الصحیح الجواز ففی الصحیحین عن جابر کنا نعزل والقرآن ینزل، و فی مسلم عنه کنا نعزل علی عهد رسول الله ﷺ فبلغ ذلك النبی ﷺ فلم ینهنا۔" (هدایه مع فتح القدیر ۳،۲۷۳)

صحیح بات یہ ہے کہ عزل جائز ہے۔ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت جابر سے روایت ہے کہ ہم عزل کیا کرتے تھے اور قرآن اترتا تھا اور مسلم شریف میں ہے، ہم عزل کرتے تھے رسول ﷺ کے زمانہ مبارک میں یہ بات نبی اکرم ﷺ تک پہنچی مگر آپ ﷺ نے ہمیں منع نہیں فرمایا۔

محقق علی الاطلاق امام ابن ہمام فتح القدیر میں لکھتے ہیں،

"رجلا قال یا رسول الله ان لی جاریه و ان اعزل عنها وانا اکره ان تحمل و ان ارید ما یرید الرجال و ان الیهود تحدث ان العزل هو الموؤدة الصغری قال کذبت یهود ولو اراد الله ان یخلقه ما استطعت ان تصرفه۔(فتح القدیر ۳،۲۷۳)

سنن میں ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ میری لونڈی ہے۔ میں اس سے عزل کرتا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ اس کا حمل ہو اور میری خواہش بھی ویسی ہی ہے۔

الصلوٰۃ والسلام علیک یا سیدی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

جیسی دوسروں کی ہوتی ہے۔ یہودی کہتے ہیں کہ عزل چھوٹا زندہ درگور کرنا ہے۔ فرمایا یہودی جھوٹ بولتے ہیں۔ اور اگر اللہ اس کو پیدا کرنا چاہے تو تو اسے پھیر نہیں سکتا۔

عزل کے متعلق احادیث میں ظاہراً تعارض معلوم ہوتا ہے

حضرت جرامہ بنت وھب رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں کچھ لوگوں کے ہمراہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی۔ آپ ﷺ فرما رہے تھے میں نے غیلہ حاملہ کا بچے کو دودھ پلانا (حاملہ یا دودھ پلانے والی سے قربت کرنا) سے منع کرنے کا ارادہ کرلیا تھا پھر میں نے رومیوں اور فارسیوں کو غیلہ کرتے دیکھا اور اس سے ان کے بچوں کو ذرا بھر تکلیف نہیں ہوتی۔ پھر صحابہ کرام نے آپ سے عزل (جماع کے وقت منی باہر گرانا) کے بارے میں پوچھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، "ذلك الواد الخفی واذا الموؤدة سئلت (مسلم ١٠٦٦٤)"

وہ پوشیدہ زندہ درگور کرنا ہے اور یہی مصداق ہے اس آیت کریمہ کا کہ وہ جب زندہ گاڑھی ہوئی بچی سے پوچھا جائے گا۔ (کہ اسے کسی گناہ کے عوض قتل کیا گیا)

جبکہ دوسری حدیث مبارک میں ہے کہ ترمذی مین حضرت جابرؓ سے روایت ہے ہم نے عرض کی یا رسول اللہ ہم عزل کرتے تھے۔ یہودیوں کا خیال ہے کہ یہ چھوٹا زندہ درگور کرنا ہے فرمایا، "کذبت الیھود ان اللہ اذااراد ان یخلقه لم یمنعه۔" یہودیوں نے جھوٹ بولا۔ جب اللہ تعالیٰ کسی کو پیدا کرنا چاہے کوئی اسے روک نہیں سکتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ عزل کو زندہ درگور کہنا یہودیوں کا وطیرہ تھا اور ماقبل حدیث میں انہی کا قول نقل فرمایا گیا ہے۔ عزل کے متعلق دونوں قسم کی روایات میں تطبیق دیتے ہوئے امام نووی فرماتے

ہیں "ماورد فی النہی محمول علی کراهة تنزیه وما ورد فی الاذن فی ذالك محمول علی انه لیس یحرام۔(نووی شرح مسلم ۱، ٤٦٤)"۔
ممانعت کی روایات مکروہ تنزیہی پر محمول ہیں اور اجازت کی روایات کا مطلب یہ ہے کہ عزل حرام نہیں۔

﴿۳۶۳﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ کیا بیوی کی اجازت کے بغیر عزل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ سائل اشرف پائی خیل میانوالی

الجواب: امام علاء الدین ابی بکر بن مسعود اپنی مشہور کتاب بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ص ۳۳۴ ج ۲ پر لکھتے ہیں۔ "و یکره للزوج ان یعزل عن امراته الحره بغیر رضا حالان الوطه عن انزال سبب محصول الوالد ولها فی الولد حق و بالعزل یفوت الولد فکانه سببا لفوات حقها و ان کان العزل برضاها لا یکره لا نها رضیت بفوات حقها۔" خاوند کا آزاد بیوی سے اس کی رضامندی کے بغیر عزل کرنا مکروہ ہے۔ کیونکہ قربت انزال بچہ حاصل ہونے کا سبب ہے اور بچہ حاصل کرنا بیوی کا حق ہے اور عزل سے بچہ ضائع ہو رہا ہے۔ گویا یہ بیوی کا حق ضائع ہونے کا سبب ہے اور اگر بیوی کی رضامندی سے عزل کرتا ہے تو مکروہ نہیں کہ وہ اپنے حق سے دستبردار ہو رہی ہے۔
البحر الرائق شرح کنز الدقائق میں علامی زین الدین ابن نجیم لکھتے ہیں۔ الا ذن فی العزل عن الحرة لها ولا یباح بغیر لانه حقها (البحر الرائق ۳، ۲۱٤)
آزاد بیوی سے عزل کرنے کا اختیار بیوی کو ہے اور اس کی اجازت کے بغیر عزل جائز نہیں کیونکہ یہ

اسی کا حق ہے۔"ان العزل جائز بالا ذن و هذا هو الصحيح عند عامة العلماء لم فی البخاری عن جابر کنا نعزل والقرآن ينزل و لحديث السنن ان رجلا قال يا رسول الله ان لی جاريه و انا اعزل عنها وانا اکره ان تحمل و ان اريد ما يريد الرجال و ان اليهود تحد ث ان العزل المؤدة الصغری قاله صلی الله عليه و سلم کذبت اليهود لواراد الله ان يخلقه ما استطعت ان تصرفه۔

اجازت کے ساتھ عزل جائز ہے۔اور عام علماء کے نزدیک یہی بات صحیح ہے۔اس حدیث کی بناء پر جو صحیح بخاری میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ ہم عزل کیا کرتے تھے،قرآن اتر رہا تھا۔

﴿۳۶۳﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ ضبط تولید اس نظریہ سے کی جائے کہ بچوں کی وجہ سے ہمارے معاشی حالات خراب ہو جائیں گے تو یہ کس حد تک درست ہوگا۔؟بینوا توجروا۔سائل انجم خان میانوالی۔

الجواب: اگر ضبط تولید اس نظریئے سے ہو کہ بچے ہمارے ساتھ کھانے پینے میں شریک ہو کر مالی لحاظ سے زیر بار کریں گے تو یہ خیال غلط ہے۔ہر آنے والا حسب قابلیت محنت کر کے اپنی روزی کا خود بندوبست کرتا ہے اور والدین کا ہاتھ بٹاتا ہے۔اس نظریئے سے خود غرضی،نفسانفسی اور سنگدلی کی بو آتی ہے۔

ضبط تولید میں اسلام کا نظریہ ہے کہ آپ واقعی ضروریات مجبوری کے پیش نظر ضبط ولادت کی تدابیر اختیار کر سکتے ہیں۔مگر مغرب کی بے لگام تہذیب کے پیش نظر شاید یہ امور نہیں وہ اس کو دوسرے زاویئے سے دیکھتے ہیں مثلاً معاشی مسائل،معاشرتی ذمہ داریوں سے بچنا اور فحاشی پھیلانا۔ظاہر

الصلوۃ والسلام علیک یا سیدی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ہے کہ یہ سوچ اسلامی شریعت اور مزاج کی عین نقیض ہے۔ وہ کہتے ہیں آبادی بڑھنے سے لوگ بھوکے مریں گے۔ معاشرتی واقتصادی مسائل پیدا ہوں گے۔ جن پر قابو پانا ناممکن ہوگا۔ جس کی کچھ جھلک آج دیکھی جاسکتی ہے کہ معاشی اور معاشرتی مسائل کا حل یہ نہیں کہ آپ آبادی پر کنٹرول کریں۔ کتنا کنٹرول کریں۔ آخر کچھ نہ کچھ لوگ تو بچیں گے اور جب تک یہ ظالمانہ گرداری اور سرمایہ داری نظام کا منحوس سایہ یہاں رہے گا فتنہ وفساد کا بازار گرم رہے گا۔ لوگوں کی غربت کا سبب یہ نہیں کہ آبادی زیادہ ہے اور وسائل رزق کم ہیں۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ دولت کی غیر منصفانہ تقسیم ہے

﴿۳۶۴﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کیا اسقاط حمل جائز ہے یا نہیں وضاحت فرما دیں؟ اگر کوئی عورت حمل ساقط کرانا چاہے تو اس کا جائز وقت کونسا ہے؟ بینوا توجروا۔ سائل عارف خان میانوالی۔

الجواب: حدیث پاک میں ہے، ''ان احد کم یجمع فی بطن امه اربعین یو ماثم علقة مثل ذلك ثم یکون مضغة مثل ذلك ثم یبعث الله ملکا فیومر باربع برزقه واجله و شقی او سعید''۔ (صحیح البخاری ۲،۹۷۲)

تم میں سے ہر ایک اپنی ماں کے پیٹ میں چالیس دن گزارتا ہے۔ (نطفہ) پھر اسی قدر علقہ، پھر اسی قدر مضغہ پھر اللہ فرشتہ بھیجتا ہے اور چار چیزوں کا حکم ہوتا۔ رزق، عمر، نیک بخت یا بد بخت۔

فقہائے کرام فرماتے ہیں اگر حاملہ چاہے تو ۱۲۰ دن گزرنے سے پہلے اسقاط حمل کرسکتی ہے۔

هل یباح الاسقاط بعد الحمل یباح مالم یتخلق شئی منه، ثم فی غیر موضع ولا یکون ذلك الا بعد مائة و عشرین یوما انهم ارادو ابالتخلیق نفخ الروح۔

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(الدار المختار معی الردالمختار للشامی ۳،۱۷٦)

کیا حمل ٹھہرنے کے بعد ساقط کرنا جائز ہے؟ ہاں جب تک اس کی تخلیق نہ ہو جائے جائز ہے۔ پھر متعدد مقامات پر تصریح ہے کہ تخلیق کا عمل ۱۲۰ دن یعنی چار ماہ کے بعد ہوتا ہے اور تخلیق سے مراد روح پھونکنا ہے۔ رحم مادر میں استقرار حمل جب تک ۱۲۰ دن یعنی چار ماہ کا نہ ہو جائے بوجہ مجبوری حمل ضائع کرنا جائز ہے۔ اور اگر جب چار ماہ کا بچہ بطن مادر میں ہو جائے تو اب اسے ضائع کرنا جائز نہیں ہے بلکہ حرام ہے۔ فتاوٰی عالمگیری جلد ۱ ص ۳۲۵، البحر الرائق جلد سوم ص ۲۰۰، فتح القدیر جلد سوم ص ۲۷۲، بدائع الصنائع جلد ۲ ص ۲۳۴ میں ہے، یباح اسقاط الولد قبل اربعة اشهر (شامی ۳،۱۷٦) چار مہینے سے پہلے حمل گرانا جائز ہے۔ مگر بلا ضرورت حمل گرانا مکروہ ہے، اور عورت کے لئے سخت نقصان دہ ہے۔

اللہ

واللہ اعلم بالصواب

باب الرسومات

(رسموں کا بیان)

﴿۳۶۵﴾فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ سہرا باندھنا کیسا ہے؟ بعض لوگ اسے ناجائز قرار دیتے ہیں؟ وضاحت فرمائیں۔

(سائل انور آرائیں میانوالی)

الجواب: شادی میں پھولوں کا سہرا باندھنا جائز ہے، شریعت کا قاعدہ ہے کہ: "الاصل فی الاشیاء الاباحة" یعنی اشیاء میں اصل اباحت (جواز) ہے چنانچہ قرآن وحدیث میں جب تک کسی چیز کی ممانعت نہ ہو اس وقت تک وہ جائز ہے۔ ممانعت ہونے کے بعد وہ ناجائز ہو جاتی ہے۔ یہ اصول فقہ حنفیہ کی کتابوں میں متعدد جگہ لکھا ہوا ہے۔ فتاویٰ شامی میں اس بات کو ثابت کرنے کے لیے ایک عنوان مقرر فرمایا گیا ہے، الاصل فی الاشیاء الاباحة، جلد اول کتاب الطہارۃ بلکہ حدیث میں بھی یہ بات ہے اور اس حدیث کو صاحب مشکوۃ صفحہ ۳۶۲ پر نقل کیا ہے "فما احل الله فهو حلال وما حرم فهو حرام وما سكت عنه فهو عفو" یعنی جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حلال فرمایا وہ حلال ہے اور جسے حرام قرار دیا وہ حرام ہے اور جس چیز کے بارے میں سکوت فرمایا وہ معاف ہے۔ لہٰذا جب سہرے کی ممانعت قرآن وحدیث اور فقہ میں بھی نہیں ہے، تو اس کو حرام وناجائز کہنا شریعت میں زیادتی ہے۔ اور شریعت پر افتراء (جھوٹ) باندھا ہے۔

﴿۳۶۶﴾فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ ہمارے علاقہ میں شادی کے موقع پر سہرا باندھنا، ڈھول بجانا، اور عورتوں کا گانا گانا جیسی رسومات ہوتی ہیں۔ شریعت کی رو میں یہ کیسی ہیں؟ بینوا توجروا۔ سائل عبدالمنان خان عیسیٰ خیل میانوالی

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

الجواب: سہرا باندھنا جائز ہے مگر گانا گانا اور ڈھول باجے بجانا ہر صورت میں ناجائز ہیں۔ خصوصاً شادی میں عورتوں کا اس طرح گانا گانا کہ اس کی آواز باہر غیر مردوں تک پہنچے۔ نکاح کے متعلق شریعت کا منشاء ہے کہ محفل عام میں ہو۔ اگر چھپ کر کسی عورت سے شادی کر کے لائے گا تو لوگوں میں بدگمانی پیدا ہوگی۔ اور کوئی تہمت لگا دے گا کہ عورت کو اغوا کر لایا ہے۔ اس لیے حدیث میں ہے: "اعلبنو اهذا النكاح والصربو عليه بالغربال (سنن ابن ماجه ص ١٣٦)

یعنی تم نکاح کا اعلان کرو اگرچہ یہ اعلان دف بجا کر ہی ہو۔

لیکن اب لائٹیں لگائی جاتی ہے، کارڈ چھپوائے جاتے ہیں، شامیانے لگائے جاتے ہیں اور لوگوں کو مدعو کیا جاتا ہے یہ باتیں اعلان کے لیے کافی ہیں۔ تاہم اگر کوئی صرف دَف نکاح کے موقع پر بجائے حرج نہیں۔ گانے باجے پھر تین تین دن تک کا جواز کہیں بھی موجود نہیں۔

﴿٣٦٧﴾ فتــوی شــرعــی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، دعوت ولیمہ کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں وضاحت فرمادیں؟ بینوا توجروا۔

(سائل اشفاق آرائیں میانوالی)

الجواب: دعوت ولیمہ سنت ہے اور اسمیں عظیم ثواب ہے۔ جبکہ ولیمہ ادا کرنے والے کا مقصد ادائے سنت ہو۔ ولیمہ وہ دعوت ہے جو شب زفاف کی صبح کو اپنے دوست واحباب، عزیز و اقارب اور محلے کے لوگوں کے لئے اپنی استطاعت کے مطابق کی جائے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ پہلے اور دوسرے دن بھی یعنی دو دن تک اس دعوت کو ولیمہ کہا جا سکتا ہے۔ دو دن بعد اس دعوت پر ولیمہ کا اطلاق نہیں ہوگا۔

ملا نظام الدین متوفی ۱۱۶۱ھ نے فتاویٰ عالمگیری میں لکھا "و تسمية العرس سنة و فيها مثوبة عظيمة وهى اذا بنى الرجل با مراته انه ينبغى ان يدعو الجيران والا قربا ء والاصدقاء و يذبح لهم و يصنع لهم طعاما" یعنی دعوت ولیمہ سنت ہے اس میں ثواب عظیم ہے۔ اور دعوت ولیمہ یہ ہے کہ جب یہ شخص اپنی عورت سے زفاف کرے تو اس کے لیے یہ مناسب ہے کہ وہ اپنے پڑوسیوں، عزیز و اقارب اور دوست و احباب کے لیے دعوت کرے اور مہمانوں کے لیے جانور ذبح کرے اور کھانے تیار کرے۔ اس کے بعد فرمایا،

"ولا باس بان يدعو يومئذ من الغدوو بعد الغدو ثم ينقطع العرس والوليمة"

(كتاب الكراية جلد ٥ صفحه ٢٤٣)

یعنی اس بات میں کوئی حرج نہیں کہ ولیمہ اگلے روز کرے دوسرے روز۔ اس کے بعد تیسرے روز اس دعوت کو ولیمہ نہیں کہا جائے گا۔ (ماخذ وقار الفتاویٰ)

﴿۳۶۸﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ دعوت ولیمہ میں اگر عقیقہ کا گوشت ملا کر مہمانوں کا کھلایا جائے تو کیسا ہے۔ سائل محمد عمران کلوکوٹ بیلیاں میانوالی

الجواب: عقیقہ کے گوشت کو وہی حکم ہے جو قربانی کے گوشت کا حکم ہے۔ قربانی اور عقیقہ کی عبادت اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کر دینے سے ادا ہو جاتی ہے۔ گوشت عقیقہ اور قربانی کرنے والے کی ملکیت ہوتا ہے اس کو فرخت نہیں کر سکتا اور نہ کسی کام کے معاوضہ میں دے سکتا ہے، خود کھائے دوسروں کو کھلائے، غریب و مالدار جس کو چاہے دے۔ فقہاء نے قربانی کے گوشت کو تین حصوں میں تقسیم کرنے کو مستحب لکھا ہے واجب کسی نے نہیں لکھا اور قربانی اور عقیقہ کا حکم ایک ہے۔

لہٰذا ولیمہ میں عقیقہ کا گوشت شامل کرنا اور کھلانا جائز ہے۔

﴿۳۶۹﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ آج کل رواج ہو چکا ہے کہ شادی بیاہ کے موقع پر کھڑے کھانا پیش کیا جاتا ہے، کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ ۔ **بینوا توجروا**۔ سائل اسلم مغل محلہ ہاشم شاہ میانوالی

الجواب: صحیح مسلم شریف جلد دوم صفحہ ۱۷۳ میں حدیث ہے: ”عن انس عن النبی ﷺ انہ نھی ان یشرب الرجل قائما قال قتادة فقلنا فالا کل فقال ذالك اشرو اخبث“ (کتاب الاشربة جلد ۲ صفحه ۱۷۳)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک آپ ﷺ نے کھڑے ہوکر پینے سے منع فرمایا۔ حضرت قتادہ کہتے ہیں ہم نے عرض کی کھانے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ تو ارشاد فرمایا وہ اور زیادہ سخت ناپسندیدہ اور برا ہے۔ لہٰذا کھڑے کھانا شریعت مطہرہ میں سخت منع ہے۔

﴿۳۷۰﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کیا گانا بجانا، گانا سننا وغیرہ جائز ہے؟ قرآن وسنت کی روشنی میں جواب دیں۔

(سائل ملک جاوید اقبال طرہ باز ٹاؤن میانوالی)

الجواب: گانا بجانا، سننا حرام ہے اور شیطانی افعال میں سے ہے، قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے، ”ومن الناس من یشتری لھو الحدیث لیضل عن سبیل اللہ بغیر علم و یتخذھا ھزوا اولئک لھم عذاب مھین (لقمان ۶)

اورلوگوں میں سے کچھ ایسے ہیں جولھوالحدیث خریدتے ہیں تاکہ بغیرعلم کے اللہ کی راہ سے لوگوں کوگمراہ کریں اوراسے سے استہزا کریں۔یہی لوگ ہیں کن کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے تفسیر طبری میں ہے جز۲۱ص ۲۱ مذکور ہے،حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے"ومن الناس یشتری لھو الحدیث " آیت کے بارے میں تین مرتبہ قسم اٹھا کر کہا کہ لھوالحدیث سے مراد گانا بجانا ہے۔

اس طرح مفسر قرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے لھوالحدیث کی تفسیر گانا بجانا اور گانا سننا منقول ہے۔　　(طبری جز ۱۲ص ۱۲)

حضرت جابر،مجاہد اور عکرمہ جیسے جلیل القدر مفسرین نے بھی لھوالحدیث سے گانا بجانا وغیرہ ہی مراد لیا ہے۔جب اللہ تعالیٰ نے ابلیس کومہلت دی تو اسے کہا،"**استفزذ من السطعت منھم بصوتک** "**الایتہ (بنی اسرائیل ۶۴)**

(اوران میں سے جس کوبھی تو بہکا سکتا ہے اپنی آواز سے بہکا تارہ)

اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ سے مروی ہے کہ آیت سے مراد،

"کل داع دعا الی معصیت اللہ عزوجل"

ہروہ آدمی ہے جواللہ کی نافرمانی کی طرف دعوت دیتا ہے۔حضرت مجاہد سے اس آیت کی تفسیر یہ مروی ہے کہ اس سے مراد گانا بجانا اورلھوولعب ہے(تفسیرابن کثیر ج ۳ص ۴۰)

یعنی وہ تمام آوازیں جیسا کہ(گانا بجانا عشقیہ اشعار وغیرہ)جواللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف بلاتی ہیں،وہ اس آیت کا مصداق ہیں۔

بخاری شریف میں رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا، "لیکونن من امتی اوام یستحلون الحرُ والحریر والخمر والمعازف"

(کتاب الاشربه بخاری مع فتح الباری (۵۵۹۰ ج ۱۰ ص ۵۳)

میری امت میں ایسی قومیں ہوں گی جو زنا، ریشم، شراب اور باجے گاجے حلال سمجھیں گی۔

یعنی زنا ریشم شراب اور باجے گاجے جن کو شریعت نے حرام قرار دیا ہے، بعض لوگ انہیں حلال سمجھیں گے۔ اور آج وہ قومیں اکثر پائی جاتی ہیں۔ جو گانا ن بجانا شراب وغیرہ کوئی عیب نہیں سمجھتیں۔ بلکہ گانے بجانے کے آلات ٹی وی، وی سی آر اور گانوں کی کیسٹوں کی صورت میں ان کے گھروں میں موجود ہیں۔ بلکہ شیطانیت اس قدر ترقی کر رہی ہے کہ ڈش انٹینا کی صورت میں اس برائی کو دن رات پھیلایا جا رہا ہے۔ اور مسلمانان عالم کی ذلت کا سبب بھی یہی ہے کہ انہوں نے اپنی اسلامی تہذیب ترک کر کے غیر مسلموں اور ہندوؤں وغیرہ کی تہذیب و تمدن کو اپنا لیا ہے اور ان کی پیروی میں گانا، بجانا اور رقص وغیرہ کو اپنا لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ حرام سے بچنے کی توفیق عنایت فرمائے۔

"عن ابی مالك الاشعری رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لیشربن ناس من امتی الخمر یسمونها بغیر اسمها یعزف علی رء وسهم بالمعازفٌ والمغنیات یخسف الله بهم الارض و یجعل منهم قردة و خنازیر"

(ابن ماجه کتاب الفتن ج ۲ ص ۱۳۳۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، البتہ میری امت میں سے لوگ ضرور شراب پئیں گے

اروا س کے نام علاوہ کوئی اور نام رکھیں گے۔ ان کے سروں پر باجے بجائے جائیں گے اور گانے والیاں (گانے گائیں گی) اللہ تعالیٰ انہیں زمین میں دھنسا دیں گے ان میں سے بندر اور سور بنا دے گا۔ امام ابن قیم نے اس حدیث کی سند کو صحیح قرار دیا ہے اس طرح علامہ البنانی نے بھی اسے سلسلہ صحیحہ میں شمار کیا ہے۔ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، "فی هذه الامته خسف و مسخ و قذف ، فقال رجل من المسلمین یا رسول الله یا رسول الله و متی ذلك؟ قال اذا ظهرت القیان و المعارف و شریت الخمور، سلسله احادیث (١٦٠٤) کتاب الفتن صحیح ترمذی ج ٢ ص ٢٤٢)

اس امت میں زمین میں دھنسانا، صورتیں بدلنا اور پتھروں کی بارش جیسا عذاب ہوگا تو مسلمانوں میں سے ایک مرد نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ یہ کب ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا جب گانے والیاں اور باجے گاجے ظاہر ہوں گے اور شرابیں عام پی جائیں گی۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ گانا بجانا، آلات لھو مثلاً ٹی وی، وی سی آر، وی سی پی ویڈیو گیمز، ہارمونیم، باجے، ڈھول اور گانے وغیرہ کی کیٹیں تمام شیطانی آلات سے ہیں۔ ان کا بجانا اور سننا حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان تمام برائیوں سے محفوظ رکھے۔ آمین

والله تعالیٰ اعلم بالصواب

الصلوٰۃ والسلام علیک یا سیدی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

باب شتیٰ

(مختلف مسائل کا بیان)

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

﴿۳۷۱﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ آج کے اخبار میں ایک صاحب کا بیان تھا کہ مغربی ممالک سے جو صابن آتے ہیں وہ ناپاک ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان میں بعض ناپاک اجزاء سور کی چربی وغیرہ کا استعمال کیا جاتا ہے۔ آیا وہ صابن پاک ہے یا نہ ہے۔ وضاحت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔ (سائل محمد منیر احمد ولد غلام شبیر بلوخیل میانوالی)

الجواب: مغربی ممالک سے جو صابن آتے ہیں ان کے بارے میں کبھی کبھی اس قسم کی اطلاعات بھی سننے کو ملتی ہیں کہ ان میں بعض ناپاک اجزاء سور کی چربی وغیرہ کا استعمال کیا جاتا ہے۔ اول تو یہ یقینی اور معتبر اطلاع نہیں ہوتی۔ محض ظن وگمان کے درجہ کی چیز ہوتی ہے۔ اور شریعت اس قسم کے اندیشہ ہائے دور دراز کو قبول نہیں کرتی۔ دوسرے فقہاء نے اس کو دو وجوہ سے پاک قرار دیا ہے ایک یہ کہا ایسے ناپاک اجزاء صابن میں مل کر اپنی اصلی حقیقت کھو دیتے ہیں اور کوئی ناپاک شئے جب اس حد تک بدل جائے کہ اپنی اصلی حقیقت ہی کھو دے تو اس کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں۔ مثلاً منی ناپاک ہے وہ خون بن جائے تو بھی ناپاک ہے۔ اس کے بعد جب گوشت بن جائے تو اب پاک ہے کہ حقیقت بدل چکی ہے مشک ناپاک خون ہے لیکن جب مشک بن گیا تو پاک ہے۔ غیر ماکول اللحم جانوروں کی ہڈیاں بھی حرام ہیں مگر جب ان کا نمک بنا دیا گیا تو اب حلال ہیں۔

دوم اس کے استعمال کی اس قدر کثرت ہے کہ اس سے احتراز دشوار ہے۔ ایسی چیز کو فقہاء کی اصطلاح میں عموم بلوی سے تعبیر کیا جاتا ہے اس کی وجہ سے حکم میں ایک گونہ نرمی پیدا ہوتی ہے اس کا تقاضا بھی ہے کہ ایسے صابنوں کا استعمال جائز اور درست ہو۔

الحمد لله والصلاة والسلام على رسول الله صلى الله عليه وسلم

"جعل الدهن النجس فی صابون یفتی بطهارته لا نه تغیر و التغیر یطهر عنده محمد و یفتی به للبلوی (ردالمختار جلد۱ ص ۲۱)

ناپاک تیل صابن میں ڈال جائے تو اس کے پاک ہونے کا فتویٰ دیا جائے گا۔ اس لیے کہ وہ تغیر ہے اور تغیر امام محمد کے نزدیک پاکی کا باعث ہے۔ اور ابتلا عام کی وجہ سے اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ مغربی ممالک کے صابن پاک ہیں جب تک کہ یقینی خبر نہ ہو۔

﴿۳۷۳﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ بینک کی ملازمت کرنا کیسا ہے؟۔ بینوا توجروا۔ حافظ محمد صدیق شہباز خیل میانوالی

الجواب: صرف سود میں خود ملوث اور مبتلا ہونا ہی گناہ نہیں ہے بلکہ اس کے کاروباری مدد و معاون ہونا بھی معصیت ہے۔ یوں تو تمام گناہ کے کاموں میں اعانت ناپسندیدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:" لا تعاونو اعلی الاثم والعدوان " لیکن خصوصیت سے سود کے متعلق آپ ﷺ کی صراحت موجود ہے۔ حضرت جابرؓ سے مروی ہے "لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم اکل الربا و موکلہ و کاتبہ و شاہداہ قال هم سواء" (ترجمہ) رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے اور کھلانے والے اور اس کے کاتب نیز گواہوں سبھی پر لعنت کی ہے اور فرمایا کہ وہ سبھی برابر ہیں۔ یہاں سود کے لکھنے والوں اور گواہوں پر حضور ﷺ کی لعنت سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ بینک کی ایسی ملازمت جس میں آدمی کسی ذمہ دارانہ عہدہ پر فائز ہو یا سودی معاملات لکھنے پڑھنے ہوں جائز نہیں ہے اس لیے کہ ان کی حیثیت ربٰو کے کاتبین اور گواہوں کی ہوگی۔ اور ان کو حضور ﷺ نے نہ صرف یہ کہ ملعون قرار دیا ہے بلکہ سود خوروں کے مساوی قرار دیا ہے۔ ہاں ایسی

ذمہ داریاں جن کا تعلق براہ راست سودی کاروبار سے نہ ہو مثلاً چپڑاسی وغیرہ کا کام کرنا جائز ہے۔ یہ تو اصل حکم ہے لیکن ایسے شخص کے لیے جو معاشی اعتبار سے بالکل مفلوج ہو۔ کوئی دوسری ملازمت اور ذریعہ معاش حاصل نہ ہو اور ملازمت ترک کر دے تو فاقہ کا اندیشہ ہو ایسے ملازمین بینک کو چاہیے کہ وہ موجودہ ملازمت پر قانع ہونے کی بجائے مستقل روزی حلال کے لیے کوشاں رہیں کہ کوئی دوسرا بہتر اور پاک ذریعہ معاش حاصل ہو جائے موجودہ ملازمت سے دل میں کراہت محسوس کریں اور جب تک متبادل انتظام نہ ہو جائے۔ ایک مجبوری کے بطور اسے کرتے رہیں اس لیے کہ اگر وہ یہ ملازمت یک قلم ترک کر دیں اور کوئی دوسری صورت سامنے نہ ہو تو اس بات کا اندیشہ ہے کہ فقر و افلاس ان کو کسی اور گناہ میں مبتلا کر دے گا۔

البتہ یہ ان لوگوں کے لیے ہے جو اقتصادی اعتبار سے بالکل مجبور و بے بس ہوں۔ جس کے پاس کوئی دوسرا ذریعہ آمدن ہو اس کے لیے ایسی ملازمت منع ہے۔

﴿۲۷۳﴾ فتــــوی شــــرعـــی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، ہمارے شہر وتہ خیل میں محفل میلاد ہوئی، ایک صاحب کے جوتے چوری ہو گئے۔ وہ آدمی مطالبہ کر رہا ہے کہ جوتے کی قیمت ادا کرو۔ ہمیں بتایا جائے کہ از روئے شرع صاحب خانہ جوتے کی قیمت دینے کے پابند ہیں یا نہیں؟۔ بینوا توجروا۔ سائل محمد شہزاد میانوالی۔

الجواب: ایسی مجالس عامہ جن میں عرفاً حاضرین کے جوتوں کا صاحب خانہ محافظ نہیں ہوتا اگر اس میں کسی کا جوتا ضائع ہو جائے تو اس کا تاوان صاحب خانہ سے جائز نہیں۔ جوتے و دیگر سامان کی حفاظت اپنے ذمہ ہوتی ہے۔

علامہ شافعی فتاویٰ ہندیہ سے ناقل ہیں:"وضع شيئا في بيته بغير امره فلم يعلم حتى ضاع لا يضمن لعدم التزام الحفظ ـ و ان العبرة للعرف (ردالمختار ص٥١٦ ج٤)

﴿٣٧٤﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، میرا اور میرے چچازاد بھائی کا کسی گھریلو مسئلہ میں تنازعہ تھا۔ میرے ایک اور بھائی نے قرآن پاک سر پر رکھ کر حلف دیا کہ معاملہ اس طرح ہے۔ حالنکہ وہ یقناً جھوٹا ہے۔ آیا اس مسئلہ کی وضاحت کیجاوے جو آدمی جھوٹا قرآن اٹھاتا ہے اس کی سزا ہے؟۔ بینوا توجروا۔

(سائل محمد وارث خان چک نمبر 5ML میانوالی)

الجواب: صورۃ مسئولہ میں جب اس درمیانی شخص نے بواسطہ قرآن شریف کے قصدا جھوٹا بیان دیا تو وہ سخت گنہگار رہوا، شرعا اس پر توبہ و استغفار ضروری ہے۔ یہ حلف بالغموس (جہنم میں ڈالنے والا) کہلاتا ہے۔ اور کفارہ لازم نہیں۔ قرآن پاک سر پر رکھ لینا حلف نہیں جب تک زبان سے لفظ اشھد نہ کہے۔ ردالمختار میں ہے:"فتلزمه التوبة اذلا كفارة في الغموس و يرتفع بها الاثم فتعينت التوبة للتخلص منه فقط"۔

﴿٣٧٥﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ آج کل ہمارے ہاں رواج ہو چکا ہے کہ اکثر نعت خوان حضرات داڑھی منڈے ہوتے یا بے ریش لڑے۔ اور اکثر دیکھا گیا ہے کہ نماز روزہ کے بھی پابند نہیں ہوتے۔ کیا ان سے نعت خوانی کرانا میلاد شیرف پڑھوانا جائز ہے یانہیں؟ بینوا توجروا۔ سائل محمد بلال پپلاں شہر"

الجواب: داڑھی کا منڈانا حرام ہے، درمختار میں ہے:"يحرم على الرجل قطع

لحیته، (در مختار ص ٤٦٩ ج ٥) اور نماز کو سستی سے قصداً چھوڑنے والا فاسق ہے۔

تنویر الابصار و در مختار میں ہے:"و تارکھا (الصلوة) عمدا مجانة ای تکاسلا فاسق

(درمختار مصری ص ٢٤٦ ج ١)

اسی طرح روزہ کا بلا عذر قصدا چھوڑنے والا فاسق ہے،"کما فی الدر المختار، والصوم کا الصلوة علی الاصح"۔ تو داڑھی منڈوانے والا، صوم وصلوۃ کو چھوڑنے والا فاسق قرار پایا، اور فاسق کو میلاد شریف کے لیے بلانے اور پڑھوانے میں اس کی تعظیم ہوتی ہے، کہ جس سے میلاد شریف پڑھواتے ہیں اس کی ہر طرح کی خاطر و مدارات کی جاتی ہے۔ اس کو عزت سے تخت پر بیٹھایا جاتا ہے۔ اس کی کسی طرح کی تحقیر و توہین نہیں ہوتی اور حالانکہ شرعا فاسق کی توہین و تحقیر ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی عالم فاسق ہو تو اس کو بھی امامت کے لیے نہ بڑھائیں کہ امامت میں تعظیم ہوتی ہے اور اس کی شرعا اہانت واجب ہے۔

مراقی الفلاح میں ہے:"کره امامة الفاسق العالم لعدم اهتمامه بالدين فتجب اهانته شرعا فلا يعظم بتقديمه للامامة۔ (مراقی الفلاح ص ١٧٦ ج ٧)

عالم فاسق کی امامت اس کے دینی اہتمام نہونے کی وجہ سے مکروہ ہے۔ تو شرعا اس کی اہانت واجب ہے تو اس کو امامت کے لیے بڑھا کر عزت نہ کی جائے۔

لہٰذا فاسق کو بلا کر اس سے میلاد شریف پڑھوانا کس طرح مکروہ نہ ہوگا۔ اسی بنا پر فقہاء کرام نے مذکر کیلیے صالح اور متقی ہونے کی تصریح کی۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:"بقول ابی سلمی فقیه دریں زمان واجب ست و باید که

مذکر صالح باشد تا عاقلاں ازونہ گریز ندوورع باشد تا سخن نادرست نگوید (فتاویٰ برہنہ ص ۷۴ ج ۱)

فقیہ ابوسلمہ کے قول اس بنا پر اس زمانہ میں واجب ہے کہ واعظ نیک صالح ہوتا کہ دیندار لوگ اس سے پرہیز نہ کریں اور واعظ متقی پرہیز گار ہوتا کہ وہ کوئی خلاف شرع بات نہ کہے۔

اس عبارت سے ظاہر ہوگیا کہ جب واعظ کے لیے نیک و پرہیز گار ہونا ضروری ہے تو میلا دخواں بھی ایک طرح کے واعظین ہوتے ہیں۔تو ان کا نیک ومتقی ہونا ضروری ہے۔نیز فاسق کا احترام اسٹیج پر بٹھانا، ہار پہننانا، نذرانہ پیش کرنا تمام چیزیں منع ہیں۔

﴿۳۷۶﴾فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ ہمارے گاؤں میں ایک آدمی آیا ہے جو کہ اپنے آپ کو پیر اور نیک لوگوں میں شمار کرتا ہے، لوگ بھی اس کا احترام کرتے ہیں۔ان کے کافی مریدین بھی ہیں۔ان کے مریدین سے کچھ کو ذاتی طور پر جانتا ہوں کہ ان کا روپیہ حرام کا ہے۔لیکن پیر صاحب ان کے نذرانے قبول کرتا ہے، آیا از روئے شرع ان کے لیے یہ روپیہ وغیرہ لینا جائز ہوگا یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

(سائل چوہدری نجم الدین چک نمبر 86 میانوالی)

الجواب: صورت مسئولہ میں اگر اس مرید کی ساری آمدنی اسی کسب حرام سے ہے جب تو اس پیر کا وہ پیسہ قبول کرنا ناجائز وحرام ہے۔اور اگر اس کی اکثر آمدنی کسب حرام سے ہو جب بھی اس کا نذرانہ قبول نہ کرنا چاہیے۔ہاں اگر اسے علم یقینی سے یہ معلوم ہو کہ جو رقم نذرانے میں پیش کی ہے وہ از قسم حلال ہے تو اس کا نذرانہ قبول کر لینا جائز ہے، اور دعوت کھانا بھی درست ہوا۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:''کسب الحرام اھدی الیہ او اضافہ و غالب مالہ حرام لا یقبل ولا یکل مالم یحسبہ ان ذالک المال اصلہ حلال ورثہ او استقرضہ''

پھر جو کسب حرام ہو اور اس نذرانے کا قبول کرنا ہی نا جائز ہو تو اسے اپنے اوپر اور اپنے اہل واعیال پر صرف نہیں کرسکتا۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے ''یا ایھا الذین امنو الا تاکلوا اموا لکم بینکم بالباطل (ترجمہ) اے ایمان والوں آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ۔ پھر اگر وہ ایسے کسب حرام کو جانتے ہوئے اپنے یا اپنے خاندان کے صرف میں لائے تو یہ اس کا فسق ہے۔ جو اس کی پارسائی اور بزرگی کے منافی ہے۔

﴿۳۷۷﴾فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ جب کسی بھری محفل میں کسی شخص (مرد یا عورت) کے منہ سے بلا ارادہ کوئی توہین آمیز الفاظ یا فقرہ قرآن کریم کے بارے نکل جائیں جو شرکائے محفل کے جذبات کو مجروح کرے اور پھر شخص مذکورہ اسی محفل میں نہ صرف اپنے الفاظ کی وضاحت کرتے ہوئے اپنے الفاظ واپس لے بلکہ شرکائے محفل سے انکی دل آزاری دور کرنے کے لیے معذرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے کھلے دل سے سرعام موقع پر معافی مانگ لے تو شریعت میں ان کے بارے کیا احکامات موجود ہیں۔

طالب راہنمائی (سید بنیاد حیدر سکنہ کندیاں میانوالی)

الجواب: کوئی قرآن پاک کے بارے میں بھری محفل میں توہین آمیز فقرہ یا الفاظ بیان کرے اور کسی اجتماع یا بھری محفل میں کچھ دیر بعد شرکاء محفل سے ان کی دل آزاری کی معذرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے بھی سرعام معافی مانگے اور اپنی غلطی کو بھی تسلیم کرے تو شریعت میں اس کے

حکامات وہ درج ذیل ہیں، کہ اگر عملاً اس نے ایسا کیا اور بھری محفل میں معذرت کی تو اس کی توبہ ہی سمجھی جائے گی۔ اور ایسے معاملہ میں اسے توبہ استغفار کثرت سے کرنا چاہیے۔لیکن عمدًا قرآن کی توہین کرنے والا کافر شمار ہوتا ہے اس پر تجدید ایمان اور تجدید نکاح بھی لازم آئے گا۔

﴿۳۷۸﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام ان مسائل کے بارے میں،

(۱) اگر کوئی مسلمان متولی مسجد بے ادبی سے بچنے کی نیت سے قرآنی قاعدے اور قرآنی اوراق کو (نا قابل استعمال) دفن کرنے یا دریا و نہر میں ڈالنے کی بجائے بیرون مسجد کے بیرونی حصہ میں جلا کر ان کی راکھ کو نہر کے پانی میں ڈال دے تو کیا ایسا کرنا گناہ ہے یا نہیں۔؟

(۲) عوام کے سامنے اس عمل سے توبہ بھی کرلے کہ توبہ و استغفار کرتا ہوں۔

(۳) کیا ایسے متولی کے اقتداء میں نماز پڑھنا جائز ہے۔یا نہیں کیا وہ امام بن سکتا ہے یا نہیں۔

(۴) ایسے شخص کو اگر کوئی مسجد میں نماز پڑھنے سے روکے تو اس کے لیے کیا حکم ہے۔

(۵) اس کو جائز کہنے والوں کو کافر کہنا کیسا ہے۔

جواب گرامی سے جلد مطلع فرمائیں۔ واجباً عرض ہے۔ **بینوا توجروا۔**

(ماسٹر غلام رسول متولی مسجد ٹھلے والی ٹھٹھی براستہ داؤد خیل ضلع میانوالی)

الجواب: قرآن کے بوسیدہ اوراق اگر اہانت کی نیت نہ ہو جلا دیئے جائیں اور خاک کو بے ادبی سے بچانے کے لیے نہر وغیرہ میں ڈال دیئے جائیں تو شرعاً جرم نہ ہوگا۔لیکن اچھا طریقہ یہ ہے کہ پانی میں بہا دیں یا دفن کردیں۔ ایسے شخص کی اقتداء میں نماز جائز ہوگی۔

واللہ اعلم بالصواب

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

﴿۳۷۹﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ شرع میں ایسے شخص کے بارے میں جو کہ تعلیم یافتہ ہے لیکن ذہنی مریض نیم پاگل ہے۔ اس کا علاج متعدد دفعہ ذہنی ونفسیاتی امراض کے ہسپتالوں میں کرایا جاچکا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا سرٹیفکیٹ بھی لف ہے۔ اس بات کی تصدیق اس کے گھر والے اور اہل محلہ بھی کرتے ہیں۔ ابھی چند روز قبل اس شخص نے کالا باغ شہر میں واقع صحابہ کرامؓ کے مزارات کی دیواروں پر حضرت علی المرتضی کرم اللہ وجہہ اور امہات المومنینؓ کی شان میں نازیبا کلمات لکھے ہیں۔ براہ کرم ایسے شخص کے بارے میں قرآن وسنت کو جو فیصلہ ہے اس کی وضاحت فرمائیں۔ اور شرعی سزا کے بارے میں ارشاد فرمائیں کہ کیا فاترالعقل شخص کو فعل معتبر ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

(احقر محمد افضل خان والد محمد اعظم خان گلی موتی مسجد مین بازار کالا باغ ضلع میانوالی)

الجواب: سب شیخین وصحابہ کرام کفر ہے۔ اگر وہ واقعی پاگل ہے یا مغلوب العقل ہے تو اس کا فعل شرعاً معتبر نہ ہے۔ تاہم ان کے ورثا کی ذمہ داری ہے کہ وہ اسے پاگل خانہ یا نفسیات کے ہسپتال میں داخل کرائیں۔ تاکہ اس کے قبیح افعال مسلمانوں کی دل آزاری کا باعث نہ بنیں۔

﴿۳۸۰﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ ایک شخص کو غائبانہ طور پر فائر لگا۔ اس نے ایک آدمی پر شک کیا اس برادری نے ملزم کی طرف سے صفائی دینے کے لیے چند آدمیوں کو نامزد کیا۔ وہ لوگ اس وقت صفائی دینے کو تیار تھے۔ ابھی تک صفائی نہیں دی ہے۔ کیا شرعاً ان کے خلاف قانونی کاروائی کرنی جائز ہے۔ بینوا توجروا۔

(عبداللہ خان میانوالی)

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

الجواب: صورۃ مسئولہ میں شرعاً کوئی شخص دوسرے شخص کی طرف سے حلف اس طرح دے سکتا ہے کہ میں نے تفتیش کی ہے اور اس سے حلف وغیرہ لیا ہے۔ یہ مجرم نہیں اس کو صفائی کہتے ہیں۔ اگر مدعی کے پاس گواہ نہ ہوں تو مدعا علیہ سے حلف اور صفائی ضروری ہوتی ہے۔ ورنہ قانونی کاروائی میں بھی اسی طریقہ پر عمل ہوگا۔

﴿۳۸۱﴾فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ جب کوئی ارادہ یا غیرارادہ قرآن پاک کے بارے میں توہین امیز فقرہ یا الفاظ بیان کرے اور اسے فوراً یا کسی دن بعد کیے جانے والے گناہ یا غلطی کا خود احساس ہو جائے یا دلایا جائے تو ایسا شخص جو اپنی اصلاح کرنا چاہے تو اسے کیا کرنا چاہیے۔ شریعت میں اس کے کیا احکامات اور طریقے ہیں۔ **بینوا توجروا۔** سائل ملک مشتاق احمد واں بھچراں میانوالی۔

الجواب: ارادۃً قرآن پاک کی توہین کرنا کفر ہے۔ ایسا شخص دائرہ ایمان سے خارج ہو جاتا ہے۔ تجدید ایمان اور تجدید نکاح و توبہ کا اعلان ضروری ہے۔ اگر لاعلمی کی وجہ سے سرزد ہو جائے تو صرف اعلانیہ توبہ کرنا ضروری ہے۔

﴿۳۸۲﴾فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ لوگوں سے جرمانہ وصول کر کے مدرسہ یا مسجد میں لگانا کیسا ہے۔ یہ جرمانہ صرف لوگوں کو ڈرانے کیلیے ہو محلّہ کے کچھ لوگ جرمانہ وصول کر کے دینی مدرسہ یا مسجد میں دے دیں کیا یہ شرعاً جائز ہوگا یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔** سائل ملک جاوید اقبال طرہ باز ٹاؤن میانوالی

الجواب: کسی سے مال لے کر سزا دینا جس کا نام عوام نے جرمانہ رکھ لیا ہے یہ شرعاً نا

جائز وحرام ہے۔ردالمحتار میں ہے:" ان المذهب عدم التعزيز با خذ المال فلا يجوز لا حد من المسلمين اخذ مال احد بغير سبب اقول و عدم جوازه لما فيه من تسليط الظلمة على اخذ مال الناس فيا كلونه۔"

لہٰذا جن اقوام میں سزا مالی جرمانہ سے کی جاتی ہے۔وہ نا جائز ہے۔اور وہ مال خبیث ہے اور مال خبیث مسجد ومدرسہ میں صرف نہیں کیا جاسکتا ہے۔اس جرمانہ کا مدرسہ میں صرف کرنا بھی جائز نہیں۔

﴿۲۸۳﴾ **فتوی شرعی** محترم ڈاکٹر صاحب ودیگر مختلف حضرات کی طرف سے سوال نامہ موصول ہوا۔کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ مختلف بلدیہ میانوالی کے منتخب شدہ کونسلرز حضرات نے حلف بالقرآن کوتوڑ دیا۔کیا شرعاً ان پر جرمانہ عائد ہوتا ہے؟، نیز کفارہ دینے کے بعد گناہ ختم ہو جاتا ہے کہ نہیں؟ (سائل ڈاکٹر شیر افگن خان وفاقی وزیر میانوالی)

الجواب: شریعت مطہرہ میں حلف کی تین قسمیں ہیں۔حلف بالماضی، حلف بالحال، حلف بالاستقبال۔مستقبل کے حلف کو یمین منعقدہ کہتے ہیں۔کوئی شخص حلف اٹھائے اور پھر آئندہ اس کے خلاف کردے تو شرعاً توبہ اور کفارہ ہی مقرر ہے۔وہ شخص توبہ بھی کرے اور دس مساکین کو کپڑے یا کھانا یا تین روزے رکھے۔اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں گے۔قرآن پاک میں ہے "فكفارته اطعام عشرة مسكين من اوسط ماتطعمون اهليكم او كسوتهم او تحرير رقبة فمن لم يجد فصيام ثلثة ايام" ایسی قسم گناہ ہی ہے۔اعلیٰحضرت امام اہلسنت فتاویٰ رضویہ ج ۱۳ص ۶۱۰ پر لکھتے ہیں: اگر مصحف کریم برداشته سوگند بنام اویا بنام حضرت عزوجل و علیٰ نیز برزبان آوردپس دو چیز باشد یکے

نیز سو گند چوں بروقائم نماند کفارہ اش یك غلام آزاد کردن یا دہ مسکین را دو وقت طعام خوداندن یادہ مسکین راجا معہ پوشاندن وہر کہ بر ہیچ از ینہا قادر نبا شد سہ روزہ پے در پے دارد۔

لیکن اللہ کی آیتوں اورقرآن مجید کومحض دھوکہ دہی کے لیے استعمال کرنا یہ فسق ہے۔عموماً عدالتوں میں یا عام محافل میں چاہے سیاسی یا کاروباری ہوں قرآن مجید سے استہزا(مذاق) کیا جاتا ہے۔ یہ ویسے بھی حرام ہے۔ارشاد باری ہے:(ترجمہ) اللہ کی آیتوں کوہنسی مذاق نہ بناؤ،مسلمانوں کو زیادہ قسمیں کھانے سے منع کیا گیا ہے۔ایسے لوگوں کے لیے علی الاعلان توبہ کے ساتھ کفارہ بھی لازم ہے۔

﴿۳۸۴﴾فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں،

کہ ایک زمیندار اور مالدار کوعشروزکوٰۃ کمیٹی کا صدر یا چیئر مین بنادیا گیا ہے کیا وہ زکوٰۃ کی رقم میں سے کچھ استعمال کرسکتا ہے؟ بینوا توجروا۔ سائل اکرم خان میانوالی۔

الجواب: عاملین زکوٰۃ خواہ دولتمند کیوں نہ ہوں،حکومت کی طرف سے دی گئی تنخواہ اورضروری سہولیات حاصل کر سکتے ہیں جن کا آئین میں ذکر ہے اس سے زیادہ نہیں،تاہم ھاشمی کے لیے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ قرابت داری کا لحاظ رکھتے ہوئے لینا جائز نہیں۔

”ولا یحل للعامل الھاشمی تنزیھا لقرابة النبی ﷺ عن شبھة الوسخ و تحل للغنی کذا فی التبیین ، فان عمل ھاشمی علیھا و رزق من غیر ھا لا باس بہ، ھکذا فی الخلاصة“ (عالمگیری ج ۱،۱۸۸)

﴿۳۸۵﴾**فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں،

کہ کیا کوئی شخص غلط طریقہ سے بی اے کا امتحان پاس کر کے لیکچرار لگ جاتا ہے۔اس کی تنخواہ حلال ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ سائل اسماعیل خان میانوالی۔

الجواب: ایسے شخص کی کمائی جائز ہے کیونکہ وہ اپنے عمل کی تنخواہ لے رہا ہے۔لیکن اس کے اس فعل کا گناہ بہرحال اس کے ذمے باقی ہے،

”و حرمته الفعل لا تنافي ترتب الاحكام فصار كطلا ق الحائض والوضو بالمياه المغصوبه۔ والا صطبا د بقوس مغصوبه۔“

﴿۳۸۶﴾**فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں،

عورت کی اہمیت وحقوق واضح فرمادیں؟ بینوا توجروا۔ سائل انجم شیراز میانوالی

الجواب: قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں،”**ولهن مثل الذی عليهن بالمعروف**“ (اور عورتوں کے لیے بھی ویسا ہی حق ہے جیسا ان پر (خاوندوں کا) ہے (البقرہ:۲:۲۲۸)”ولا يحل لكم ان تاخذو ا مما اتيتمو هن شيئا الا ان يخافا الا يقيما حدود الله فان خفتم الا يقيما حدود الله فلا جناح عليهما فيما افتدت به تلك حدود الله فلا تعتدو ها و من يتعد حدود الله فاؤلئك هم الظالمون ٥

(البقره ۲:۲۲۹)

اور تمہیں حلال نہیں کہ جو کچھ عورتوں کو دیا اس میں سے کچھ واپس لو، ہاں مگر جب دونوں کو اندیشہ ہو کہ اللہ کی حدیں قائم نہ کریں گے، پھر اگر (اے حاکمو) تمہیں خوف ہو کہ وہ دونوں ٹھیک انہی حدود

پر نہ رہیں گے تو ان پر کچھ گناہ نہیں اس میں جو بدلہ دے اور کہ عورت جان چھڑا لے یہ اللہ کی حدیں ہیں ان سے آگے نہ بڑھو، اور جو اللہ کی حدوں سے آگے بڑھے تو وہی لوگ ظالم ہیں۔

۱۔ ان آیت میں عورتوں کے حقوق کو بھی اسی طرح محفوظ کر دیا گیا ہے جیسے مردوں کے۔

۲۔ خاوند نے عورت کو مہر یا تحائف کی صورت میں جو کچھ دیا، اس پر عورت کا ملکیت منوایا گیا۔ اگر اس وجہ سے میاں بیوی کے تعلقات میں ناگواری کا اندیشہ پیدا ہو جائے تو عورت مال دے کر بطور خلع اپنی جان خاوند سے آزاد کروا سکتی ہے۔

"**ولا تمسکو ھن ضرا را لتعتدو ا**" اور عورتوں کو ضرر و ایذا دینے کے لیے روک کر حد سے نہ بڑھو۔ (البقرہ:۲:۲۳۱)

"**و عاشرو ھن بالمعروف**" عورتوں کے ساتھ گذر بسر کرو اچھی طرح سے (النساء۴:۱۹)

یہ چند اللہ تعالیٰ کے احکام ہیں جن میں عورتوں کے حقوق بھی اسی طرح مقرر کیے گئے ہیں جیسے مردوں کے۔ ان پر ظلم سے منع فرمایا گیا ہے۔ ان کو حق خلع دیا گیا ہے۔

فرمودات مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم

۱۔ "خیر متاع الدنیا المراۃ الصالحۃ۔"

دنیا کی بہترین دولت اچھی بیوی ہے۔ (صحیح مسلم)

۲۔ اللہ کے تقویٰ کے بعد بندہ مومن نے اچھی بیوی سے بہتر چیز حاصل نہیں کی۔

"ان امرھا اطاعتہ و ان نظر الیھا سرقہ و ان اقسم علیھا ابرتہ و ان غاب عنھا نصحتہ فی نفسھا و مالہ"

الصلوٰۃ والسلام علیک یا سیدی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اگر اسے حکم دے وہ اس کی اطاعت کرے، اس کی طرف دیکھے تو اس (خاوند) کو خوش کر دے اور اگر خاوند اس کے بھروسہ پر قسم اٹھالے تو اس کی قسم پوری کردے۔ اور خاوند گھر پر موجود نہ ہو تو اپنے نفس (عزت وعصمت) اور خاوند کے مال کی بہتری کی تدبیر کرے۔ (خیر خواہی کرے)

ابن ماجہ۔

۳۔　خبردار (غیر محرم) عورتوں کے پاس مت جاؤ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! ارایت الحمو دیور جیٹھ کے متعلق کیا خیال مبارک ہے؟ قال الحمو الموت۔ فرمایا دیور یا جیٹھ تو موت ہے۔ (صحیح بخاری ومسلم)

عورت سے حسن سلوک

۱۔　قال رسول اللہ ﷺ استوصوا بالنساء خیرا

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عورتوں سے سلوک کرو۔ (متفق علیہ)

۲۔　لا یفرك مومن مومنہ ان کرہ منہا خلقا رضی منہا اخر

مومن مرد عورت (بیوی) سے بغض نہ کرے اگر اس کی ایک عادت سے ناپسند ہے تو دوسری کوئی پسندیدہ ہوگی۔ (صحیح مسلم)

۳۔　رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، "خیرکم خیرکم لا ھلہٖ و انا خیرکم لا ھلی و اذا مات صاحبکم فدعوہ"

تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے اہل وعیال کے لیے بہتر ہے اور میں تم میں سے سب سے زیادہ بہتر ہوں اپنے اہل وعیال کے لیے اور جب تمہارا جیون ساتھی مرجائے اس کی بدگوئی چھوڑ دو۔

(ترمذی، دارمی، ابن ماجہ)

٤۔　اکمل المومنین ایمانا احسنھم خلقا و خیارکم خیارکم لنسائھم

کامل تر ایمان والا وہ جو سب سے اچھے اخلاق والا اور تم میں بہتر وہ جو اپنی عورتوں کے لیے بہتر ہے۔ والطفھم باھلہ اور اپنے اہل وعیال کے لیے نرم وملائم رویہ رکھنے والا۔ (جامع ترمذی)

٥۔　ابغض الحلال الی اللہ الطلاق

حلال چیزوں میں اللہ کے ہاں سب سے ناپسند طلاق ہے (سنن ابوداؤد)

ان قرآنی آیات اور احادیث سے واضح ہو جاتا ہے کہ بیوی کے شوہر پر اتنے ہی حقوق ہیں جتنے شوہر کے بیوی پر حقوق ہیں۔

﴿۳۸۷﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ مساجد میں کیلنڈر لگانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ سائل ابراہیم خان میانوالی

الجواب: مساجد میں کیلنڈر لگانا جائز ہے۔ اس لیے کہ ان کیلنڈروں کا اصل مقصود دعوت واشاعت دین ہے۔ اشتہارات کی حیثیت ذیلی ہوتی ہے۔ اس لیے ان کا اعتبار نہ ہوگا۔

﴿۳۸۸﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ مصنوعی بالوں کا لگوانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ سائل عاطف محمود خان میانوالی

الجواب: ہمارے زمانہ میں خواتین میں مصنوعی بالوں اور جوڑوں کا استعمال بہت بڑھ گیا ہے۔ یہ ناجائز اور نادرست ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری کی حدیث میں ہے: "ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعن الواصلۃ والمتوصلۃ (عن عائشۃؓ و ابن مسعودؓ و ابن

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

عمرؓ و ابی ھریرۃؓ) آپ نے بال جوڑنے اور جڑوانے والی پر لعنت کی ہے۔ (بشرطیکہ وہ بال اصلی ہوں) ایک اور روایت میں ہے: حضرت معاویہؓ آخری دفعہ مدینہ تشریف لائے اور خطاب فرمایا اور اسی درمیان بالوں کا ایک گچھا نکالا اور فرمایا، میں سمجھتا ہوں یہودیوں کے سوا کوئی ایسی حرکت نہیں کرسکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو یعنی بال جوڑنے کے فیشن کو فریب قرار دیا ہے۔ یہاں تک کہ بعض ایسی نوجوان لڑکیوں کے لیے اس کی اجازت چاہی گئی جن کی شادی ہونی تھی اور بیماری کی وجہ سے ان کے سر کے بال گر گئے تھے۔ لیکن حضور ﷺ نے پھر بھی سختی سے منع فرما دیا۔ (بخاری شریف) ہاں اگر دھاگوں یا کپڑوں کا استعمال اس کے لیے کیا جائے جیسے ربن، چوٹی نیلون وغیرہ تو اس کی اجازت ہے۔ چنانچہ ابوداؤد میں سعید بن جبیرؓ سے مروی ہے، "لا بـــاس بـالتواصل" فتاویٰ عالمگیری میں ہے:" و صل الشعـر بشعـر الادمی حرام سواء کان شعـرهـا او شعر غیر ها کذا فی الاختیار شرح المختار ولا باس للمرائة ان تجعل فـی قـرونهـا و ذوائبهـا شیـعا من الوبر کذا فی فتاویٰ قاضی، فتاویٰ هندیه جلد ٤ ص ١١٣)

﴿٣٨٩﴾ فتــوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کبوتر و پتنگ بازی کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔ سائل اسلم میانوالی

الجواب: حضور اکرم ﷺ نے کبوتر بازی کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا ہے۔ کبوتر کے پیچھے دوڑتے ہوئے ایک شخص کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، شیطان شیطان کے پیچھے دوڑ رہا ہے۔ کبوتر بازی ہی پر پتنگ بازی کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے۔ یہ کراہت عام حالات

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

میں تو ہے ہی اگر اس کے ساتھ جوا اور دوطرفہ شرط بھی ہو۔تب تو حرام نیز اور بھی سخت گناہ کا باعث ہوگا۔

﴿۴۹۰﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں،

گھوڑ دوڑ اور ریس جائز ہے یا نہیں۔بینوا توجروا۔سائل ابراہیم خان میانوالی

الجواب: رسول اللہ ﷺ نے گھوڑ دوڑ کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے۔(ابوداؤد، ابن ماجہ عن ابی ہریرہ، ابن ماجہ عن انس، ابوداؤد، ابن ماجہ عن عثمانؓ) لیکن اگر اس میں قمار پیدا ہو جائے تو قمار کی وجہ سے حرام ہے۔ریس کی مروجہ صورت جس میں ہر کھلاڑی کو ایک خاص فیس ادا کرنی ہوتی ہے۔انعامی رقم سبقت کرنے والے کو ملتی ہے اور دوسروں کی فیس ضبط ہو جاتی ہے میں قمار پایا جاتا ہے۔اس لیے کہ اس طرح ہر شریک ایک مبہم نفع اور نقصان کے درمیان رہتا ہے اور اسی کا نام قمار ہے۔ہاں اگر مقابلہ کرایا جائے اور کوئی تیسرا شخص انعام دے تو درست ہے۔

ملک العلماء علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں:" کذا ما یفعله السلاطین وهو ان یقول لو حلین من سبق منکما فله کذا فهو جائز۔"اسی طرح اس دوڑ کا حکم ہے جسے بادشاہ کرایا کرتے ہیں کہ دو آدمیوں سے کہتے ہیں تم میں سے جو سبقت لے جائے اس کے لیے یہ انعام ہے تو جائز ہے۔خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے: **ترجمہ:** دوڑ چار چیزوں میں جائز ہے۔اونٹ، گھوڑے، تیر اندازی اور پیدل دوڑ میں۔اور اس وقت جائز ہے جب کہ بدل ایک جانب سے متعین ہو۔بایں طور کہ کہے اگر تم مجھ سے آگے بڑھ گئے تو تمہارے لیے یہ ہے اور اگر میں تم سے بڑھ جاؤں تو میرا تمہارے ذمہ کچھ نہ ہوگا۔یا اس کے برعکس لیکن اگر ہر دو جانب سے بدل ہو تو وہ جوا اور حرام ہے۔

سوائے اس کے کہ کسی تیسرے شخص کو اس مقابلہ میں شریک کرلے جو اس کھیل کو حلال کر دے۔ اس طرح کہ ان دونوں میں سے ہر ایک کہے اگر تم مجھ سے بڑھ جاؤ تو تمہارے لیے یہ انعام ہے میں تم سے بڑھ جاؤں تو میرے لیے یہ انعام ہے۔ اور اگر یہ تیسرا شخص آگے بڑھ گیا تو اس کے لیے کچھ نہیں ہے۔ ایسے ہی وہ صورت بھی جائز ہے کہ حکم دینے والا ایسا انعام دے اور وہ کہے کہ تم میں سے جو آگے بڑھ جائے اس کے لیے یہ انعام ہے۔

اس طرح یہ تیسری صورت بھی جائز قرار پائی کہ مقابلہ میں دو سے زیادہ آدمی شریک ہوں اور انعام کی شرط صرف دو آدمی آپس میں رکھیں، دوسرے شرکاء اس قسم کی شرطوں سے مستثنیٰ رہیں۔

﴿۳۹۱﴾ **فتوی شرعی** کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں،

شطرنج و چوسر کا کھیلنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ سائل محمد اقبال میانوالی

الجواب: چوسر اور شطرنج کھیلنا مطلقاً ناجائز ہے چاہے اس میں جوا ہو یا نہ ہو۔

علامی ابوعبداللہ قرطبی المائدہ آیت۔ ۹ کے ذیل میں لکھتے ہیں: "هذه الاية تدل على تحريم اللعب بالنردو الشطرنج قماراً او غير قمار۔"

یہ آیت شطرنج اور چوسر کے کھیل کی حرمت کو بتاتی ہے چاہے اس میں جوا ہو یا نہ ہو۔

چنانچہ! احادیث میں بھی مطلقاً شطرنج اور چوسر کی مذمت کی گئی ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا، جس نے چوسر کھیلا اس نے سور کے گوشت اور خون میں ہاتھ ڈالا۔ اور یہ کہ اس نے خدا اور رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کی۔ اسی طرح شطرنج کھیلنے والوں پر لعنت کی ہے۔ اور فرمایا کہ ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نگاہ رحمت نہیں ڈالے گا۔

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اور اگر اس کے ساتھ جوا بھی ہو تب تو ظاہر ہے یہ گناہ اور بھی زیادہ ہو جاتا ہے۔

فتاویٰ عالمگیری جلد۴ص۱۱ میں ہے:"و یکرہ اللعب بالشطرنج والنرد۔

شطرنج اور چوسر کھیلنا مکروہ ہے۔

﴿۲۹۲﴾فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں،

دانتوں میں سمنٹ یا چاندی بھروانا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔** سائل محمود احمد میانوالی

الجواب: بعض کھوکھلے اور جراثیم خوردہ دانتوں میں سمنٹ اور چاندی وغیرہ بھروائی جاتی ہے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ فقہاء نے چاندی اور سونے کے تاروں سے دانتوں کو باندھنے کی اجازت دی ہے۔"و یشد الاسنان بالفضة ولا یشدھا بالذھب و قال محمد لا بأس به۔"

﴿۲۹۳﴾فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں،

کہ جانوروں کو میڈیکل ریسرچ کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

(سائل محمد اقبال میانوالی)

الجواب: مختلف دواؤں کے اثرات اور فائدوں کا تجزیہ کرنے کے لیے بسا اوقات جانوروں کو استعمال کرنا پڑتا ہے۔ پہلے ان کے جسم میں ایسے جراثیم داخل کیے جاتے ہیں۔ جو اس بیماری کو پیدا کریں۔ پھر ان ممکنہ دواؤں کو ان پر آزمایا جاتا ہے جو ان امراض کے لیے مفید ثابت ہو سکتی ہوں۔ یہ صورتیں جائز ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ اسلام نے جانوروں کو خواہ مخواہ اذیت دینے اور اس کا مشاہدہ کرنے کو اپنے لیے سامان تفریح بنانے کی اجازت نہیں دی ہے۔ لیکن دوسری طرف

اس نے یہ تصور بھی پیش کیا ہے کہ کائنات کی تمام اشیاء انسان کے لیے خادم ہیں۔ اسی لیے جانوروں کی سواری، ان کے گوشت کو غذا چمڑوں کو لباس اور کسی عضو انسانی کی صحت کے لیے اس کے جسم میں پیوند کاری کی اجازت دی گئی ہے۔ مذکورہ صورتوں میں بھی چونکہ تفریح اور بے مقصد اذیت رسانی نہیں ہے۔ بلکہ انسان کی ایک واقعی اور لازمی ضرورت کے لئے ان سے خدمت لینا اور استفادہ کرنا اصل منشاء ہے۔ اس لیے اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

﴿۳۹۴﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں،

ڈاکٹر حضرات جو فیس لیتے ہیں کیا یہ درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ سائل محمد نعیم میانوالی

الجواب: ڈاکٹر بسا اوقات دوا نہیں دیتے ہیں، صرف مرض تشخیص کر کے دواؤں کا نسخہ لکھتے ہیں اور اس کی فیس لیتے ہیں، یا وکلا قانونی مشورے دیتے ہیں اور اس کی فیس لیتے ہیں شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں۔ ہر قسم کی خدمت پر بشرطیکہ حرام کی حدوں میں داخل نہ ہو۔ کوئی اجرت متعین کرنا اور لینا درست ہے۔ مشورے دینا ہدایات دینا اور اس کے لیے اپنے دماغ اور علم کا استعمال کرنا بھی ایک خدمت ہے۔ اس لیے اس کی مناسب فیس مقرر کرنا بھی جائز ہوگا۔

﴿۳۹۵﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں،

کمیشن ایجنٹ بننا شرعی اعتبار سے جائز ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ سائل عصمت اللہ خان میانوالی

الجواب: کمیشن ایجنٹ کا کاروبار ان دنوں کافی بڑھ گیا ہے۔ تھوڑے تھوڑے فرق کے ساتھ اس کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں۔ لیکن بنیادی طور پر دو نوعیت کے کاروبار کئے جاتے ہیں کبھی تو ایجنٹ ایک مال خرید کر دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے۔ مثلاً اینٹ پندرہ سو روپے

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

خریدی ہے۔ ایجنٹ آرڈر حاصل کر کے اینٹ لیتے ہیں اور اکثر اوقات بھٹہ سے سیدھے اصل خریدار کے ہاں بھیج دیتے ہیں، خریدار کو اپنے مرکز سے بھی اسی قیمت میں اینٹ ملتی ہے۔ لیکن ایجنٹوں کو دس فی صد کم قیمت پر مل جاتی ہیں اور یہی اس کا نفع ہوتا ہے۔

اس سلسلہ میں یہ اصول یاد رکھنا چاہیے کہ احناف کے ہاں کسی شئے کا بیچنا اسی وقت جائز ہوگا جب پہلے خود اس کا قبضہ ہو جائے۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبضہ کرنے سے پہلے ہی اس کو فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (موطا امام مالک)

منتقل ہونے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جائے جانے والی اشیاء پہلے اپنی تحویل میں لے لی جائے۔ ایجنٹ کا اپنی کیرج پر اینٹ اٹھوالینا گویا اپنی تحویل اور قبضہ میں لے لینا ہے۔ اس لیے اب اس کا نفع کے ساتھ فروخت کرنا درست ہے۔ ہاں اگر وہ خریدار سے کہے کہ اپنی کیرج میں لا کر اس مرکز سے اینٹ حاصل کرلو اور خود جا کر ان اینٹوں کو علیحدہ نہ کرائے، تو چونکہ یہ قبضہ سے پہلے سامان فروخت کرنا ہے، اس لیے ایجنٹ کا یہ کاروبار درست نہ ہوگا۔ قبضہ بذریعہ ایجنٹ بھی ہوسکتا ہے۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایجنٹ صرف خریدار تیار کرتا ہے۔ اور اس ترغیب کے عوض اس کو تاجر کچھ فی صد نفع دیتے ہیں۔ یہ صورت بھی جائز ہوگی۔ اس لیے کہ یہ اس کی محنت اور ترغیب کی اجرت ہے۔ جس کے جائز نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

﴿۳۹۶﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ میرے دوست سینٹ، خوشبو کا بہت زیادہ استعمال کرتے ہیں کیا یہ درست ہے؟

(سائل اسماعیل خان میانوالی)

الجواب: عموماً آج کل جدید طرز کا جو سینٹ (سپرے) استعمال کیا جاتا ہے اس میں الکحل کے اجزا پائے جاتے ہیں۔ الکحل کے بارے میں تحقیق یہ ہ کہ وہ شراب بلکہ روح شراب ہے۔ شراب صرف حرام ہی نہیں ناپاک بھی ہے۔ قرآن کریم میں اس کو "رجس" (مائدہ۔۹) قرار دیا گیا ہے اور ایسی چیز کا شدید ضرورت کے بغیر خارجی اور بیرونی استعمال بھی درست نہیں ہے۔ جیسے جسم پر ملنا وغیرہ اس لیے اگر یہ تحقیق درست ہے کہ الکحل کا اس میں استعمال کیا جاتا ہے تو سینٹ کا استعمال جائز نہیں۔ (الفتاویٰ ہندیہ جلد ا ص ۲۳)

﴿۳۹۷﴾ فتوی شرعی کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں، کہ ہم متاثرین چشمہ بیراج نے آپس میں حلف اٹھایا کہ پانڈا ایریا چشمہ نے حلف اٹھایا کہ اس ایریا کا ٹھیکہ کسی غیر متاثرہ کو نہیں لینے دینگے۔ اگر کوئی غیر لے گا تو ہم پر حلف ہوگا یہ ٹھیکہ عزیز اللہ خان اور حلف اٹھانے والوں میں بمقابلہ انتیس لاکھ تک پہنچا۔ پہلی قسط جمع ہوئی متاثرین نے رقم نہ دی اور ٹھیکہ کینسل ہوگیا۔ دوبارہ پھر ٹھیکہ ہوا عزیز اللہ خان نے ٹھیکہ پچاس ہزار میں لے لیا ان لوگوں نے تعاون کیا جو پہلے حلف میں شامل تھے۔ شرعاً کیا ان پر کفارہ ہوگا۔ حالانکہ عزیز اللہ خان (غیر متاثرہ نہ ہے) ان کو بھی چشمہ کا متاثرہ بنایا گیا ہے۔ شرعی مسئلہ سے آگاہ فرمائیں۔ بینوا توجروا۔ محمد نثار احمد خان میانوالی

دعا گو: (۱) صاحب داد خان ولد حقداد خان سکنہ روکھڑی۔ (۲) احمد حیات خان ولد خان زمان خان بیرولی۔ (۳) ملک فیض محمد ولد عطا محمد۔ (۴) سردار خان ولد عالم خان۔

الجواب: صورۃ مسئولہ میں جواب بالصواب یہ ہے کہ مندرجہ بالا صورۃ میں چونکہ

الحمد للہ علی احسانہ جمعہ ۱۳ ربیع الاول ...

عزیز اللہ مذکور غیر متاثر نہیں ہے بلکہ انہیں کا ایک فرد ہے۔ اور رشتہ دار ہے تو عزیز اللہ کے ساتھ تعاون کرنے پر کسی کو بھی کوئی کفارہ یا جرمانہ نہیں۔ حلف اٹھا کر دینے والے حضرات عزیز اللہ خان کی مقرر کردہ قیمت پر ٹھیکہ لے سکتے ہیں۔

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم